



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

DATA ENTERED



آلِهَا النَّسَبُ الْمَعْلَى الْقَلْبُ
يَا أَيُّهَا أَحْرُصُوا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنین کو جنگ (جہاد) کی ترغیب دو۔ (قرآن الہی)



تَرْغِيبُ الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ
بِجِهَادِ اللَّهِ فِي سَبِيلِهِ





قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ

كَيْتَابِكُمْ الْقِتَالُ وَهُوَ كِتَابُكُمْ

تم (لوگوں) پر جنگ (جہاد) کو فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناپستی سے (فرمان الہی)



قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لِي حُرْفَانِ الْفَقْرُ وَالْجَهْلُ

میرٹے دو ہنر (بہتتیار) ہیں فقر اور جہل۔ (فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)



خُلقِ اشرافِ اشدِّین کی جنگی حکمت عملی

اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ

تین سو سے زیادہ جنگوں اور مہمت پر محیط منفرد مستند کنٹ

حصہ دوم
فتوح فلسطین و سمر

مصنف

میجر (ر) امیرال خاٹ

میر و ناشر

اشد قلیشی

بانی تصوف فاؤنڈیشن

تصوف فاؤنڈیشن
۱۲۱۹ھ

شاہکار کتب جہاد

شماره (۴)

۲۹۷۳۹۲
۱۰۶۹

مدیر و ناشر

۱۵۸۳۳۵

ابو نجیب حاجی محمد ارشد قریشی

مدیر ۲

بانی تصوف فاؤنڈیشن ۷۵۹۹۵۳۲



اجملہ حقوق محفوظ

ناشر ————— تصوف فاؤنڈیشن ۲۳۹ ابن سمن آباد
طبع ————— زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
ایڈیشن ————— ۶۲۰۰۲ / ۱۴۲۲ھ (۵۰۰)
قیمت ————— مجلد ۵ روپے
تقسیم کار ————— المعارف گنج بخش روڈ لاہور پاکستان

۰۳۹۰۰ - ۵۰۶ - ۹۶۹ - آئی ایس بی این

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف آغاز

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویٰ سے شرابِ بولہبی

گیارہ ستمبر کو امریکہ کے تجارتی (ورلڈ ٹریڈ سنٹر) اور دفاعی (پینٹاگون) مراکز کی تباہی مکافاتِ عمل کا نتیجہ تھی لیکن امریکہ نے اس واقعہ کو بہانہ بنا کر دہشت گردی کے خاتمہ کی آڑ لے کر ایک طویل المیعاد نظریاتی و عسکری جنگ کا آغاز کر دیا ہے۔ وہ اسے صلیبی جنگ، تہذیبوں کا تصادم، آزادی کی جستجو یا دہشت گردی کے خلاف جنگ کوئی بھی نام دئے درحقیقت یہ کفر اور اسلام کی جنگ ہے۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے پانچ ہفتہ کی شدید ترین بمباری اور خون ریزی کے بعد افغانستان کو تباہ اور طالبان کی اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ امریکہ پہلے ہی یہ واضح کر چکا ہے کہ یہ سلسلہ افغانستان پر نہیں رکے گا بلکہ ساٹھ ممالک پر محیط ہوگا۔ اسلامی ممالک کی تعداد ستاون ہے اس میں فلسطین، چینیا اور کشمیر شامل کر لیں تو یہ تعداد ساٹھ ہو جاتی ہے۔ گویا اس جنگ کے اہداف نامزد کئے جا چکے ہیں۔ امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف اس جنگ کے عرصہ کا تعین نہیں کیا ہے لیکن امریکہ کے پالیسی ساز یہود نواز حلقے جنگ کو پچاس سال پر محیط دیکھتے ہیں۔ ظاہر ہے پچاس سال افغانستان جیسے ملک کو فتح کرنے یا دہشت گردوں کو کفر کردار تک پہنچانے کے لئے درکار نہیں ہیں بلکہ یہ عرصہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے عمل کو روکنے اور عالم اسلام میں روز افزوں جذبہ جہاد کو سرد کرنے کے لئے مطلوب ہے۔ ایشی پاکستان اسلام کا قلعہ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا عنوان ہے اس لئے براہ راست اس یلغار کی زد میں ہے۔ عالم اسلام اتحاد اور جہاد سے لیس ہو کر ہی اس یلغار کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن جہاد صرف جذباتی عمل نہیں ہے بلکہ ایک خاص ماحول کی پیداوار ہوتا ہے۔ یہ ماحول اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک امت کا ہر فرد یا اکثریت اسلام کے عطا کردہ نظام حیات کے مطابق پوری زندگی بسر نہ کرے۔ گیارہ ستمبر کے بعد دنیا بدل گئی ہے مسلم لہتہ کو بھی بدلنا ہوگا، اسلام اور عالم اسلام کی بقا کے لئے اب جہاد ناگزیر ہو گیا ہے۔

۵۹-۱۲



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ”لِيُجْرَلَتَانَ الْفَقْرُ وَالْجِهَادُ“ کی تعمیل میں تصوف فاؤنڈیشن نے فقر و تصوف کے ساتھ ساتھ جہاد اور فن حرب پر بھی کتابیں شائع کرنے کا عزم کیا ہے۔ پہلے مرحلے میں ”شاہکار کتب جہاد“ سلسلہ کی حسب ذیل تین کتابوں کا سیٹ جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے شائع کیا جا رہا ہے ان کتابوں کے مصنف اس موضوع پر اتھارٹی اور یہ کتابیں بلاشبہ شاہکار کتب ہیں۔

(۱) جہاد: جہاد اور فن حرب کے متعلق قرآن مجید کے رہنما و عالمگیر اصول از بریگیڈ ریگنڈ اراحمہ

(۲) رسول اللہ کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ از میجر امیر افضل خاں

(۳) خلفائے راشدین کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ (چار جلدیں) از میجر امیر افضل خاں

جہاد اور فن حرب پر یہ شاہکار کتب ملٹری اور جہادی ٹریننگ کے لئے بہترین نصاب ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ جہاد اور فن حرب کو تعلیمی اداروں اور دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا جائے اور موجودہ حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے مسلم لٹہ کو جہاد کے لئے تیار کیا جائے۔ یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ پہلی کتاب ”جہاد“ تیس سال پہلے شائع ہوئی تھی۔ ”رسول اللہ اور خلفائے راشدین“ کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ“ پر مشتمل باقی پانچ کتابیں بھی بیس سال قبل آرمی ایجوکیشن پریس نے آرمی کے لئے شائع کی تھیں۔ اب تصوف فاؤنڈیشن ان نایاب اور لازوال کتابوں کو منظر عام پر لا رہا ہے۔ انتہائی محدود وسائل کی وجہ سے یہ کتابیں محدود تعداد میں شائع کی جا رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کتابوں کی وسیع اشاعت ہو اور جہاد اور فن حرب پر مزید کتابیں شائع کی جائیں۔ اس سلسلے میں دردمند مخیر حضرات کو تعاون کی دعوت ہے۔ آخر میں ان دوستوں اور عزیزوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ان کتابوں کی اشاعت میں مدد کی ہے اللہ تعالیٰ اس کا خیر کو ان کے لئے توہمہ آخرت بنائے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ۔

ارشاد قریشی

بانی تصوف فاؤنڈیشن لاہور

یکم رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ / ۷ نومبر ۲۰۰۱ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خلفائے راشدینؓ

کی جنگی حکمتِ عملی

اور

تدبیرات کا تجزیہ

کتاب دوم

فتوحاتِ فلسطین و شام



ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان

آرمی ایجوکیشن پریس

اسلام کے
غازیوں اور شہیدوں
کے نام



بہ آں گروہ کہ از ساغر وفا مستند
سلام ما بہ رسانید ، ہر کجا ہستند



خلفائے راشدین کی جنگی حکمتِ عملی اور تدبیرات کا تجزیہ



فہرستِ مضامین

صفحہ	پیش لفظ	
۱		
۷	ابتدایہ	۱- پہلا باب
۱۹	خلیفہٴ اول کی شام و فلسطین کی فتوحات کی حکمتِ عملی	۲- دوسرا باب
۳۹	جناب خالد بن ولید کا شام کی طرف کوچ	۳- تیسرا باب
۵۷	جنگِ اجنادین	۴- چوتھا باب
۸۳	جناب صدیق اکبرؓ کی وفات - اور فاروقِ اعظمؓ کی خلافت (یرموک کی پہلی جنگ)	۵- پانچواں باب
۱۰۵	دمشق کا محاصرہ اور فتح	۶- چھٹا باب
۱۲۹	فعل، حمص اور باقی علاقوں میں فوجی کارروائیاں	۷- ساتواں باب
۱۴۷	یرموک کی جنگ کے لئے طرفین کی تیاری	۸- آٹھواں باب
۱۷۹	جنگِ یرموک	۹- نواں باب
۲۲۷	فتح بیت المقدس	۱۰- دسواں باب
۲۴۱	بلاذشام کی دیگر فتوحات	۱۱- گیارھواں باب
	فتوحاتِ عراق و ایران اور شام و فلسطین کے	۱۲- بارھواں باب
۲۶۵	بڑے بڑے واقعات اور ان کا تسلسل	
۲۷۵		

۱۰۱۳ اشاریہ



خلفائے راشدین حصہ دوم

○

نقشہ جات

- | | | |
|-----|---|----------------------|
| ۱۱۷ | جناب صدیق اکبرؓ کی فتوحاتِ شام کے لئے حکمت عملی اور اہل لشکر کے مقصود | ۱- نقشہ اول - |
| ۱۲۲ | جناب خالد بن ولیدؓ کا عراق سے یرموک کی طرف کوچ کا راستہ - | ۲- نقشہ دوم - |
| ۱۵۸ | اجنادین کی جنگ - کوچ کا راستہ اور محل وقوع - | ۳- نقشہ سوم - |
| ۱۹۶ | شام اور اردن کی فتوحات - | ۴- نقشہ چہارم - |
| | (یرموک اور فحل کی پہلی جنگیں - اور دمشق کا محاصرہ) - | |
| ۱۵۲ | شام سے مسلمانوں کو نکالنے کے لئے ہرقل کی تجویز - | ۵- نقشہ پنجم - |
| | (یرموک کی دوسری جنگ کی تیاری) - | |
| ۱۴۴ | یرموک کا میدانِ جنگ - طرفین کی صف بندی - | ۶- نقشہ ششم - |
| ۱۸۴ | یرموک کی جنگ - دوسرے دن کی کارروائی - دو مرحلے - | ۷- نقشہ ہفتم - |
| ۱۹۰ | یرموک کی جنگ - تیسرے دن کی کارروائی - دو مرحلے - | ۸- نقشہ ہشتم - |
| ۱۹۴ | یرموک کی جنگ - چوتھے دن کی کارروائی - دو مرحلے - | ۹- نقشہ نہم - |
| ۲۰۶ | یرموک کی جنگ - چھٹے دن کی کارروائی - پہلا اور دوسرا مرحلہ - | ۱۰- نقشہ دہم (الف) - |
| ۲۱۲ | یرموک کی جنگ - چھٹے دن کی کارروائی - تیسرا اور چوتھا مرحلہ - | ۱۱- نقشہ دہم (ب) - |
| ۲۱۴ | یرموک کے میدانِ جنگ کے آخری لمحات - | ۱۲- نقشہ یازدہم - |
| ۲۳۶ | شمالی شام - اور جزیرہ کا علاقہ (محل وقوع) - | ۱۳- نقشہ دوازدہم - |
| ۲۴۸ | شمالی شام - مشہور شہر اور پرانے قافلوں کے راستے - | ۱۴- نقشہ سیزدہم - |
| ۲۵۳ | جزیرہ کے علاقے کی تفصیلات - | ۱۵- نقشہ چہار دہم - |



تعارف

زیر نظر کتاب خلفائے راشدین کی جنگی حکمتِ عملی و تدبیرات کے تجزیہ پر مبنی سلسلہ کتب کی دوسری کتاب ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے جس بالغ نظری سے فتوحاتِ شام و فلسطین کے واقعات اور مضمرات پر بحث کی ہے، وہ اسلامی تاریخ پر مصنف کے مکمل عبور کا ثبوت ہے۔ اسلامی تاریخ میں جنگِ اجنادین اور جنگِ یرموک کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ مصنف نے دونوں جنگوں کو نہ صرف واقعاتی طور پر تفصیل سے بیان کیا ہے بلکہ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نتائج کے لحاظ سے ان دونوں جنگوں کو اسلامی تاریخ میں ایک فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ ان جنگوں میں مسلمانوں نے "حکمتِ عملی کی پسپائی" اختیار کر کے "تدبیراتی طور پر" جو جارحانہ عمل اختیار کیا، مصنف نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ہر قتل اپنے زمانے کا ایک تسلیم شدہ جنگی حکمتِ عملی کا ماہر مانا جاتا ہے، لیکن مسلمانوں کے مقابلے میں اُسے اس طرح شکست ہوئی کہ وہ ایشیا کو آخری سلام کر کے قسطنطنیہ (استنبول) پہنچ گیا۔ مصنف اس بات کا تفصیلی جائزہ پیش کرتا ہے کہ مسلمانوں نے موسم اور اپنے "دوست" ریگستان کو اپنے حق میں استعمال کر کے اور دشمن کو اس کے "دوست" سمندر سے دور لاکر کس طرح اپنے سے تین گنا لشکر کو شکست دے کر اپنی بہتر حکمتِ عملی و تدبیرات کا ثبوت دیا۔

مصنف نے اسلام کے پہلے پچیس سالوں کی تمام فتوحات اور مشہور واقعات کا خلاصہ اس کتاب کے بارہویں باب میں پیش کر دیا ہے جو آئندہ تحقیق کرنے والوں کے لئے یقیناً مفید ثابت ہوگا۔

بریکڈیٹر عبدالمجیب

ڈائریکٹر آرمی ایجوکیشن



پیش لفظ

حرف تشکر

سب تعریفیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہیں اور اُس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضور پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم رفقارضا کی زندگی کے عملی پہلوؤں کی جھلک کے حصہ دوم کو پیش کر رہا ہوں۔ اس سلسلہ کے حصہ اول میں گزارش کر دی گئی تھی کہ دراصل یہ سب کچھ جلال مصطفیٰ کا ہی سلسلہ ہے جو جاری و ساری ہے۔

اُس پیش لفظ میں یہ بھی بیان کر دیا گیا تھا، کہ کاروانِ حق رواں دواں ہے اس لئے اس حصے کے لئے کسی مفصل پیش لفظ کی ضرورت نہیں ہے۔ جلال مصطفیٰ میں حضور پاک کی ذاتی کمانڈ اور آپ کے مقصد کردہ لشکروں کے سالاروں کی کارروائیوں اور دیگر غلامانِ محمد کی عملی زندگیوں کی ایک جھلک ہے کہ آپ کے زمانے میں مجاہدینِ اسلام نے کس طرح آپ کے احکام کی پیروی کی۔ اور دینِ فطرت کے لحاظ سے زندگی کے مقاصد کیا ہیں۔ یعنی حضور پاک کے غلاموں نے حضور پاک کی نگرانی میں اسلام کے فلسفہ حیات پر عمل پیرا ہو کر ہمارے لئے ایک نمونہ پیش کیا۔ حضور پاک کی وفات کے بعد آپ کے رفقارضا نے اندرونی خلفشار کو دور کر کے کاروانِ حق کو صراطِ مستقیم پر رواں دواں رکھا۔ اور دن رات ایک کر کے ایران و عراق میں اللہ کے احکام کا نفاذ کیا۔ اس کا ذکر اس سلسلے کے حصہ اول میں ہو چکا ہے اور موٹے لفظوں میں نتیجہ یا حاصل یہ ہے کہ تلوار کو اپنے پاس رکھو۔ نہ فقر کے لئے موزوں نہ سلطنت کے لئے وہ قوم جس نے گنوا یا مستانِ تیموری۔ اقبال

حصہ دوم کی وضاحت

حصہ دوم میں فتوحاتِ شام و فلسطین کے بارے میں حکمتِ عملی اور تدبیرات کا جائزہ پیش

کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ کس طرح روم کا شہنشاہ ہرقل ایشیا سے بستر باندھ کر ملک شام کو الوداع کہتا ہوا قسطنطنیہ (استنبول) چلا گیا۔ آگے کیا ہوا۔ وہ بھی ہماری تاریخ کا حصہ ہے کہ ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ پر بھی اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا، گوبلقان اور مشرقی یورپ میں مسلمان دو سو سال پہلے داخل ہو چکے تھے۔ اور مغرب سے سپین میں داخلہ، اسلام کی پہلی صدی میں ہی ہو گیا تھا۔ اور وسط یعنی سسلی اور بحیرہ روم سے داخلہ بھی اسلام کی دوسری صدی میں شروع ہو گیا تھا۔ البتہ بارہویں اور تیرھویں صدی عیسوی میں اہل یورپ نے صلیبیوں کے روپ میں شام اور فلسطین پر کئی ینغاریں کیں اور یہ سلسلہ جاری و جاری ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حق و باطل کی ٹکر جاری ہے۔ اور ہوتا یہ ہے کہ جیسے ہی ہم بھول جاتے ہیں کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے اہل حق کے لئے پیدا کی ہے تو باطل اٹھ کر ہمارے ساتھ مکر لے لیتا ہے۔ یہ حصہ ہمیں ہماری اس ذمہ داری کی یاد دہانی کراتا ہے۔

جہاں تمام بے میراث بندہ مومن ✦ میرے کلام پر حجت ہے نکتہ ٹولاک۔ اقبالؒ

حصہ سوم اور چہارم

اس سلسلہ کی تیسری کتاب فتوحات مصر افریقہ اور خلفائے راشدین کے زمانے کی باقی فتوحات کا جائزہ ہے۔ اور چوتھی کتاب اندرونی خلفشار اور ان بنیادی کمزوریوں کی نشاندہی کرے گی جو اہل اسلام میں وقتاً فوقتاً داخل ہوتی رہیں۔ اور خاص کر خلیفہ سوم اور خلیفہ چہارم کے زمانے میں اس اندرونی خلفشار نے کاروان حق کے مقاصد کے پیلاؤ کو کتنا نقصان پہنچایا۔ ساتھ ہی اسلامی فلسفہ حیات کے مطابق موجودہ زمانے میں امت واحدہ کے تصور کو عملی شکل و صورت دینے کے سلسلے میں کچھ تجاویز بھی ہیں۔

فتوحات شام و فلسطین

فتوحات شام و فلسطین کی بنیادی حکمت عملی کے تانے بانے حضور پاکؐ کے زمانے ہی میں ہاندھے گئے تھے۔ حصہ اول میں فتوحات کی حکمت عملی کے بیان کے وقت ان تمام کارروائیوں کا بھی اکثر ذکر ہے، جو عراق کے محاذ پر صرف اس لئے کی گئیں کہ ان کارروائیوں سے شام کی فتوحات میں آسانی ہوگی۔ اس کتاب میں کوشش یہ کی گئی ہے کہ تمام واقعات کے جائزوں کی بنیاد کو "جلال مصطفیٰؐ" کے واقعات اور پہلی کتاب

کے بیانات سے منسلک کیا جائے۔ تاکہ پوری حکمتِ عملی کی بنیاد اور دو محاذوں کے واقعات کے باہمی روابط آسانی سے سمجھ میں آسکیں۔ اور دینِ فطرت کے جنگ کے مقاصد کی وحدتِ فکر اور وحدتِ عمل کو قائم رکھا جاسکے کیونکہ وحدت کی وجہ ہی سے ہم اُس زمانے میں زندہ قوت تھے۔

پرانے مورخین

پرانے مورخین نے شام و فلسطین کی جنگی کارروائیوں کو کسی صحیح تسلسل سے بیان نہیں کیا اور خود مختار لشکروں کی تعداد زیادہ تھی۔ اُن لشکروں کے لئے جو امدادی دستے بھیجے گئے اُن کو بھی بعض مورخین نے ایک الگ لشکر تصور کر لیا۔ اس کے علاوہ ذمہ داریوں میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ خود مختار طور پر لشکروں نے جو کارروائیاں کیں اُن کے تسلسل کو صحیح طور پر نہ بیان کیا گیا کہ بڑی کارروائیاں تمام لشکروں نے مل کر کیں۔ یرموک کے علاقہ سے دو دفعہ سپائی اختیار کرنا پڑی۔ شمالی شام اور دمشق کو بھی ایک دفعہ خالی کرنا پڑا۔ اور جموں سے اوپر والے شام کے علاقوں کو بھی ایک دفعہ چھوڑنا پڑا۔ یرموک کے میدان میں دو دفعہ لڑائیاں لڑی گئیں۔ دمشق اور فحل بھی دو دفعہ فتح ہوئے وغیرہ۔ سنِ ہجری کا اُس وقت تک تعین نہیں ہوا تھا کہ یہ کام سولہ ہجری میں ہوا۔ زیادہ واقعات اُس سے پہلے کے ہیں تو اس لئے صحیح سال پر بھی کچھ اختلاف ہو گیا۔ لیکن یہ اختلافات نہ اتنے زیادہ ہیں کہ ہماری تاریخ پر کوئی شک کیا جائے اور نہ اتنے مشکل ہیں کہ صحیح صورت پر نہ پہنچا جاسکے۔ ہم نے اپنے جائزوں کے ذریعے سے حالات کو تسلسل دے دیا ہے ایک اور چیز جس سلسلہ میں کافی مورخین جذبات کی رو میں بہہ گئے ہیں۔ وہ جناب خالد بن ولید کی جگہ جناب ابو عبیدہ رضی بن جراح کا سپہ سالارِ اعظم کے رتبہ پر تعین ہے۔ بلکہ کسی مبصرین تو اس حد تک چلے گئے کہ عملی طور پر جناب خالد رضی سپہ سالارِ اعظم رہے اور جناب ابو عبیدہ رضی کے نام سپہ سالار تھے۔ یہ بڑی زیادتی ہے۔ جناب ابو عبیدہ رضی عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں اور اُن کا مقام جناب خالد رضی کی نسبت بہت بلند ہے چنانچہ ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ اسلام کے دونوں عظیم فرزندوں کو اپنے مقام پر دکھایا جائے اور اس سلسلہ میں واضح ثبوت اور جائزے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ شام کی مہمات کو شروع کرتے وقت مورخین جناب خالد رضی بن سعید کی ذمہ داریوں سے سبکدوشی کے معاملہ کی گہرائی میں نہیں گئے تو اس کا صحیح جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔



تاریخ طبری

حصہ اول میں بھی یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ ہمارے پاس پرانی سے پرانی تاریخ جس سے استفادہ کیا جا رہا ہے، طبری کی ہے و اقدی یا اُس سے پہلے کی تاریخوں کے اُردو اور انگریزی ترجمے نہ مل سکے۔ لیکن اور کتابیں ہیں جو پرانے مورخوں کے حوالے سے لکھی گئیں ہیں، وہاں پر کافی مواد مل جاتا ہے اور حالات کی چھان پھٹک ہو سکتی ہے۔ طبری نے جو واقعہ جہاں سے جیسا ملا لکھ دیا، ایک ایک واقعہ کو کسی دفعہ لکھا گیا ہے اور اکثر جگہوں پر ان بیانات میں اختلافات ہیں۔ ایسی جگہوں پر طبقات ابن سعد سے بھی مدد لی گئی ہے کہ تاکہ صحیح صورت حال کا پتہ چل سکے۔

اختلافات

اوپر والے بیان سے یہ تاثر بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ ہماری ساری تاریخ اور خاص کر شام و فلسطین کی تاریخ اختلافات سے بھری پڑی ہے۔ نہیں یہ بات بالکل ہی نہیں۔ بنیادی اور ٹھوس واقعات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس پہلو کو جلال مصطفیٰؐ میں تاریخ اور راوی کے عنوان کے تحت پہلے ہی کھل کر بیان کر دیا گیا ہے کہ دراصل کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ اختلافات، تفصیل اور وقت کے بارے میں ہیں۔ اور تاریخ کے بامقصد مطالعہ کا مدعا بھی یہی ہوتا ہے، کہ صحیح حالات کا کھوج لگایا جائے اور جائزے و تبصرے بغیر کسی لگی لپٹی کے کسی مقصد کے تحت پیش کئے جائیں۔ ہم نے حصہ اول میں یہ واضح کر دیا تھا کہ ہمارے سامنے قرآن پاک اور حضور پاک کی سنت ہے اور ہمارا یہ یقین ہے کہ حضور پاک کے رفقاء کا ہر عمل قرآن پاک اور حضور پاک کی سنت کے مطابق تھا اور اسی پیمانے کو ہمیشہ مد نظر رکھا گیا جہاں معاملہ بالکل دنیاوی قسم کا تھا وہاں پیمانہ بھی دنیاوی مقرر کیا گیا اور اپنے تجزیہ اور تبصرہ کو حرفِ آخر نہیں سمجھا گیا، بلکہ اُس کو ایک رائے کا نام دیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی دوسرے لوگوں کی رائے بھی لکھ دی اور فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا کہ جو چیز اُن کو صحیح معلوم ہو اُس پر یقین کر لیں۔

زماں و مکاں میں اختلاف

پہلے گذارش کر دی گئی ہے، اور آگے بھی یہ وضاحت کھل کر کی گئی ہے کہ مکاں میں معمولی اختلاف یا مکاں کے معاملات کے جو صحیح تجزیے نہیں ملتے، اُس کی وجہ یہ ہے کہ جغرافیہ صحیح نہیں تھا۔ یعنی اُس زمانے میں جغرافیہ میں اتنی ترقی نہ ہوئی تھی، اور نقشوں کا رواج بالکل نہ تھا۔ چنانچہ ہم نے اس کتاب میں پندرہ نقشے دیئے ہیں۔ کہ مکاں کے معاملات سمجھ میں آسکیں، اور اختلافات کو بھی نقشوں کی مدد سے دور کیا جائے۔ زماں یا وقت میں اختلاف اس وجہ سے ہے کہ سولہ ہجری تک مسلمانوں کا کوئی اپنا سن نہیں تھا۔ واقعات یا سالوں کو کبھی ابرہہ کے مکہ مکرمہ پر حملے کے سال کی مدد سے گنتے۔ کبھی حضور پاک کی نبوت کے اعلان سے۔

کبھی مسلمانوں کی مدینہ میں ہجرت کی تاریخ سے اور کبھی حضور پاک کی وفات کی تاریخ سے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کے بعد جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سولہ ہجری ریح الاول کے مہینے سے مسلمانوں کے لئے اپنا ایک سن اور زماں کا حساب کتاب نافذ کر دیا۔ اس میں ایک خاص پہلو بھی تھا کہ اہل حق کی تاریخ مدینہ کی ہجرت سے شروع ہو کہ اسلام ایک اجتماعی دین ہے۔ لیس الا سلام الا بالجماعت اور مدینہ میں ہجرت کے بعد اہل حق کا کارواں مل کر صراط مستقیم پر رواں دواں ہوا اور جگہ جگہ پر اللہ اور رسول کا نام بلند ہونا شروع ہوا۔ تو زماں اور مکاں میں رابطہ کی بنیاد اُس دن سے پڑی۔ لیکن جو واقعات اُس سے پہلے ہو چکے تھے اُن کے مہینے تو لوگوں کو موسم کی وجہ سے کچھ یاد تھے اور چاند کی تاریخیں بھی اکثر جگہوں پر یاد رہیں۔ لیکن سن ہجری کا تعین کرنے میں بعض دفعہ ایک سی جیسے واقعات کی وجہ سے کچھ راویوں نے الگ الگ بیان دے دیئے ہیں اور خاص کر اُن مقامات کی فتوحات کے بارے میں کچھ شکوک و شبہات پیدا ہو گئے، جہاں کارروائی دو دفعہ کرنا پڑی۔ ہماری یہ کوشش ہوگی کہ زماں و مکاں کو ملا کر حساب کر کے اپنا تجزیہ آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ اور انشاء اللہ یہ اختلافات ختم ہو جائیں گے۔

دو محاذوں میں رابطہ

اس حصہ میں خاص کوشش یہ کی گئی ہے کہ جب کسی بڑے واقعہ کو بیان کیا گیا ہے تو ساتھ یہ

بھی لکھ دیا ہے کہ عراق و ایران کے محاذ پر اس زمانے میں کیا ہوا یا کیا ہو رہا تھا اور حصہ اول کے باب کا بھی ساتھ ہی حوالہ دیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں بارہویں باب میں تمام مشہور واقعات کا خلاصہ بھی ہے، اور ہر واقعہ کی تاریخ بھی وہاں تسلسل سے دی گئی ہے کہ دونوں محاذوں کی حکمت عملی سمجھ میں آئے اور جو لوگ آئندہ ان مضامین کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیں ان کے لئے یہ ایک اشاریہ "یا حوالہ" بھی ہے۔ کتاب کے شروع میں تاریخوں کو دینے کی بجائے آخر میں دینے کا یہ مقصد تھا کہ قارئین پہلے واقعات اور ان کے جائزوں کو سمجھ لیں اور پھر اس اشاریہ یا حوالہ سے استفادہ کریں۔

کوشش آپ لوگوں کے سامنے ہے، آئیے مل کر حضور پاک کے دربار میں حاضر ہوں اور نشان راہ کے تلاش کی عرض کریں۔

وہ لذتِ آشوب نہیں بجز عرب میں

پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے

اس راز کو اب فاش کرانے روح محمدؐ

آیاتِ الہی کا نگہبناں کدھر جائے۔ اقبالؒ

مصنف کتاب

پہلا باب

ابتدایہ

ہماری کتابوں کے سلسلہ کے اس حصہ کا تعلق فتوحاتِ شام و فلسطین سے ہے، اور ان فتوحات کے لئے جس حکمت عملی کا تعین کیا گیا یا جن تدبیرات کو اپنایا گیا، اُن کا جائزہ بھی پیش کیا جائے گا اور کچھ تبصرے بھی ہوں گے۔ شام و فلسطین کے علاقے قسطنطنیہ کے بادشاہ کے باجگذار تھے۔ قرآن پاک میں اس سلطنت کے لئے اہل روم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اور جلال مصطفیٰ کے پانچویں باب میں یہ وضاحت کر دی گئی تھی، کہ اہل عرب سارے یورپین لوگوں کو یا تو اہل روم کہتے تھے یا یونانی۔ اسلام کی دورانیہ اور تیسری صدی کے بعد سے مسلمانوں نے بحیرہ روم کے کناروں سے دور بسنے والے یورپ کے لوگوں کو فرینک وغیرہ کے نام سے موسوم کرنا شروع کر دیا تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قبل از مسیح یا اس کے بعد بھی اہل یورپ کا باہر کی دنیا کے ساتھ تعلق سلطنتِ روم کے ذریعے ہوا، جن کا دار الخلافہ موجودہ روم تھا۔ یا سکندر یونانی کی وجہ سے باہر کی دنیا کے ساتھ واسطہ پڑا، کہ وہ ایشیا اور افریقہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ چنانچہ جنگِ موتہ میں جناب جعفر طیارؓ نے جو رجزِ شاعر پڑھے اُن میں اہل روم کو یونانی کہہ کر پکارا گیا تھا۔ اُس زمانے میں باقی یورپ تو اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور اُن کی اُس زمانے کی تاریخ جنگلی اقوام کے تمدن کی کہانی ہے۔ صرف وہ ملک جو بحیرہ روم کے کنارے پر آباد تھے، اُن کا دنیا کے ساتھ واسطہ پڑتا تھا۔ فرانس کا کچھ حصہ چونکہ بحیرہ روم کے ساحل پر تھا۔ تو یہاں سے شاریماں کے عہد سے اہل یورپ میں کچھ جان آئی۔ اور یہ اسلام کی دوسری صدی یعنی



ہاروں الرشید کا زمانہ تھا۔ موجودہ ترکی یا اناطولیہ البتہ کافی عرصہ سلطنتِ قسطنطنیہ کا حصہ رہا، اس لئے اس علاقے کو مسلمان چھوٹا روم کہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ مولانا جلال الدین کو بھی رومی کہا گیا۔ حالانکہ آپ کی منہوی پلوی زبان یا فارسی زبان میں ہے۔ لیکن چونکہ آپ کا قیام قونیا میں رہا اور وہیں دفن ہیں اور یہ مقام اناطولیہ میں ہے اس لئے مولانا جلال الدین رومی بن گئے۔

صہیب رومیؒ

حضور پاکؐ کے ایک عظیم صحابی صہیبؓ رومی تھے۔ حالانکہ آپ موصل میں پیدا ہوئے، لیکن وہاں سے کسی وجہ سے اُن کو موجودہ اناطولیہ میں کسی جگہ بیچ دیا گیا اور آپ وہاں کی زبان بولتے تھے۔ پھر اللہ کی رحمت آپ کو حضور پاکؐ کی خدمت میں لے آئی اور رومی کے نام سے پہلے شخص ہیں جو اسلام کی آغوش میں داخل ہوئے۔ حضور پاکؐ کے صحابہ میں اہل عجم میں سے مسلمان فارسی، بلال حبشی، اور صہیب رومی رضی اللہ عنہم کے مقامات ایک الگ مضمون ہیں۔ اور ایک صاحب ابو وائلہ ہندی بھی تھے۔ لیکن ہماری کتابیں اُن کی سوانحی کے بارے میں خاموش ہیں۔ بہر حال ہم یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اُس زمانے میں ہمارے لئے تمام اہل یورپ اور اناطولیہ کے لوگ اہل روم ہی تھے۔

اہل یورپ کا احساس کمتری

ظاہر ہے کہ قسطنطنیہ کا بادشاہ اپنے آپ کو شہنشاہ روم ہی کہتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو روم کی پُرانی سلطنت کا جانشین ہی سمجھتا تھا۔ اور ہم تو قرآن پاک کی رو سے ان لوگوں کو اہل روم ہی کہیں گے۔ لیکن یورپ کے تاریخ دانوں نے اس بادشاہ یا حکومت کا نام بعد میں بازنطینی یعنی چھوٹا روم رکھ دیا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ سلطنت بعد میں ہمارے ہاتھوں مٹ گئی۔ اور اہل یورپ نہیں چاہتے کہ اُن کی کسی سلطنت کو، جس سے اُن کے آباؤ اجداد کا تعلق رہا ہو۔ سلطنتِ روم کہا جائے کہ یورپ کے تمام ممالک اپنے آپ کو اٹلی کی سلطنتِ روم کا ہی جانشین سمجھتے ہیں۔ اور تمام یورپین ملکوں کے بادشاہوں

نے اپنا نام روم کے بادشاہ سیزر (CEASER) کے نام پر رکھا۔ زار روس یا قیصر جرمنی کے الفاظ سیزر کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ اور انگریزی لفظ "C" کو کسی نے "س" بنالیا اور کسی نے "زی" یا "قی" لفظ اہل یورپ کو اتنا پسند ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں کی ملکہ نے بھی "قیصرہ بند" کا لقب اختیار کیا۔ اور یہ لقب انگریزوں کے بادشاہوں نے ۱۹۴۷ء تک اپنائے رکھا۔ دراصل اہل یورپ "خاندانی" طور پر رومن ہیں، روہی اُن کا طرز حکومت اور تمدن ہے۔ مذہب عیسائیت اُن کا سچی معاملہ بھی ہے اور حکومت پر صلیب کا کچھ اثر رکھا جاتا ہے۔ لیکن اہل اسلام دونوں لحاظ سے اُن کے دشمن ہیں۔ یعنی تہذیب و تمدن دونوں کی طرف سے تہذیب یعنی مذہب کے لحاظ سے ہم نے اُمتِ واحدہ کا تصور دے کر عیسائیت کو ختم کر دیا اور یہی بات دین کی ہے کہ اس لحاظ سے اُن کے تمدن کو ہم نے باطل فلسفہ قرار دے دیا۔ اس لئے انہوں نے قسطنطنیہ کی سلطنت کا نام اپنی تاریخوں میں بازنطینی یا چھوٹا روم رکھ دیا کہ اُن کا تہذیب و تمدن ہمارے سامنے سرنگوں ہو گیا تھا، افسوس کہ ہم اس دشمنی اور تعصب کو نہیں سمجھتے اور آج اہل یورپ کے آگے ہر معاملہ میں ہاتھ پھیلا رہے ہیں۔ حالانکہ علامہ مرحوم فرمائے:۔

سوال مے نہ کروں ساقی فرنگ نے میں

کہ یہ طسریقہ رندان پاک باز نہیں

ٹکراؤ کی بنیاد

بہر حال ہم اپنی کتاب میں وہی لفظ استعمال کریں گے جو قرآن پاک میں ہیں۔ یعنی قسطنطنیہ کی حکومت والوں کو اہل روم ہی کہیں گے اور ان کے ساتھ ٹکراؤ کی بنیاد اُسی دن پڑ گئی، جب حضورؐ نے مسلمان قاصدوں اور سفیروں کے ذریعے روم کے بادشاہ اور اُس کے باجگزار اُمرا کو اسلام میں آنے کی دعوت دی۔ ملک شام کے جنوبی علاقوں کے عیسائی قوم کے علاقے میں بھی ایک نیم خود مختار بادشاہ تھا جس کا نام شرجیل بن عمرو تھا۔ یہ وادی بلعا یعنی موجودہ اردن میں عمان کے قریب

عبدالجلال مصطفیٰ کے صفحہ ۱۹۸ سے بھی استفادہ کریں۔



قیام پذیر تھا۔ اُس کو بھی حضور پاکؐ نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن اُس مردود نے مسلمان سفیر جناب حارث بن عمیر کو شہید کر دیا تھا۔

تبصرہ

قارئین! ہم جناب حارث بن عمیر کو سلام کہتے ہیں۔ آپ ہمارے پہلے بین الاقوامی شہید ہیں اور ان کی شہادت رنگ لائی چنانچہ چند سال بعد اُس سارے علاقے میں اللہ اور رسولؐ کا نام بلند ہونا شروع ہو گیا تو ان کی شہادت گاہ پر شوق کی نگاہ ڈال کر ہی ہم اس کتاب کی ابتدا کر رہے ہیں۔

شاہِ روم کی طرف سفیر

شاہِ روم یا قیصر روم کا نام ہرقل تھا اور اُس کی طرف حضور پاکؐ نے جناب ضیاء بن خلیفہ کو سفیر کے طور پر بھیجا۔ روایت ہے کہ ہرقل اُن دنوں اپنے ایشیائی دارالخلافہ انطاکیہ (ANTIOCH) میں مہم تھا جو موجودہ ترکی میں ہے کچھ مورخین کے لحاظ سے ہرقل بیت المقدس میں آیا ہوا تھا کہ ایرانیوں کے خلاف اُس کو جو فتوحات نصیب ہوئی تھیں تو اس سلسلہ میں وہ متبرک مقامات کی زیارت اور شکر یہ ادا کرنے آیا ہوا تھا۔ اور یہ روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انہی دنوں میں اُس کو خواب میں کچھ اشارہ ہوا تھا کہ سرزمین عرب سے اٹھنے والے لوگوں کے ہاتھوں سے اُس کی رسوائی ہوگی۔ اور جیسے ہی ہرقل کو جناب ضیاء بن خلیفہ کے ذریعے حضور پاکؐ کا خط ملا تو وہ عجیب و غریب تذبذب میں گرفتار ہو گیا اور اپنی پولیس کے بڑے افسر کو حکم دیا کہ مکہ یا مدینہ کا کوئی عرب ملے جو پیغمبر اسلام کو جانتا ہو، اور کسی اور غرض سے ادھر آیا ہو اُس کو پکڑ کر میرے دربار میں لے آؤ۔ جناب ابوسفیان جو اُس وقت تک اسلام نہ لائے تھے بیت المقدس میں جانی پہچانی شخصیت تھے۔ وہ تجارت کی غرض سے اکثر ادھر جاتے رہتے تھے۔ اُن دنوں صلح حدیبیہ کی وجہ سے قریش کے قافلے پھر تجارت کی غرض سے بلادِ شام میں جانا شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ پولیس والے ابوسفیان

ع! نقشہ دو از دو ہمارے از دہم سے استفادہ کریں۔

کہ چند ساتھیوں سمیت پکڑ کر لے گئے اور ہرقل کے دربار میں پیش کر دیا۔

ابوسفیان اور ہرقل کی گفتگو۔

جو کہانی ہم بیان کر رہے ہیں، خود ابوسفیان اس کہانی کے راوی ہیں، لیکن ان سے یہ کہانی جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سنی اور ہماری تاریخ کا حصہ بن گئی۔ جیسے ہی ابوسفیان کو ہرقل کے دربار میں پیش کیا گیا ہرقل نے تنبیہ کی کہ وہ ہر بات کا جواب صحیح دے ورنہ اُس کی خیر نہیں بادشاہ کے دربار میں سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے والے موجود ہوتے ہیں اور ایک جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لئے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔

ابوسفیان کہتا تھا، کہ جھوٹ بولنے کا تو اُس کا بھی ارادہ نہ تھا اور شاید اُس کو ہمت بھی نہ ہوئی لیکن ہرقل کو کچھ فکر مند دیکھتے ہوئے ابوسفیان خود بخود بول اٹھا، کہ یہ نیا پیغمبر کوئی اتنا بڑا آدمی تو نہیں کہ اُس سے کوئی ڈر یا فکد ہو لیکن ہرقل نے ابوسفیان کو کہا کہ خاموش رہو۔ اور اپنے آپ بات مت کرو۔ صرف سوالوں کا جواب دو۔

ہرقل: اُن کا شجرہ و نسب کیسا ہے؟

ابوسفیان: "وہ اعلیٰ حسب و نسب کے ہیں اور اُن کا تعلق ہمارے خاندان کے ساتھ ہے"

ہرقل: کیا اُن کے خاندان میں سے کبھی کسی اور نے نبوت کا دعویٰ کیا؟

ابوسفیان: "نہیں"

ہرقل: کیا اُن کے خاندان میں سے کسی کے پاس کوئی حکومت تھی جو اُن سے لے لی گئی ہو؟

ابوسفیان: "نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں"

ہرقل: اُن کو جاننے والوں کا کردار کیسا ہے؟

ابوسفیان زیادہ تر وہ کمزور اور غریب لوگ ہیں۔ اُن میں نوجوان لوندیاں اور غلام بھی ہیں۔

ہرقل: تم مجھے یہ بتاؤ کہ آیا وہ لوگ اُن کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور چمٹے رہتے ہیں یا کسی نے اُن کو چھوڑ

دیا ہے؟

ابوسفیان: اُن کے کسی پیروکار نے اُن کو اب تک نہیں چھوڑا۔

ہر قتل۔ ان کی اور آپ کی جنگوں کے نتائج کیا ہوتے ہیں؟“

ابوسفیان: مختلف اوقات میں مختلف

ہر قتل۔ زیادہ دھوکا بازی کرتے ہیں۔ یا اپنے قول کے پکے ہیں؟

ابوسفیان: وہ دھوکا بازی بھی نہیں کرتے اور قول سے بھی نہیں پھرتے۔“

ان سوالات کے جوابات سننے کے بعد ہر قتل نے تمام گفتگو کا جائزہ لیا۔ اور کہنے لگا کہ جہاں پر وہ

بیٹھا ہے، اس جگہ پر جلد ان کے پیر و کار قبضہ کر لیں گے اور کاش کہ ہر قتل کو ایسے عظیم انسان کے پاؤں

دھونے کی سعادت نصیب ہوتی۔“

ضیاء بن خلیفہ کا تجزیہ

جناب ضیاء بن خلیفہ کا تعلق قبیلہ کلاب سے تھا اور ان کا قبیلہ دومتہ الجندل تک پھیلا ہوا تھا جناب

عبدالرحمن بن عوف پہلے قریش ہیں جنہوں نے بنو کلاب کے ایک سردار عثا اصبح کی بیٹی تما صترہ سے شادی

کی اور جناب ضیاء بھی اسی قبیلہ کے ایک سردار تھے۔ یہ قبیلہ شام کی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا اور گو جناب

ضیاء اُس وقت نو مسلم تھے، لیکن آپ کی خاندانی شرافت اور قبیلہ کے اثرات کو نظر رکھتے ہوئے حضور پاکؐ نے آپ کو

قیصر روم کو اسلام کی آغوش میں آنے کی دعوت کے لئے سفیر بنا کر بھیجا۔

ابن اسحق نے آپ کے تاثرات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ما حاصل یہ ہے کہ ہر قتل اسلام کی طرف

مائل ہو گیا تھا۔ اور ایک تقرر کے ذریعے اپنے امراء اور فوجی جرنیلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش

کی۔ لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی، تو پلینئر تبدیل کر دیا کہ وہ تو ان لوگوں کا امتحان لے رہا تھا۔ تو ہمارے

لحاظ سے جب دنیا اور تخت، اُس بے چارے کے لئے صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے میں رکاوٹ بن گئے۔ بہر حال

علیٰ مورخین کے لحاظ سے ابوسفیان کے مختصر جواب کا مطلب یہ تھا کہ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

احد میں قریش کو اور خندق میں معاملات بین بین ہی رہے۔ بہر حال یہ مورخین کا تجزیہ ہے اور شاید

ابوسفیان کا یہ مطلب ہو۔ لیکن ہمارے لحاظ سے ہر جنگ میں قریش نے ناکامی دیکھی اور حدیبیہ کو بھی

اللہ تعالیٰ نے فتح مبین کا نام دیا ہے۔

عبدالرحمن بن عوف سے استفادہ کریں۔

جناب ضیاء کے مطابق ہر نقل نے انہیں ایک بڑے پادری دغا تیر کے پاس بھیجا جس نے جناب ضیاء کی باتیں سننے کے بعد اعلان کر دیا کہ بخدا یہ وہی احمد ہے جن کا ہماری کتابوں میں ذکر ہے۔ اور اعلان کر کے کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ پڑھ لیا۔ یہ دیکھ کر سب چھوٹے پادریوں نے اُن پر حملہ کر کے اُن کو شہید کر دیا۔ اور دغا تیر نے لذت شوق سے بہت جلد دیدار پاک حاصل کر لیا۔

جغرافیائی اور زمینی پہلو

بلادِ شام و فلسطین جغرافیائی لحاظ سے باسیاسی طور پر دو الگ الگ ملک بھی رہے ہیں، اور اکثر ان میں سیاسی وحدت بھی رہی۔ موجودہ اردن کو بھی ہمیشہ سے، ان علاقوں یا ملکوں کا حصہ ہی سمجھا جاتا رہا۔ انتظامی طور پر البتہ اردن ایک الگ صوبہ یا انتظامی علاقہ رہا۔ موجودہ لبنان کا تاریخی طور پر کبھی بھی کوئی الگ وجود نہیں رہا۔ بیسویں صدی کے شروع میں پہلی جنگِ عظیم کے بعد اہل یورپ کی بندر بانٹ کے طور پر اور مسلمانوں کے حصے بخرے کرنے کے لئے اس کو ایک الگ ملک بنا دیا گیا اسی زمانے میں اعلانِ بلغور کے مطابق فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کرنے کا بھی فیصلہ ہوا۔ آج اسرائیل کا ملک اس علاقہ میں اہل اسلام کے لئے ایک ناسور بنا ہوا ہے اور لبنان بھی اُسی ڈگر پر چلنے والا ہے۔ بہر حال یہ سب آباد علاقے ہیں اور کہیں کہیں ریگستان بھی ہے ایک طرف بحیرہ روم کی معتدل آب و ہوا کا اثر ہے، سردیوں میں تو شمال کی سرد ہواؤں سے بھی کچھ پہاڑوں کی وجہ سے بچاؤ حاصل ہوتا لیکن گرمیوں میں صحرا کی گرمی سے کوئی بچاؤ حاصل نہیں کہ جنوب میں یہ سب عرب کے صحرائی علاقوں سے ملے ہوئے ہیں۔ شمالی پہاڑوں کی وجہ سے جو دریا بنتے ہیں وہ تو دجلہ اور فرات ہیں جو عراق میں چلے جاتے ہیں۔ لیکن اپنے اندرونی پہاڑوں کی وجہ سے جگہ جگہ چھوٹے دریا موجود ہیں جن میں سے کچھ بحیرہ مردار اور بحیرہ طبرہ میں گرتے ہیں یہ دونوں بحیرے میں اور بحیرہ مردار کا پانی سطح سمندر سے بھی کافی نیچے ہے۔

زمین زرخیز ہے۔ ہر قسم کی کھیتی باڑی کی جاتی ہے، اور کی جاتی تھی۔ پھل کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی زندگی کی تمام سہولتیں جس طرح آج موجود ہیں اُس زمانے میں بھی میسر تھیں۔ ذرائع آمدورفت بھی اچھے تھے اور لوگ خوشحال اور آسودہ حال تھے۔ دمشق شاید دنیا کا پرانا شہر ہے جو صدیوں سے اسی طرح آباد تھا، بیت المقدس کو بھی اتنی ہی وقعت حاصل تھی بلکہ مذہبی لحاظ سے زیادہ وقعت کا حامل تھا۔



فعل جابیه، جمص، حلب، قناسرین، غزہ۔ جافہ، بیروت، انطاکیہ، قساریہ، طرابلس، بیرشبیہ، عمان، عقبہ، طبریہ، رملہ اور بیسان وغیرہ کے شہر جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں، اُس زمانے میں بھی آباد تھے۔ اور ساحلی علاقے کے شہر مثلاً غزہ، جافہ، قساریہ، انطاکیہ، طرابلس اور بیروت وغیرہ اُس زمانے میں بھی سمندری تجارت کے لئے بندرگاہوں کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔

تاریخی پہلو

ہم ملک شام کی بہت پرانی تاریخ میں نہیں جائیں گے۔ حضرت ابراہیم ؑ کے بیٹے حضرت اسحاق ؑ کی اولاد اسی علاقے میں آباد تھی۔ پھر حضرت یوسف ؑ کے زمانے میں اس خاندان کا بڑا حصہ مصر چلا گیا۔ لیکن کچھ لوگ اس علاقے میں ضرور باقی رہے ہوں گے، کہ حضرت لوط ؑ جو حضرت ابراہیم ؑ کے رشتہ دار تھے وہ بھی اسی علاقے میں ہو گزرے ہیں۔ فرعون مصر کے زمانے میں البتہ مصر میں گئے ہوئے بنی اسرائیل، جو حضرت ابراہیم ؑ کی اولاد کا ہی دوسرا نام ہے، حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت ہارون ؑ کی قیادت میں واپس فلسطین کے علاقے میں آگئے۔ حضرت داؤد ؑ، حضرت سلیمان ؑ، حضرت عیسیٰ ؑ اور حضرت یحییٰ ؑ اور حضرت ذکریا ؑ سب اسی علاقے میں آباد رہے اور دین حنیف کا پیغام دیا۔

ہماری دلچسپی البتہ حضور پاک ؐ کے زمانے سے چند سال پہلے کے حالات سے ہے اور وہ یہ ہے کہ بلاد شام و فلسطین، سلطنت روم کا حصہ تھیں۔ اور جو لوگ تاریخ کا مطالعہ برائے تاریخ میں دلچسپی رکھتے ہیں، اُن کے مطالعہ کے لئے البتہ وہاں بہت بڑا اور وسیع میدان موجود ہے بے شمار آثارِ قدیمہ موجود ہیں اور پرانی تہذیب و تمدن کے اُبھرنے یا سلطنتوں کے ختم ہونے پر کافی تاریخی مواد موجود ہے۔ لیکن ہم اپنے آپ کو صرف وہاں تک محدود رکھیں گے جس تاریخ کے تانے بانے ہمارے حق اور باطل کی لڑائی، کے سلسلہ میں ہمارے لئے کچھ مددگار ثابت ہوں۔ چنانچہ حضور پاک ؐ جب مکہ ہی میں تھے تو اہل روم، ایرانیوں سے شکست کھا گئے تھے لیکن حضور پاک ؐ کو مدینہ میں ہجرت کے ابھی دو سال ہی ہوئے تھے کہ اہل روم نے ایرانیوں سے اپنی شکست کا بدلہ لے لیا۔ اس کا ذکر قرآن پاک کی سورہ روم میں ہے۔

اول واقعہ کا ذکر ہے اور پھر پیشگوئی ہے جو اسی زمانے میں جلد ہی پوری ہو گئی۔ اور اس واقعہ

کا ذکر جلال مصطفیٰ کے پانچویں باب میں بھی کر دیا گیا ہے۔ اب نقشہ اول اور نقشہ دوم وغیرہ سے اور زیادہ مطالعہ کیا جاسکتا ہے کہ اُس زمانے کی دنیا کی دو عظیم ترین سلطنتوں کی آپس میں حدود و فرائض کے مقام پر ملتی تھیں، یہ وہی مقام ہے جس کا ذکر حصہ اول میں ہو چکا ہے اور وہاں پر جناب خالد بن ولید نے دونوں سلطنتوں کی سرحدی چوکیوں کی ملی جلی فوج کو ذی قعد ۱۲ ہجری میں شکست دی۔

عرب جو اب مسلمان تھے اُن کے ساتھ روم کی سلطنت کی واضح حدود نہ تھیں سلطنت روم کی جنوبی حد پر عسائی قبائل کی حکومت تھی اور یہ لوگ اہل روم کے باغگذار تھے۔ یہ لوگ عرب تھے اور یمن سے ہجرت کر کے وہاں آباد ہوئے تھے، وہاں نصرانی مذہب اختیار کر لیا۔ ان کے حاکم تہر جیل کا ذکر بھی ہو چکا ہے جس نے مسلمان سفیر جناب عارت بن عمیر کو شہید کیا تھا۔ لیکن جناب صدیق اکبرؐ کے زمانے میں ان کا ایک حاکم تھا جلد جو مسلمانوں کی یلغار کے بعد علاقوں کو چھوڑ جاتا تھا اور جب رومی جو اب حملہ کرتے تھے تو اُن کے ساتھ ہوتا تھا۔ جنگ یرموک میں اس کی کارروائیوں کا مفصل ذکر آئے گا۔

شام و فلسطین کے جنوبی علاقوں میں زیادہ تر عرب قبائل آباد تھے۔ شمال میں کرد، دروز، ترکمن اور آرمینیا کی نسل کے لوگ آباد تھے۔ جنوبی فلسطین میں مصر کے لوگ بھی آباد تھے، اور ساحلی علاقوں میں قبرص اور یونان سے آکر بھی کسی لوگ آباد ہو گئے تھے۔ اس لئے شام و فلسطین کی آبادی بھی ملک عراق کی طرح کئی قومیتوں سے تعلق رکھتی تھی۔

رومی افواج

عیسائی بادشاہ کی اپنی بھی فوج تھی اور سلطنت روم نے اہم مقامات پر اپنی باقاعدہ فوج بھی متعین کی ہوئی تھی۔ اس فوج میں روم کی سلطنت کے ہر حصہ کے لوگ شامل تھے۔ شام کی اُس قومیتوں کو چھوڑ کر، جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، روم کی فوج میں شمالی آرمینیا کے کافی لوگ تھے۔ موجودہ اناطولیہ، یونان اور بلقان کی سلاو قوم کے لوگ بھی اہل روم کی افواج میں کثرت سے شامل تھے اور اہل روم کی فوج بھی ایرانی فوج کی طرح ایک باقاعدہ اور پیشہ ور فوج تھی ویسے

عند پذیر ہواں باب۔

ہرقل یاروم کی سلطنت کو حضور پاکؐ کے زمانے سے پہلے ملک ۶۷۰ء سے کبھی کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا تھا۔ اور ہرقل فوجی حکمت عملی اور تدبیرات کا ماہر تھا۔ وہ اس کا عملی نمونہ بھی پیش کر چکا تھا کہ جب اہل ایران قسطنطنیہ کے محاصرہ کی تیاریاں کر رہے تھے تو ہرقل ایک طرف سے نکل کر مدائن پہنچ گیا اور ایرانیوں کو شکست دیکر اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لے لئے۔

جنگ موتہ

حضور پاکؐ البتہ اپنے زمانے میں حکمت عملی کے طور پر ایران و عراق کی نسبت شام و فلسطین کے علاقوں کو زیادہ اہمیت دی۔ جلال مصطفیٰؐ کے پانچویں باب میں جنگ موتہ کے وجوہات اور نتائج کا مکمل جائزہ پیش کیا گیا ہے کہ حضور پاکؐ اس طرف سے زیادہ فکر مند تھے۔ اول تو یہ علاقے مدینہ کے نزدیک تھے۔ دوم ان علاقوں کے لوگوں کے ساتھ مسلمانوں کا اہل کتاب ہونے کی وجہ سے رشتہ تھا کہ ہمارے حضور پاکؐ بھی دین ابراہیمی یا حنیف کا پیغام ساری دنیا کو دینے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اہل کتاب میں سے یا تو لوگ دغا تیر رخ پادری کی طرح جلد اسلام لے آئے تھے۔ لیکن اگر مخالفت پر اتر آتے تو جھگڑا اس حد تک پہنچ سکتا تھا جس حد تک حضرت عیسیٰ کی بعثت پر ہونا اور بعد میں یہودیوں نے مدینہ شریف میں ہمارے آقاؐ کی ہر بات کی مخالفت کی ایسی صورت میں اہل حق پہلے روز سے باطل کا مقابلہ طاقت کے ساتھ کر رہے تھے اور یہودیوں کے علاوہ اب نصرانیوں کے ساتھ بھی مخالفت شروع ہو چکی تھی۔ نصرانیوں نے مسلمان سفیر کو شہید کر دیا تھا۔ اس لئے حفظاً مقدم کے طور پر حضور پاکؐ نے آٹھ ہجری میں اہل حق کو موتہ بھیجا کہ وہاں پر لا تعداد ردی شکر اور غسانی قبائل اکٹھے ہو کر مدینہ شریف پر یغائر کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ جنگ موتہ میں غلامان محمدؐ نے عظیم قربانی دیکر اہل روم اور غسانی قبائل پر واضح کر دیا کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی ہوں لینا آسان کام نہیں ہے۔

تبوک کی مہم (جلال مصطفیٰؐ آٹھواں باب)

حضور پاکؐ نے البتہ مسلمانوں کو ہمیشہ چوکنا رکھا، کہ اہل روم کسی طرح سے شمال کی طرف

سے مسلمانوں کے خلاف کوئی پہلی کاری نہ کر سکیں چنانچہ نو ہجری میں آپ ﷺ نے تیس ہزار کے ایک لشکر حجاز کے ساتھ تبوک کی طرف کوچ کیا کہ خبر ملی تھی کہ رومی کسی جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس بہم کے بہت اچھے نتائج اثرات ظاہر ہوئے۔ اور اہل روم کو مسلمانوں کے علاقوں کو تاخت و تاراج کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

جناب اسامہ کی مہم

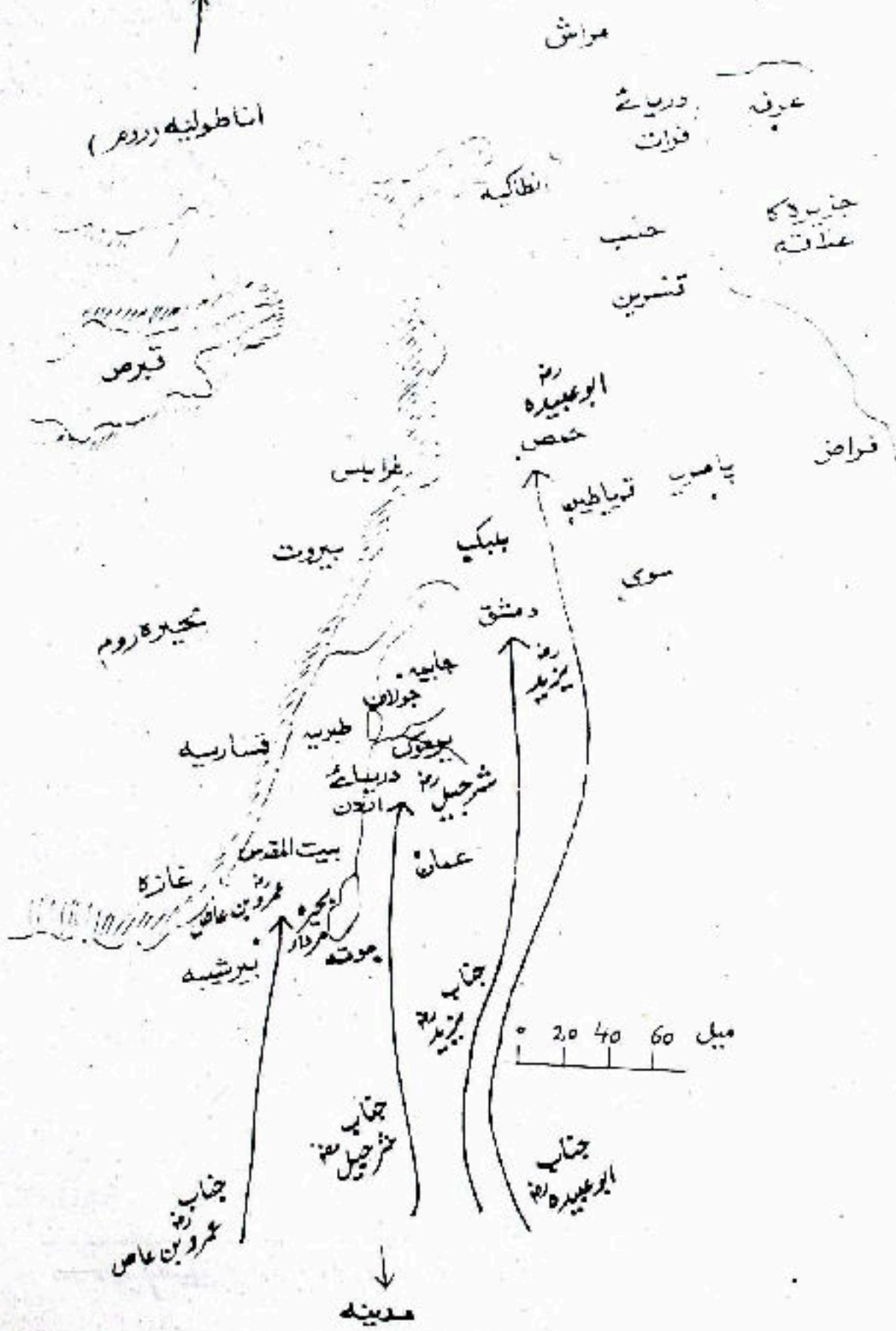
حضور پاک ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے جناب اسامہ رض بن زید رض کے ماتحت ایک عظیم لشکر تیار کیا اور حکم دیا کہ وہ لشکر موتہ تک جائے۔ یہ لشکر بعد میں خلیفہ اول جناب صدیق اکبر رض نے بھیجا اور پہلی کتاب کے پہلے باب میں جناب اسامہ رض کی کارروائی، مہم کی حکمت عملی، اور نتائج پر تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے۔ وہاں یہ ثابت بھی کیا گیا ہے کہ اس مہم کی کتنی ضرورت اور اہمیت تھی۔ اور اس کارروائی سے کتنے دُورس نتائج نکلے۔

تبصرہ و اسباق

یہ مختصر باب کئی لحاظ سے بڑا دلچسپ ہے۔ علاقے کے ضروری تاریخی اور جغرافیائی پہلوؤں کے علاوہ اقصیٰ روم اور ابوسفیان رض کا مکالمہ بڑا دلچسپ ہے۔ اسلامی فلسفہ حیات کی جھلکیاں سچ اور جھوٹ میں تمیز ہر قلم کی شخصیت ماننے والے واقعات کا جائزہ وغیرہ سب پہلو مختصر طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں، جن میں کافی عملی اسباق موجود ہیں۔

نقشہ اول۔ جناب صدیق اکبرؓ کی فتوحات ایشام کے لئے حکمت عملی اور اہل شکر کے مقصود۔ صفر ۱۳ ہجری

شمال
↑



دوسرا باب

خلیفہ اول کی شام و فلسطین کی فتوحات کی حکمت عملی

خلیفہ اول نے جناب اسامہ رضی بن زید رضی کے لشکر کو بے شک حضور پاک کے حکم کی بجا آوری کے طور پر بلاد شام کی طرف بھیجا تھا، لیکن آپ تمام حکمت عملیوں سے بھی آگاہ تھے، اور گو آپ نے شام کی بجائے پہلے عراق کے محاذ کو ترجیح دی لیکن عراق کی فتوحات سے پہلے ذوق صدہ کے مقام پر جمادی الثانی گیارہ ہجری میں جن گیارہ لشکروں کی تشکیل کی گئی اور پہلی کتاب کے دوسرے باب میں اس کی تفصیل ہے ان میں سے دو لشکر انہی دنوں بلاد شام کی سرحدوں کی طرف بھیجے گئے اور یہ اس زمانے کی بات ہے کہ جب حضور پاک کی وفات کے دو ماہ بعد جناب صدیق اکبر رضی مرتدین کے قلع قمع میں مصروف تھے۔ یہ دو لشکر جناب عمرو بن عاص اور جناب خالد بن سعید کے تھے جناب عمرو کا لشکر دومۃ البندل کے گرد نواح میں تھا اور شام کی جنوب مشرقی سرحدوں کی دیکھ و بھال میں مصروف تھا۔ جناب خالد بن سعید کا لشکر شام کی جنوب مغربی سرحدوں پر تھا اور ان کی نگہداشت موتہ کے نیچے سے ایلد (عقابر) کے علاقہ تک تھی۔

جناب صدیق اکبر رضی ایک ساتھ دو محاذ نہیں کھولنا چاہتے تھے۔ لیکن جب باقی آٹھ لشکر مرتدین کے قلع قمع پر لگے ہوئے تھے اور گیارہواں لشکر تشکیل نہ ہوا تھا تو اس زمانے میں بھی جناب عمرو اور جناب خالد رضی شام کی سرحدوں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے جہاں حصہ اول میں مرتدین کے قلع قمع کو دوسرے تیسرے اور چوتھے ابواب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے وہاں پر ان دو لشکروں کی کارروائی کا بھی ذکر ہے کہ یہ دونوں لشکر دیکھ و بھال میں مصروف تھے، حربی مظاہرے کر رہے تھے اور آج کل کی فوجی اصطلاح کے مطابق دشمن کو اس کے علاقے میں (CONTAIN) کئے ہوئے تھے، یعنی زبرد دار دیکھ بھال ہو رہی تھی۔ جناب صدیق اکبر رضی کا حکم تھا کہ دشمن کے علاقے میں زیادہ دور اندر تک نہ جانا۔ بلکہ اس طرف اپنے محاذ کے دکھلاوے کا اظہار کرنا اور دشمن کی خبر رکھنا مخبری کا جال بچھانا وغیرہ اور کسی ملک پر حملہ کرنے سے پہلے اس ملک کے حالات کا جاننا اور وہاں پر مخبری

کا جال بچھانا ضروری ہوتا ہے۔

یہاں کی جنگ کے بعد شوال گیارہ ہجری میں جناب صدیق اکبرؓ نے جناب شرجیلؓ رضی بن حسنہ کو بھی اسی علاقہ میں بھیج دیا۔ (حصہ اول چوتھے باب میں اس کا سرسری ذکر موجود ہے)۔ جناب عمرو بن عاصؓ کی ذمہ داری برصے وسیح علاقے میں تھی اور دومتہ الجندل کے لئے جناب عیاض رضی بن غنم کے ماتحت ایک اور مہم تیار کی جا رہی تھی جس کا ذکر حصہ اول میں کر دیا گیا ہے جناب عمرو بن عاص کے بانی علاقے کو جناب شرجیلؓ رضی اور جناب عمرو بن عاصؓ میں بانٹ دیا گیا تھا اس کے دو ماہ بعد جب ذوالحجہ گیارہ ہجری میں یمن اور حضر موت کے علاقوں میں مرتدین کا قلع قمع ہو گیا تو جناب عکرمہ رضی بن ابوجہل اور ولید بن عقبہؓ کو دستے بھیجا کر کے جناب خالد بن سعید کی مدد کے لئے بھیج دیا گیا بعض مورخین نے ولید بن عقبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ خود مختار طور پر لشکر کے کمانڈر تھے اور بنو قضاع کے علاقہ میں جناب عمرو بن عاصؓ سے آدھا علاقہ لے کر ان کی ذمہ داری میں دے دیا گیا۔ لیکن آگے کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ خالد بن سعید کے ماتحت تھے اور ان کی ماتحتی ہی میں شروع کی جنگوں میں شریک ہوئے۔ بہر حال علاقے نزدیک نزدیک تھے اور تھوڑی غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ لیکن ہمارا مقصد یہ ہے کہ دومتہ الجندل سے لے کر چھ اسلامی لشکر یا دستے اس طرح جگہ جگہ ڈیرے ڈالے ہوئے تھے کہ مغرب میں ایلہ یا عتاب کا علاقہ بھی ان کی نگاہ کے سامنے تھا۔ یہ تھی خلیفہ اول کی حکمت عملی جو بارہویں ہجری میں شام کی مرحدوں کے ساتھ جنم لے رہی تھی۔ جناب عیاض رضی بن غنم، جناب شرجیلؓ رضی بن حسنہ، جناب عمرو بن عاصؓ، جناب ولید بن عقبہ، جناب عکرمہ رضی بن ابوجہل اور جناب خالد بن سعید جیسے عظیم صحابہ خود ہی کیا کچھ کم تھے کہ اس دوران جب جناب خالد بن ولیدؓ عراق کی فتوحات کے لئے روانہ ہواں تھے۔ تو شاہ کے محاذ کی آجکل کی فوجی زبان کے مطابق (RECEIVE-IN-FORCE) ہو رہی تھی یعنی زور دار دیکھو و بھال کی جا رہی تھی۔ اور اتنے مجاہدین کی اذانوں کے اثرات الگ ہوں گے :-

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود

ہوتی ہے بندہ مومن کی اذان سے پیدا (اقبال)

علا تیرھواں باب ۷۱ حضرت عثمانؓ کے اختیارات بھائی جن کا ذکر پہلی کتاب میں بھی ہو چکا ہے۔

خلیفہ اول کے احکام

خلیفہ اول نے فیصلہ کر لیا تھا کہ پہلے وہ عراق کا محاذ کھولیں گے اور اس سلسلہ میں اُن کی اس توجیہ کا جائزہ پہلی کتاب کے دوسرے اور ساتویں باب میں پیش کر دیا گیا ہے۔ آپؐ یہ چاہتے تھے کہ جب تک عراق میں حیرہ تک کے علاقے فتح نہ ہو جائیں اور مشرقی محاذ پر حیرہ کے ساتھ دومتہ الجندل والے راستے سے رابطہ قائم ہو جائے اس وقت تک شام کے محاذ پر کوئی ایسی کارروائی نہ کی جائے کہ دو محاذوں پر جنگ کے شعلے بھوک اُٹھیں۔ نقشہ دوم کے مطالعہ سے یہ پالیسی اچھی طرح سے واضح ہو جاتی ہے

جناب خالد بن سعید کی جلد بازی

جناب عمرو بن عاص بڑے منجھے ہوئے سیاست دان تھے۔ اور فوجی معاملات کے بھی ماہر تھے اُن کے مشاہدات اور جائزے بڑی بلندی کے حامل ہوتے تھے، اس لئے انہوں نے خلیفہ اول کے احکام پر سختی کے ساتھ عمل کیا وہ حالات کے نتائج سے پوری طرح باخبر ہوتے تھے۔ جناب خالد بن سعید کو گو اسلام لانے میں جناب عمرو بن عاص پر فوقیت حاصل تھی اور آپ کو حضور پاکؐ نے کسی دفعہ و فوج کی جہانداری کے فرائض بھی سونپے تھے لیکن آپ فوجی کاررائی میں کچھ جلد بازی کر گئے شاید جوش جہاد میں معاملات کی تہ میں نہ جاسکے۔ اول تو آپ کما کے۔ اور پھر اُن کو کچھ اور لگ ملنے کی امید تھی۔ خلیفہ اول نے واضح کر دیا تھا کہ عراق کی مہم کے دریلئے فرات کے مغربی کنارے پر کامیابی کے ساتھ مکمل ہونے کے بعد اہل اسلام شام و فلسطین میں آگے بڑھیں گے چنانچہ اُن کو کچھ خیال ہو گیا کہ جس طرح عراق کے محاذ پر جناب خالد بن ولید کامیاب ہو رہے ہیں، اسی طرح شام کے محاذ پر اللہ تعالیٰ نے اُن (خالدؓ) کے لئے کامیابیاں لکھ دی ہیں۔ اس لئے انہوں نے شام کے محاذ پر آگے بڑھنے کے لئے خلیفہ اول سے اجازت مانگی۔ یعنی اُن کو یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی ہر محاذ پر کامیابی

عاجل مصطفیٰ کے صفحہ ۲۸۲ اور ۲۹۰ سے استفادہ کریں۔

کے لئے کسی خالد کی ضرورت ہے۔

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہم کا نام بلند کرنے کا وقت آگیا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ بھرپور تیاری میں مصروف تھے۔ جناب خالد رضی اللہ عنہم کا اضطراب دیکھ کر آپ نے ان کو محدود پیش قدمی کی اجازت ضرور دی۔ لیکن ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اپنی حفاظت کا خیال رکھنا اور دشمن کے اندر اتنا دور تک بھی نہ گھس جانا، کہ حالات قابو سے باہر ہو جائیں۔ فوجی لحاظ سے گشتی دستوں کی جگہ لڑاکا دستوں کو بھی استعمال کیا جاتا ہے کہ دشمن کے بارے میں مزید خبر حاصل ہو سکے اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہم کا بھی اُوپر والی سطح تک یہی مدد عانتھا لیکن جناب خالد رضی اللہ عنہم کچھ زیادہ دور تک غیروں کے علاقے میں چلے گئے۔

رومیوں کا ردِ عمل

اہل روم کے طریق کار ایرانیوں سے بالکل مختلف تھے۔ اہم مقامات یا چھاؤنیوں میں وہ لوگ اور فوج محدود تعداد میں رکھتے تھے۔ بڑے لشکر اندرونی ملاقوں میں ایک جگہ ٹھکانے کے طور پر ہر وقت ایک ٹھکانے میں اکٹھے کئے جاسکتے تھے۔ وہ کسی بڑے لشکر کو اس طرح نہ بھیج دیتے تھے جس طرح ایرانیوں نے سلاسل، شنی یا دلچہ وغیرہ کی جنگوں میں کیا۔ وہ دشمن کے بارے میں پہلے مکمل خبر حاصل کرتے تھے۔ دشمن کے ارادوں سے آگاہ ہوتے تھے اور مکمل چھان بین کے بعد کسی بڑے لشکر کو اپنی مرضی کے وقت اور مرضی کی زمین پر دشمن کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس پہلو کا مطالعہ ضروری ہے، اور فارین ایرانیوں کے ردِ عمل کا رومیوں کے ردِ عمل کے ساتھ ضرور موازنہ کریں تو کتاب کے اگلے حصے کی لڑائیوں کا مطالعہ آسان ہو جائے گا۔ بہر حال اہل روم چھاؤنیوں یا اہم مقامات پر ضرورت کے مطابق جو دستے رکھتے تھے۔ ان میں مقامی لوگ زیادہ ہوتے تھے اور بلادِ شام میں یہ کام زیادہ تر غسانی قبیلہ کے لوگ کرتے تھے۔ رومن فوج کا سپہ سالار اعظم بائان تھا اور وہ دمشق کے علاقے میں مقیم رہتا تھا اور اُس کے ساتھ جنگ یرموک میں ہمارا براہ راست واسطہ بھی پڑے گا۔ لیکن شروع زمانے میں اُس کا کام تمام علاقوں پر کڑی نگاہ رکھنا تھا۔ اور وہ اپنی تمام چھاؤنیوں اور فوجی چوکیوں کے ساتھ رابطہ قائم کئے ہوئے تھا۔ اُس کو یہ بھی معلوم تھا۔ کہ جناب خالد رضی اللہ عنہم بن سعید کا لشکر چند ہزار مجاہدین

جناب خالد بن سعید کی پیش قدمی

۱۲ ہجری کے آخر میں جب جناب خالدؓ کو محدود پیش قدمی کی اجازت ملی تو آپ تیما کے مقام پر مقیم تھے آپ ہڈیاں سے آگے بڑھے اور وادی بلقا سے اس طرح آگے گزرے کہ بحیرہ مردار آپ کے مغرب کی طرف رہ گیا۔ روایت ہے کہ آپ رضی نے دریائے یرموک کو بھی پار کر لیا اور دمشق کے نزدیک مرج الصفر تک پہنچ گئے۔ نقشہ چہارم پر ان مقامات کے مطالعہ سے ظاہر ہو گا کہ آپ تقریباً ڈیڑھ سو میل پیش قدمی کر گئے۔ ممکن ہے آپ اتنے زیادہ اندر نہ گئے ہوں اور کوئی سو میل کا سفر کر کے وادی یرموک تک ہی پہنچے ہوں۔ بہر حال باہان حالات سے باخبر تھا اور اُس نے مسلمانوں کو محصور کرنے کی کوشش کی اور اس کام کے لئے اُس نے ایک لشکر بھیج دیا۔ پہلی ہی کوشش میں جناب خالدؓ کا بیٹا اور چند مجاہدین رومیوں کے ترغے میں آگئے جو کسی جگہ پانی کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ رومیوں نے ان پر قابو پالیا اور ان کو شہید کر دیا۔ ایک مجاہد زندہ بچ گیا اور اُس نے جا کر خالد بن سعید کو حالات سے باخبر کیا۔

اب بہتر تو یہ تھا کہ جناب خالدؓ حالات کا جائزہ لے کر کسی مقصد کے تحت کوئی کارروائی کرتے لیکن جوش انتقام میں انہوں نے چند سواروں کو ساتھ لیا اور حادثہ کے مقام کی طرف چل پڑے کہ رومیوں کے ساتھ دو دو ہاتھ ہو جا میں لیکن جب وہ حادثہ والی جگہ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں رومیوں کا ایک لاکھ لشکر موجود تھا اور انہوں نے جناب خالدؓ کو بھی گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ جناب خالدؓ کے پاس نفری زیادہ نہ تھی اور انہوں نے رومی لشکر کے گھیرے سے نکل کر ایک طرف کنارہ کشی کر لی۔ لیکن دشمن نے ان پر حملہ پہ حملہ شروع کر دیا۔ اور سخت دباؤ ڈالا بلکہ ان کا تعاقب شروع کر دیا جو ذی المرقہ کے مقام تک جاری رہا۔ دشمن شاید کچھ اور بھی کر لیتا لیکن جناب عمرہ رضی بن ابوجہل جو خالدؓ کے لشکر میں تھے، حالات کو بھانپ گئے اور انہوں نے جناب خالدؓ کی جگہ باقی لشکر کی کمانڈ سنبھال لی۔ اور وہ رومی لشکر جو جناب خالدؓ کا تعاقب کر رہا تھا جناب عمرہ نے ان پر عقب سے حملہ کر دیا۔ اس لئے دشمن چونکا ہو گیا اور جناب خالدؓ کا تعاقب بند کر دیا۔

جناب عمر رضی کو بھی اب پسپائی کر کے اپنے علاقے یا اپنے دوست ریگستان کے علاقے میں داخل ہونا تھا، لیکن انہوں نے بڑے اچھے طریقے سے یرموک کے علاقے کے عقب سے نکل کر ریگستان کو استعمال کرتے ہوئے اپنے باقی ماندہ لشکر کو بچا لیا اور واپس تیرما آگے پھر باقی اسلامی لشکروں کے ساتھ راہ طحہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جناب ولید بن عقبہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ بات تو صرف اتنی تھی اور لڑائی میں ایسے حادثات بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اور کئی ان ہونی باتیں بھی ہوتی ہیں لیکن کئی مورخین نے اس سب کو جناب خالد بن سعید کا فرار قرار دیا کسی نے اس واقعہ کو ان کی کم دلی پر محمول کیا وغیرہ۔ لیکن اگر ٹھنڈے دل سے سوچیں تو یہ صرف جلد بازی تھی، اور حالات کا جائزہ صحیح طور پر نہ کیا گیا تھا۔ اور بے سوچے سمجھے انتقام لینے کی کوشش کی، اس لئے حالات نہ منجھل سکے۔

جناب فاروقؓ اور جناب علیؓ کا تجزیہ

جناب عمر فاروقؓ اور جناب علی المرتضیٰؓ پہلے ہی سے اس خیال کے حامی تھے، کہ جناب خالد بن سعید از خود بڑے بہادر اور بااخلاق ہیں۔ اونچے پایہ کے مسلمان ہیں۔ لیکن سپہ سالاری کے مشکل کام سے عہدہ برانہ ہو سکیں گے اور انہوں نے جناب ابو بکرؓ کے سامنے اس رائے کا اظہار کر دیا تھا۔ لیکن جناب صدیق اکبرؓ ان کو ایک موقع دینا چاہتے تھے، اب حالات بھی تبدیل ہو چکے تھے۔ جناب خالد بن سعید کا لشکر کچھ بٹ گیا اور اس طرح ان کے نام اور عزت کو بھی دھچکا لگ گیا تھا۔ لہذا خلیفہ اول نے شام کو فتح کرنے کے لئے ایک تبدیل شدہ حکمت عملی کا بھی فیصلہ کر لیا تھا۔ اس لئے جناب خالد بن سعید کو سپہ سالاری سے سبکدوش کرنا پڑا۔ لیکن جناب خالد بن سعید شام کی باقی تمام جنگوں میں ایک مجاہد کی حیثیت سے ضرور حصہ لیتے رہے اور بہادری کے جوہر دکھاتے رہے۔ جنگ یرموک میں سخت زخمی ہوئے اور اس کے چار ماہ بعد شمالی شام کی ایک بھڑپ میں شہید ہو گئے۔ تفصیل آگے ساتویں باب میں موجود ہے۔

خلیفہ اول کی تنظیم نو اور نئی حکمت عملی

پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ حیرہ کی فتح کے بعد اور جناب خالد بن ولید کی دریائے فرات کے مغربی کنارے کے علاقوں میں کامیاب فوجی کارروائیوں کی وجہ سے جناب صدیق اکبرؓ نے اندازہ لگایا تھا

کہ شام و فلسطین میں اللہ اور اللہ کے رسول کا نام بلند کرنے کا وقت آگیا تھا۔ خلیفہ اول نے بارہ ہجری میں حج ادا کیا اور جناب خالد بن ولید نے بھی پوشیدگی میں یہ حج ادا کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں یار نماز اور اللہ کی تلوار رضی کی ملاقات ہوئی ہوگی۔ کیونکہ جناب خالد رضی کی پوشیدگی عام لوگوں سے تھی، کہ دشمن کو خبر نہ مل جائے کہ وہ محاذ پر موجود نہیں ہیں۔ ہم نے حصہ اول میں یہ جائزہ اور تبصرہ کھل کر پیش دیا تھا کہ ہمارے لحاظ سے مورخین اور مبصرین کی یہ حاشیہ آرا کی غلط ہے کہ جناب خالد نے خلیفہ اول کی اجازت کے بغیر حج ادا کیا اور خلیفہ اول نے بعد میں ان کو اس سلسلہ میں کوئی تہنیتی کی۔ حصہ اول کے پندرہویں اور سولہویں ابواب میں اس کی تفصیل موجود ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ تنبیہ تین ماہ بعد کی گئی، اور وہ بھی ایسے وقت جب جناب خالد کو ایک اور بہت بڑی ذمہ داری سونپی جا رہی تھی۔ جناب ابو بکر رضی کے یہ الفاظ کہ خالد رضی آئندہ ایسا مت کرنا، جناب خالد رضی کو اپنی حفاظت کی ہدایت تھی نہ کہ حج پر آنے سے روکنے کی ہدایت۔

تو یہ بھی ممکن ہے کہ خلیفہ اول اور جناب خالد رضی کے درمیان آئندہ کی حکمت عملی اور فتوحات شام کے سلسلے میں کوئی گفتگو بھی ہوئی ہو۔ اور جناب خالد نے فتوحات عراق کے بعد مسلمانوں کے لشکروں کی تعیناتی اور عراق کے مفتوحہ علاقوں کے بارے میں حالات سے واقف کیا ہو۔ کیونکہ حج سے واپسی کے فوراً بعد محرم تیرہ ہجری میں جناب صدیق اکبر رضی نے تمام مسلمانوں کو بھرپور جہاد میں شرکت کی دعوت دی اور مدینہ شریف میں متعدد لشکروں اور مجاہدین کو تیاری کے احکامات صادر فرمائے۔

اسلامی سپہ سالار

دراصل دو سالار لشکر، جناب عمرو بن عاص اور جناب شرجیل رضی بن حسنہ تو پہلے ہی سے شام کی سرحدوں کے ساتھ دیکھ بھال کے کاموں میں مصروف تھے۔ ان کے علاوہ دو اور عظیم صحابہ جناب ابو عبیدہ بن جراح اور جناب یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما مدینہ شریف میں مجاہدین کو اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔ کچھ مورخین اور مبصرین نے چاروں لشکروں کے بارے میں لکھا ہے، کہ یہ لشکر مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن یہ لوگ جب تفصیل میں جاتے ہیں تو صرف یزید بن ابوسفیان رضی کے لشکر کی مدینہ سے روانگی کے منظر اور خلیفہ اول کی ہدایت کا ذکر کرتے ہیں۔ یا جناب ابو عبیدہ کے چوتھائی لشکر کی روانگی کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ بات بالکل بھول جاتے

ہیں کہ جناب عمرو بن عاص، جناب شرجیل بن حسنہ اور جناب خالد بن سعید کے جو لشکر شام کی سرحدوں پر متعین تھے وہ کہاں گئے یا کچھ ہہمل بیانات ہیں جن کا آگے ذکر آئے گا۔ یہ مورخین جناب عمرو بن عاص اور جناب شرجیل بن حسنہ کی مدینہ سے روانگی کا بھی کچھ ذکر کرتے ہیں لیکن یہ نہیں لکھتے کہ مدینہ سے کوئی لشکر بھی ساتھ گیا یا نہ گیا۔ اور جیسے جناب یزید بن ابوسفیانؓ کو اپنی ذمہ داری کے علاقے میں پہنچاتے ہیں۔ ساتھ ہی جناب عمرو بن عاص کو بھی اپنے لشکر سمیت اپنی نئی ذمہ داری کے علاقے میں پہنچا دیا ہے۔

جائزہ اور تبصرہ

تمام حالات کے تلمنے بانے کچھ اس طرح ملتے ہیں کہ خلیفہ اول نے جب شام کو فتح کرنے کے لئے حکمت عملی وضع کر لی تو صرف ایک ہی لشکر مدینہ شریف میں تیار ہوا اور وہ جناب یزید بن ابوسفیانؓ کا تھا چونکہ دو متعلقہ الجندل کے علاقے میں کوئی خطرہ باقی نہ رہ گیا تھا۔ اس لئے اس علاقے کے نزدیک دونوں لشکروں یعنی عمرو بن عاص اور شرجیل بن حسنہ کے لشکروں کو نئی ذمہ داری دے دی۔ جناب عمرو بن عاص کو مصر پسند تھا اور اس کی تفصیل آگے تیسری کتاب میں آئے گی، اس لئے انہیں فلسطین کے ایسے علاقوں میں تعین کیا گیا جو مصر کے نزدیک تھے۔ جناب شرجیل بن حسنہ کی ذمہ داری کی تفصیل آگے آتی ہے، کہ ان کو بھی شام کے علاقے میں ایک مقصود دے دیا گیا۔ البتہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ دونوں سالار مدینہ شریف آئے اور وہاں پر نئے حالات کے مطابق ان کو ان کی نئی ذمہ داری سے آگاہ کیا گیا اور کچھ لاکھ کے ساتھ آپ اپنے لشکروں میں واپس پہنچ گئے اور وہاں سے اپنے لشکروں کو ساتھ لے کر نئے مقصودوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

جناب ابو عبیدہؓ جنہوں نے سپہ سالار اعظم کا کام بھی کرنا تھا۔ وہ مدینہ شریف سے ایک دستہ کے ساتھ سب سے آخر میں چلے۔ اور معلوم یہ ہوتا ہے، کہ انہوں نے جناب خالد بن سعید کے لشکر کی کمانڈ بھی سنبھالی تھی اور ایسا ہوا کہ واقعات اس کے ثبوت میں جاتے ہیں۔ جناب عکرمہ بن ابوجہل اور جناب ولید بن عقبہ جو جناب خالدؓ کے لشکر میں تھے بعد میں جنگ یرموک تک ہمیشہ سے اس لشکر کے حصہ میں رہے۔ جس کی کمانڈ جناب ابو عبیدہؓ ذاتی طور پر کرتے رہے۔ ویسے جناب خالدؓ کا لشکر کچھ تتر بتر بھی ہو گیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ کوئی ایک آدھ مجاہد کسی دوسرے لشکر میں شامل ہو گیا ہو، کہ کچھ مورخین نے لکھ دیا

کہ لشکر کا ایک حصہ جناب یزید بن ابوسفیان کے پاس چلا گیا تھا۔ بہر حال جناب خالد بن سعید از خود ایک مجاہد کی طرح اپنی شہادت تک جناب ابو عبیدہ کے لشکر میں شامل رہے۔ اور واقعات کا تسلسل کچھ اس طرح آگے چلتا ہے۔

حضرت عمرو بن عاص

پہلے دومتہ الجندل سے لے کر تبوک کے علاقے میں بنو قضاہ اور بنو کلب کے قبائل کے علاقوں میں متعین تھے۔ جمادی الثانی بارہ ہجری میں جناب خالد بن ولید اور جناب عیاض بن غنم نے دومتہ الجندل میں تمام قبائل کی سرکوبی کر کے وہاں کے حالات بہتر کر دیئے تو اس کے کچھ عرصہ بعد خلیفہ اول نے جناب عمرو بن عاص کو لکھا کہ اپنے علاقوں کے نظام کو سولین حکام کے حوالے کر دیں اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیکر اپنے لشکر میں شامل کریں۔ چنانچہ جناب عمرو بن عاص نے عمر بن العذرہ کو اس علاقے کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا اور خود لشکر اکٹھا کرنے میں لگ گئے اور آپ کو اگلے احکام کا انتظار بھی تھا۔ اور ذمہ داری میں تبدیلی بھی تھی، کہ مشرقی علاقوں کی بجائے جناب عمرو بن عاص کو مغرب کی طرف کوچ کرنا تھا۔ اور خلیج عقبہ کے نزدیک ایلمہ کے مقام کو اپنا مرکز بنانا تھا یہ وہی مقام ہے جہاں پر حضور پاک نے ہجرت تبوک کے وقت اپنے لشکر کے ایک حصہ کو بھیج کر ایلمہ کے سردار کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ جناب عمرو بن عاص کے لئے احکام یہ تھے کہ وہ ساحلی علاقوں میں غزہ اور درمیانی علاقوں میں اجنادین سے آگے نہ بڑھیں اور انہی علاقوں میں اسلام کی قوت کو مضبوط کریں۔

تبصرہ ۱۔

خلیفہ اول کے اس طویل کار میں خاص مقصد پنہاں تھا۔ آپ سمندر کے کنارے کسی ساحلی جنگ یا سبزی جنگ سے اُس وقت تک دور ہی رہنا چاہتے تھے۔ جیسے عراق کی ہجرت میں ابلہ کی فتح کے بعد وہاں سے آگے خلیج فارس کے کنارے کی طرف پیش قدمی نہ کی گئی، یہی اصول یہاں بھی لاگو تھا۔ اس کے علاوہ درمیان میں اجنادین سے آگے بیت المقدس کا مقام تھا۔ اور وہاں پر فوری حملہ کرنے سے تمام عیسائی طاقتوں کے ساتھ ایک کھلم کھلا بہت بڑے تصادم کو دعوت دینا تھی۔ اور ایسی کارروائی کے لئے بڑی طاقت کی ضرورت تھی۔ لیکن ایک راز کی بات بھی تھی۔ بیت المقدس بھی کعبہ شریف کی طرح اللہ تعالیٰ کا گھر ہے

علا تفصیل کے لئے جلال مصطفیٰ کے صفحہ ۲۶۵ پر نقشہ اور صفحہ ۲۷۲ سے استفادہ کریں۔

بے شک اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ اہل حق قوت کے ساتھ اس کے گھر میں داخل ہوں اور اس پہلو کی جلال مصطفیٰ کے چھٹے باب میں وضاحت کر دی گئی ہے۔ اب جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی حضور پاک کی سنت پوری کرنا چاہتے تھے کہ مکہ کی طرح بیت المقدس میں بھی کوئی زیادہ جنگ و جدل نہ ہو۔ اور کسی حکمت عمل کے تحت وہ جگہ بھی اپنے آپ نبھوئی میں گر جائے۔ اگلے احکام اور دوسرے سپہ سالاروں کو جو ذمہ داریاں سونپی گئیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بیت المقدس سے پہلے دمشق اور باقی شمالی علاقوں کو فتح کر کے چاہتے تھے، تاکہ بعد میں دو، یا زیادہ اطراف سے بڑھ کر آسانی سے بیت المقدس میں داخل ہو سکیں۔ اس سلسلے میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں داخل ہونے کے طریق کار سے رہنمائی حاصل کی جا رہی تھی کہ آپ مکہ میں چار اطراف سے داخل ہوئے اور یاد رکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر وقت اور ہر جگہ یہ سوچتے تھے کہ حضور پاک کی سنت یا طریق کار کیا ہے۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ یہ سب کچھ حضور پاک کے طفیل ہے۔

۵ وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے

غبارِ راہ کو بخشا فروغ دادی سینا۔ (اقبال)

اس کے علاوہ یہاں پر یہ بیان بھی ضروری ہے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ عاصی بہت سنجیدہ اور ٹھنڈے مزاج کے فوجی ماہر تھے۔ آپ تدبیر اور سیاست میں اسلام سے پہلے بھی حرب کے چوٹی کے لوگوں میں شمار ہوتے تھے اسلام میں داخل ہونے کے بعد حضور پاک کے سامنے عاجزی کی حالت یہ تھی کہ آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اور فرماتے تھے کہ بخدا مجھ میں ہمت نہ تھی کہ حضور پاک کے چہرہ مبارک کے جمال و جلال کی جھلک کو برداشت کر سکوں۔ اس وفاداری اور عاجزی نے ان کے مقامات کو بہت بلند کر دیا تھا اور آپ فلسطین کے علاقے میں ذمہ داری کے لئے موزوں ترین شخص تھے آپ کے ساتھ جو پہلے دستے موجود تھے ان کی تعداد کوئی چار ہزار کے قریب تھی۔ مدینہ سے مکہ کے بعد آپ کے لشکر کی تعداد سات ہزار کے قریب ہو گئی تھی۔

ب۔ جناب شرجیل بن حسنہ

ذی قعد گیارہ ہجری میں جیسے ہی جنگ یمامہ ختم ہوئی جناب شرجیل رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ

شام کی سرحدوں پر متعین تھے کہ ان کو مدینہ بلا کر اور ملک دی گئی۔ اور جس علاقے کی دیکھ بھال میں آپ معروف تھے۔ اسی علاقے سے آپ کو آگے بڑھنا تھا آپ کو اردن کا علاقہ دیا گیا اور آپ نے معان صوٹہ والے راستے کی بجائے مشرق میں ریگستانی علاقے سے ایک راستہ اختیار کر کے پہلے عمان جانا تھا اور پھر دادی یرموک تک کا علاقہ آپ کی ذمہ داری تھی۔ نقشہ اول کا مطالعہ اس سلسلہ میں مددگار ثابت ہوگا۔

ج۔ جناب یزید بن ابوسفیانؓ

یزیدؓ کے لشکر کو البتہ مکمل طور پر مدینہ میں تیار کیا گیا۔ آپ کے چھوٹے بھائی جناب معاویہؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ یہ صفر تیرہ ہجری کا واقعہ ہے اور واقعہ نے جناب یزیدؓ کے لشکر کی مدینہ شریف سے روانگی کے منظر کو بڑے پیار سے انداز میں بیان کیا ہے کہ اول جناب صدیق اکبرؓ نے جناب یزیدؓ کو ہدایات دیں، جو انہی ہدایات کے مشابہ تھیں۔ جو حضور پاکؐ کے سالاروں کو دیا کرتے تھے۔ اے بے شک اللہ کے نام پر جہاد کرو۔ لیکن حد سے تجاوز مت کرنا اور نہ ہی عورتوں بچوں اور بوڑھوں پر ہاتھ اٹھاؤ۔ بلکہ دشمن کی لاشوں کو بھی تہس نہس نہ کرنا۔ اور لوگوں کی منہ سبی درگاہوں اور عبادت گاہوں کے متولیوں کو بھی نہ قتل کرنا اور نہ ہی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کرنا اس کے ساتھ ہی خلیفہ اول نے حکم دیا کہ جہاں پر جاؤ وہاں تین شرطیں دہرانا۔ اول ہماری باجگذاری اختیار کرو تاکہ علاقے میں اللہ کے احکام نافذ کریں۔ دوم اگر یہ منظور نہیں تو جزیرہ یا ٹیکس دو تاکہ ہم اس رقم سے تمہارے علاقوں کا نظم و نسق ٹھیک کریں اور تمہاری حفاظت کر سکیں۔ اور یہ بھی منظور نہیں تو پھر تلوار فیصلہ کرے گی۔

تمام مورخین کو اس سے اتفاق ہے کہ جناب صدیق اکبرؓ نے ہر سپہ سالار کو ایسی ہدایات ضرور جاری کیں، تب ذمہ داری سونپی۔ البتہ جناب یزیدؓ کے لشکر کے سلسلے میں ابو یوسف کے مطابق جناب صدیق اکبرؓ دو میل تک اہل لشکر کے ساتھ پیدل چلتے گئے۔ جناب یزیدؓ بار بار گزارش کرتے تھے کہ وہ مراجعت کریں تو یار غار رضی نے فرمایا۔ اے سالار لشکر! میں نے اللہ کے حبیب سے یہ سنا ہے کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے لئے جب چلا جائے اور پاؤں خاک سے آلودہ ہوں تو ایسے

یاں کبھی دوزخ میں نہ ڈالے جائیں گے۔

سبحان اللہ یہ مجاہدین کی شان ہے۔ لہذا ہمیں ہمیشہ جہاد کے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں کہ اللہ کے راستے پر نکلے ہیں۔ "مادر وطن" وغیرہ قسم کی غیر اسلامی اصطلاحوں کو استعمال نہ کیا جائے۔ جناب یزید بن ابوسفیان کو جناب شرجیلؓ کے علاقے یعنی معان، موتہ، عمان اور یرموک سے گزر کر دمشق جانا تھا۔ لیکن وہ راستے ہی میں الجھ گئے جس کا ذکر آگے آئیگا۔

د۔ جناب ابو عبیدہؓ بن جراح

پہلے بیان شدہ تین لشکروں اور اس لشکر کو شامل کر کے چاروں لشکروں کی عطاقت کی کشش کا مرکز جناب امین الامت حضرت ابو عبیدہؓ تھے۔ آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ جلال مصطفیٰ میں آپ کا ذکر مبارک حدیث سے کیا گیا ہے اور اس سلسلہ کی کتابوں کے حصہ اول کے پہلے باب میں وہ ذکر ہے جہاں آپ جناب صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی معیت میں سفینہ بنی ساعدہ گئے اور حضور پاک کی وفات کے بعد مسلمانوں کے انتشار کو ختم کر کر وحدت کی بنیاد رکھنے میں اپنے دونوں عظیم ساتھیوں کا ہاتھ بٹایا۔ آپ کا یہ کارنامہ ہماری تاریخ کا ایک سنہری باب ہے لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آپ ذاتی بہادری میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے اور فوجی تدبیرات میں دنیا کے بڑے بڑے سپہ سالار آپ کے سامنے بچے نظر آتے ہیں۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالاروں میں جناب علی المرتضیٰؓ، جناب خالد بن ولید اور جناب ابو عبیدہؓ کے مقامات اتنے بلند ہیں کہ ہر ایک کی فوجی فراست پر کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں

جناب ابو عبیدہؓ شام کے چاروں لشکروں کے سپہ سالار اعظم بھی تھے انہیں بھی وہی راستہ اختیار کرنا تھا جو شرجیلؓ بن حسنہ اور جناب یزید بن ابوسفیان کو کرنا تھا اور جناب یزیدؓ کے دمشق پر قبضہ کے بعد آپ کو حصہ کی طرف پیش قدمی کرنا تھی اور وہاں پر اگلے احکام کا انتظار کرنا تھا۔ ہر لشکر کی انفرادی تقریباً سات ہزار جاتی جاتی ہے۔ اور چاروں لشکروں کے اپنے اپنے مقصود نقشہ اول پر دیئے گئے ہیں اور یہی

مقصود تمام تر بہات میں اُم طور پر ذہن میں موجود رہیں کہ جنگ کے مقاصد کو ذہن میں رکھ کر ہی سب کچھ کیا جاتا ہے۔ لیکن اُس کے لئے کچھ مقصود دیئے جاتے ہیں۔ اسلام میں جنگ کا مقصد تو اللہ اور رسول کے قانون کا نفاذ ہوتا ہے۔ البتہ کارروائی کے لئے مقصود ضرور دیئے جاتے ہیں۔

بلادِ شام میں سپہ سالاروں کی کارروائیاں

نئے مقصودوں کے تحت اور اپنے لئے ایک اور جہاں پیدا کرنے کے لئے چاروں لشکروں کو دوں تھے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے جناب یزیدؓ کا لشکر مدینہ شریف سے نکلا۔ اُس سے چند دن یا ایک ہفتہ بعد جناب ابو عبیدہؓ کا دستہ نکلا۔ باقی لشکروں کی کمک پہلے یا بعد میں روانہ ہوئی رہی اردن کے علاقے میں اہل روم کوئی بڑا لشکر رکھتے تھے اور اُنکے بڑے لشکر یرموک سے اوپر ہی تھے تاکہ ضرورت کے وقت فلسطین یا اردن بھیجے جاسکیں لیکن اہل روم دو محاذوں پر مسلمانوں کی پیش قدمی دیکھ رہے تھے ایک طرف جناب عمرو بن عاص اور دوسری طرف جناب یزیدؓ تقریباً ایک ہی وقت پیش قدمی کر رہے تھے جناب شرجیلؓ کو گواردن میں ہی رہ جانا تھا لیکن چونکہ انہوں نے موتہ والا راستہ استعمال نہ کیا اس لئے وہ تورگستان سے ہوتے ہوئے یرموک کی دادی میں پہنچ گئے۔ لیکن جناب یزیدؓ اور جناب عمروؓ دونوں اُلجھ گئے۔ بلکہ جناب یزیدؓ کو اپنا رخ بھی تبدیل کرنا پڑا اور آپ بحیرہ مُردار کے ساتھ پہلے درہ مواب کے علاقے میں دشمن کے ساتھ اُلجھ گئے اُس دشمن کو تو آپ نے غزوہ یا فلسطین کے علاقوں کی طرف بھگا دیا۔ لیکن آگے بھی دریائے اُردن کے ساتھ ساتھ آپ کا دشمن کے ساتھ تصادم ہوتا رہا۔ لیکن جب جناب شرجیلؓ آگے نکل گئے تو جناب یزیدؓ کے سامنے سے بھی دشمن خود بخود بھاگ گیا۔

اسی دوران جناب ابو عبیدہؓ پہنچے تو انہوں نے بھی جناب شرجیلؓ والا راستہ اختیار کیا اور وہ بھی دادی یرموک میں پہنچ گئے۔ لیکن چونکہ جناب یزیدؓ ابھی تک اُلجھے ہوئے تھے اور اُن کے دمشق کو فتح کرنے کے بعد جناب ابو عبیدہؓ کو آگے حمص کی طرف بڑھنا تھا اس لئے جناب ابو عبیدہؓ بھی جناب شرجیلؓ کے ساتھ ہی دادی یرموک میں رُک گئے۔ البتہ جناب عمروؓ بن عاص زیادہ پیش قدمی نہ کر سکے۔ اُن کو جو خبریں موصول ہو رہی تھیں اُن کے حساب سے اُن کا آگے بڑھنا بڑا خطرناک تھا کہ اُس طرف لا تعداد دشمن کے اکٹھا ہونے

کی خبریں مل رہی تھیں۔ نقشہ اول سے ان حالات کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہو گا کہ مسلمانوں کا ایک قدم دادی یرموک میں تھا اور دوسرا قدم کھلی طرف عقابہ کی دادی میں تھا جس کو عریاۃ کی ڈی بھی کہتے ہیں۔

اہل روم کا رد عمل

ظاہر ہے کہ اہل روم، مسلمانوں کی اہل ایران کے ساتھ تمام تر جنگوں کے نتائج کا غور سے مطالعہ کر رہے ہوں گے۔ اور اب انہیں مسلمان، ایران کی جنگوں سے کچھ فارغ بھی نظر آئے ہوں گے۔ پھر مسلمان لشکروں کی بلادِ شام کی طرف پیش قدمی کوئی چھپی ہوئی بات بھی نہ تھی پہلے خالد بن سعید کا لشکر بھی ملک شام میں کافی اندر تک چلا گیا تھا اور اہل روم نے سخت رد عمل والی، کارروائی کی تھی۔ حکمت عملی کے تحت اہل روم کے لئے فلسطین کا ملک یا صوبہ، ملک شام سے زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ اس علاقے کے ساتھ ان کا سمندر کے ذریعے بھی رابطہ تھا۔ روحانی یا مذہبی طور پر بھی فلسطین کا علاقہ زیادہ اہم تھا۔ اس لئے انہوں نے زیادہ فوج اسی علاقے میں مختلف مقامات پر رکھی ہوئی تھی جن میں بیسان، طبریہ، قساریہ، بیت المقدس، رملہ اور بیت شیبہ وغیرہ کے مقامات شامل تھے یہی وجہ تھی کہ ایسی فوج کے کسی دیکھ بھال والے دستے کیساتھ جناب یزید کا لڑاؤ بھیمرہ دار محلے کا علاقہ میں ہو گیا اور جناب یزید اپنی منزل کی طرف تیزی کے ساتھ نہ جاسکے۔ ان جھڑپوں کے بعد اہل روم کی افواج نے فرار بھی مغرب یعنی فلسطین کی طرف کیا اور جناب عمرو بن عاص تو زیادہ آگے بڑھ بھی نہ سکے۔ ظاہر ہے کہ رومیوں کی طاقت کی کشش کا مرکز فلسطین اور بیت المقدس کا علاقہ تھا جناب عمرو بن عاص اس علاقے میں اکیلے تھے۔ وہ فکر مند ہوئے اور جناب ابو عبیدہؓ سے امداد کے درخواست کی۔

جناب ابو عبیدہؓ کا تبحر یہ

جناب ابو عبیدہؓ یرموک سے تھوڑا آگے اور بصری کے قلعہ سے نیچے جابیہ کے مقام تک

پہنچ چکے تھے وہ ادھر ہی رک گئے اور تینوں لشکروں یعنی اپنے لشکر کے علاوہ جناب شرجیل رضاؤ
 جناب یزید کے لشکروں کی کمانڈ بھی سنبھال لی اور پیش قدمی روک دی جناب ابو عبیدہ کو خیال
 تھا کہ اہل روم اول تو جناب عمرو بن عاص کے لشکر پر بھرپور وار کریں گے اور اُس کے بعد تینوں
 لشکروں کی عقب سے ناکہ بندی کر کے اُن پر بھی سامنے سے سخت حملہ کریں گے۔ لیکن ایسا کرنے
 کے لئے کافی لشکروں اور کسی خاص تجویز کی ضرورت تھی۔ اور اُس کے لئے وقت چاہیے تھا۔ وہیوں
 کو کمک کی بھی امید تھی اور وہ اپنی طاقت کو بڑھانے میں لگے ہوئے تھے۔ جناب ابو عبیدہ فکرمند
 بالکل نہ تھے۔ جناب عمرو بن عاص بھی اپنے دوست ریگستان کو اپنے عقب میں رکھے ہوئے تھے
 اور باقی تینوں لشکر بھی اپنے دوست ریگستان کو اپنے دائیں اور عقب دونوں سمتوں میں رکھے ہوئے
 تھے۔ وہ کسی جال میں تو نہ پھنس سکتے تھے۔ لیکن وہ پہل کاری اہل روم کو نہیں دینا چاہتے تھے۔

ممکن طریقے

اب مسلمانوں کے لئے کسی ممکن طریقے تھے جو وہ اپنا سکتے تھے۔ ایک یہ تھا کہ وہ یرموک سے
 طبرہ یا فحل کے راستے اپنا رخ فلسطین کی طرف موڑ دیتے۔ اور شمال کی طرف سے فلسطین کی ناکہ بندی
 کرتے۔ اور جو فوج جنوبی فلسطین میں موجود تھی اُس کا قلع قمع کر دیتے۔ یہ مشکل تجویز
 تھی، کیونکہ اوپر سے فلسطین میں داخل ہونے والی فوج پہاڑوں اور وادیوں میں محدود ہو کر
 رہ جاتی۔ اور مکمل ناکہ بندی بھی مشکل تھی کیونکہ سمندری راستے تو رومیوں کے لئے کھلے تھے۔ لیکن زیادہ
 خطرہ یہ تھا، کہ اپنی فوج منتشر ہو جاتی۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ تمام فوجیں اپنے ریگستانی علاقے میں
 چلی جاتیں اور رومی لشکروں کو اپنی طرف کھینچ کر ریگستان میں تباہ و برباد کیا جاتا اس چال میں خطرہ
 یہ تھا کہ رومی شاید چال میں نہ آتے، اور اپنے لئے لمبے عرصے تک غیر آباد علاقوں میں گزارہ مشکل
 ہو جاتا۔ اور یہ ایک پسپائی ہوتی، کہ خلیفہ اول اس کی اجازت دینے کو تیار نہ تھے۔ شام پر لشکر کشی
 ہو چکی تھی، اب پہل کاری ہاتھ میں رکھنا ضروری تھی۔ تاکہ دشمن کے لشکر کو ضرور برباد کیا جائے کہ
 معاملات آگے بڑھ سکیں

خلیفہ اول سے مشورہ

جناب ابو عبیدہ نے خلیفہ اول کو حالات سے آگاہ کیا اور اپنی سوچ سے بھی، کہ کیا

مختلف طریقے ہو سکتے ہیں۔ خلیفہ اول حالات کو بھانپ گئے۔ وہ جناب ابو عبیدہؓ کی شانِ ندبِ حربی قابلیت وغیرہ سب چیزوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور ان کو معلوم تھا کہ امین الامت تمام معاملات اور حالات پر مکمل طور پر حاوی ہو سکیں گے۔ لیکن اپنے مجاہدین کی حوصلہ افزائی اور دشمن کی دل شکنی کے لئے اگر جناب خالد بن ولید کو ایسے کام پر لگایا جاسکے، تو وہ اور بہتر ہوگا۔ جناب خالدؓ بڑی بڑی جنگوں میں فتوحات حاصل کر چکے تھے ان کی حربی خوبیاں سب لوگوں پر ظاہر تھیں۔ اور اس میں شک نہیں تھا کہ یارِ غارؓ تو جناب امین الامتؓ کو اچھی طرح سمجھتے تھے لیکن اہل شکر باقی اُمرا یہ بات نہ سمجھتے تھے کیونکہ جناب ابو عبیدہؓ نے اُس وقت تک کسی بڑی جنگ میں کمانڈ نہ کی تھی۔

جناب خالد کی نئی ذمہ داری

جناب خالد بن ولید ان دنوں عراق میں بالکل فارغ بیٹھے تھے، اور شام کی سرحدوں تک حربی مظاہرے بھی کر چکے تھے۔ خلیفہ اول کی عراق کی فتوحات کی حکمتِ عملی کا پہلا مرحلہ ختم ہو چکا تھا۔ بلکہ اس حکمتِ عملی کو اتنا آگے بڑھا دیا گیا تھا کہ عراق و شام دونوں محاذوں کے لشکر اور اکاؤنٹ کا مجاہدین بھی ایک دوسرے کی باہمی امداد کے قابل ہو چکے تھے۔ اس لئے بہتر یہی تھا کہ اللہ کی تلوار، جو میان سے باہر آچکی تھی اُس کو بھی استعمال کیا جائے۔ کیونکہ جناب خالدؓ کا نام آرزو لاکھوں کے لشکر کے برابر ہو چکا تھا۔ اس لئے جناب صدیق اکبرؓ نے ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے جناب خالدؓ کو حکم دیا کہ وہ جلدی سے شام کے محاذ پر پہنچ کر کمانڈ سنبھال لیں اور آدھا لشکر اپنے ساتھ شام لے جائیں اور آدھا لشکر جناب مثنیٰ بن حارث شیبانی کے پاس چھوڑ کر عراق کے محاذ کی سپہ سالاری اُن کو سونپ دیں۔ لشکر کی بانٹ اور جناب خالدؓ اور جناب مثنیٰ بن حارث شیبانی کی الوداعی کو حصہ اول کے سولہویں باب میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا۔

عنا نام والی بات اس زمانے میں بھی ہے۔ دوسری جنگِ عظیم میں افریقہ میں رومیل کا نام کسی ڈویژنوں کے برابر ہو گیا تھا۔ اور جنوب مشرقی ایشیا میں ایک جاپانی سپاہی ایک دستہ کے برابر ہو گیا تھا۔ دینِ فطرت کے مجاہد اگر اپنے فلسفہ پر عمل کریں تو وہ تو ہمیشہ سے قرآن پاک کے مطابق، دس سپاہیوں کے برابر ہیں۔

ہے۔ چنانچہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جناب ابو عبیدہؓ کو بھی اطلاع دی کہ وہ جناب خالدؓ کا انتظار کریں۔ وہ سپہ سالار اعظم ہوں گے۔ اور ان کے آنے تک جناب ابو عبیدہؓ حفظ ماتقدم کے طور پر کوئی کارروائی کر سکتے ہیں۔ لیکن رومیوں کے ساتھ کسی فیصلہ کن لڑائی میں اپنے آپ کو نہ الجھائیں۔

تبصرہ

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عراق و ایران کے محاذ پر جو کچھ حاصل کرنا تھا وہ کر چکے تھے۔ ان کے لحاظ سے اب وقت آگیا تھا کہ شام و فلسطین میں اہل روم کے ساتھ بھی دو دو ہاتھ کر لیں۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے جو تجاویز مرتب کیں وہ یہ تھیں کہ اردن سے گزر کر پہلے شام کو فتح کیا جائے اور فلسطین کو بعد میں فتح کیا جائے۔ ان ترجیحات کے وجوہات بیان کر دیے گئے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ تین لشکر یرموک سے آگے گزر کر بصری کے مقام کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ صرف جناب عمرو بن عاص کا لشکر فلسطین کے جنوبی علاقے میں موجود تھا اور دشمن پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ موجودہ فوجی لحاظ سے اس کو (HOLDING) کی کارروائی کہیں گے۔ CONTAINING اور HOLDING میں جو فرق ہے واضح ہے کہ CONTAINING میں بھی نگاہ تو کڑی رکھی جاتی ہے لیکن آگے سے زیادہ رکاوٹ پیدا کرنے کی شاید سکت نہ ہو۔ HOLDING میں کڑی نگاہ کے علاوہ آگے سے سخت رکاوٹ کی کارروائی بھی کی جاتی ہے اور یہ ایک متحرک دفاع بھی ہو سکتا ہے

یہاں موازنہ کے طور پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اہل روم مسلمانوں کی حکمت عملی اور تجاویز یا ساز پر اس طرح نہ ناچ رہے تھے جس طرح عراق کی ہم کے وقت ایرانیوں نے جناب خالدؓ کے ساز پر ناچنا شروع کر دیا تھا اور جس کی تفصیل کتاب اول میں دی جا چکی ہے۔ اہل روم رد عمل کے طور پر جو کارروائی کرنے کا ارادہ کر رہے تھے وہ بڑی مدبرانہ چال تھی اور مسلمانوں کے لئے بہت ہی پرخطر تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کو نہ صرف اپنی پیش قدمی کی تجاویز کو تبدیل کرنا پڑا، بلکہ شام کے محاذ کے لئے عراق سے کمک منگوانے کے علاوہ کمانڈ میں بھی تبدیلی کرنا پڑی۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کی کارروائی جو انہوں نے رومیوں کے رد عمل کے خلاف کی، اگلے باب میں تفصیل کے ساتھ بیان کی جائے گی۔

اب سمجھنے والی بات یہ ہے کہ اہل روم کی کارروائی مسلمانوں کی پیش قدمی کے خلاف ایک صحیح رد عمل تھا اور مسلمانوں کی مزید کارروائی اور تجاویز میں تبدیلی رومیوں کے رد عمل کے خلاف ایک مزید صحیح رد عمل تھا۔ اور یہ مزید رد عمل اس وجہ سے ہو سکا کہ مسلمانوں کی تجاویز لچکدار تھیں اور مسلمانوں نے اپنے آپ کو آنے والے وقت کے لئے لچکدار پالیسی کے تحت تیار رکھا ہوا تھا۔ یہ نکتہ بڑا اہم ہے۔ تبدیلی کر لینے سے پالیسی کی لچکداری کی خصوصیت پہنچانے کی زبانی جمع تفریق کوئی معنی نہیں رکھتی یا مقصد تبدیلی اور یا مقصد لچکداری (FLEXIBILITY) کے لئے بڑی فراست کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر یہ مومن کی فراست کے تحت ہو تو پھر سونے پر سہاگہ ہوتا ہے۔ فوجی حکمت عملی اور تدبیرات کا یہی بڑا اور صحیح فارمولہ ہے کہ اول دشمنوں کو اپنے ساز پر نچانا اور ساتھ ہی دشمن کے تمام رد عملوں کے خلاف مزید منصوبہ بندی کے لئے تیار رہنا۔ علاوہ اس تیاری کے لئے اپنے پاس ذرائع بھی موجود رکھنا اور اگر ہم اپنے آپ کو ایسے حالات کے لئے تیار رکھنا چاہتے ہیں تو پھر یہ یاد رکھنا ہوگا:-

آخر امیر عسکر ترک کے حکم سے "آئین جنگ" شہر کا دستور ہو گیا

ہر شے ہوئی ذخیرہ لشکر میں منتقل شاہین گدائے دانہ عصفور ہو گیا۔ (اقبال)

ایک اور نکتہ یہ ہے کہ آخر کار مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شام اور فلسطین کو اسی طریقہ و تجویز کے تحت فتح کیا جس کا جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کر گئے تھے۔ یعنی حکمت عملی وہی رہی۔ صرف وقت زیادہ لگ گیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ دشمن کے رد عمل کو مزید رد عمل کے ذریعہ رد کرنا پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کئی دفعہ مفتوحہ علاقوں کو چھوڑنا پڑا۔ مثال کے طور پر یرموک کے مقام کو پہلے ہی مرحلہ میں چھوڑنا پڑا۔ اس کا ذکر اگلے باب میں آئے گا۔ لیکن یرموک کو بھی بعد میں دو دفعہ فتح کرنا پڑا۔ اور یرموک پر قبضہ تو شاید تین دفعہ کرنا پڑا۔ لیکن یرموک کے مقام پر جنگیں دو دفعہ ہوئیں۔ اگر پہلے مرحلہ پر یرموک کی وادی کے نزدیک بصری کے مقام والی جنگ کو بھی شمار کر لیا جائے تو پھر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یرموک کے مقام پر جنگیں بھی تین ہوئیں۔ دو جنگیں البتہ رجب کے مہینہ میں ہوئیں۔ ایک رجب تیرہ ہجری میں اور دوسری رجب پندرہ ہجری میں۔ اس لئے ان دو جنگوں کو اکثر لوگوں نے ایک جنگ بنا کر پیش کیا۔

ہم جس نکتہ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ دشمن کے رد عمل کو رد کرنے کے لئے تجاویز میں

جو تبدیلیاں آئیں اور حکمت عملی کے تحت جن مفتوحہ علاقوں کو چھوڑنا پڑا، ان سب کارروائیوں کو نقشہ اول

دوم اور سوم کی مدد سے سمجھنے کی ضرورت ہے اور ہر مقام کے محلی وقوع کو یاد رکھنا ہو گا تو تب ہی واقعات کھل کر سامنے آئیں گے۔ ورنہ ہم یا تو پرانے زمانے کے مورخوں کی طرح بھول بھلیوں میں الجھ جائیں گے، یا کئی نئے مبصرین کی طرح جنگ کو ایک جنگی مشق بنا کر سارے مقامات کو ویسے ہی فتح کر لیں گے اور زماں کا بدلے پہلو کو بھول جائیں گے

اسباق

۱۔ جو لوگ جناب صدیق اکبر کی حکمتِ عملی کو مومن کی فراست سے مطالعہ کریں گے۔ ان کے سامنے ایسے راز کھل کر آشکارا ہوں گے کہ وہ خود بھی حیران ہو جائیں گے اور یارِ غارؓ کی شان کے بارے میں ان کو کچھ سوچھ بڑھ حاصل ہونا شروع ہو جائے گی۔ ہمارے آقاؐ فرما چکے ہیں کہ وہ اپنے رفقاءؓ میں سے سب کے احسانات کا بدلہ دے چکے ہیں۔ لیکن صدیق اکبرؓ کے احسانات کا بدلہ نہ دے سکے۔ یہ نکتہ اتنا دقیق اور عمیق ہے کہ ہم گنہگاروں کے لئے اس کو سمجھنا ناممکن ہے کہ حضور پاکؐ جو سب کچھ اپنی نگاہ سے کر سکتے تھے اور ان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ تھا، اس معاملہ میں اگر کیوں رگ گئے۔ احسانات کا بدلہ دینا نہ چاہتے تھے یا کیا راز تھا۔ تو راز تو راز دان ہی سمجھ سکتا ہے اور حضور پاکؐ کی شان کو جس طرح یارِ غارؓ سمجھتے تھے وہ بھی ایک راز تھا اور یہ راز جس سینہ میں راز کے طور پر رہ سکا اس کا احسان بھی راز ہے۔ یا جناب علی کرم اللہ وجہہ تھے کے علم کے شہر کا دروازہ ہوتے ہوئے بھی بعض دفعہ مشیتِ ایزدی کے تحت خاموش ہو جاتے تھے۔ یا فاروقیؓ اعظمؓ تھے جن کو خیال بھی نہ آیا کہ حضور پاکؐ کبھی وفات پا کر ان کی آنکھوں سے اوجھل بھی ہو سکتے ہیں۔ یا عثمان غنیؓ تھے جن کی شان میں خود ہمارے آقاؐ نے فرمایا کہ بخدا آج اگر میرے گھر کوئی اور بیٹا ہوتی تو میں جناب عثمانؓ کے عقد میں دیتا۔ اب حضور پاکؐ کے ان عظیم رفقاءؓ کے بارے میں علامہ اقبالؒ کے شعر کا یہ مصرع ہمیشہ یاد رہے کہ :-

”تو اُسے پیمانہٴ امر و زورِ فردا سے نہ ناپ“

۲۔ تو سبق یہ ہے کہ حضور پاکؐ کے رفقاءؓ کی سیرتوں میں اپنے لئے نشانِ راہ کو تلاش کرنا چاہیے۔ فوجی حکمتِ عملی۔ مقاصد کا تعین۔ مقصودوں کی نشان دہی، پگھلا رہا پالیسی۔ مکمل ذرائع کو اکٹھا اور پاس رکھنا۔ تیز پیش قدمی، چوکنار ہونا۔ بروقت کارروائی کرنا۔ تن من کو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے احکامات کے تابع رکھنا۔ اور بروقت یہ خیال کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے نام کو بلند کرنے میں لگے رہیں۔ اور پھر اپنی ذات کو

ان اصولوں پر قربان کر دینا۔ ہمارے لئے سینکڑوں عمل سبق ہیں۔ جو لوگ صرف علم کے چکر میں رہتے ہیں یا عقل کے گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں۔ ان کے سامنے بڑی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں ہمیں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے "دل بینا" طلب کرنا چاہیے۔ اور یہ حضور پاک کی غلامی اور آپ کے رفقا کی غلامی سے حاصل ہوتا ہے۔

عقل کو آستان سے دور نہیں اس کی تقدیر میں حضور نہیں
دل بینا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں!
علم میں بھی سرور ہے لیکن یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں (اقبال)

۳۔ اکثر راوی اس بات پر متفق ہیں کہ جناب صدیق اکبرؓ کی خلافت میں جو دو حج ہوئے ان میں گیارہ ہجری میں حج کے موقع پر جناب فاروق اعظمؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا گیا اور بارہ ہجری میں حج کے موقع پر آپ خود خانہ کعبہ تشریف لے گئے۔ بلکہ وہاں پر حضور پاکؐ کے خطبہ حجة الوداع کی یاد میں خوب روئے بھی۔ ظاہر ہے جناب خالدؓ جنہوں نے پوشیدگی میں حج کیا، ان کی خلیفہ اول کے ساتھ پوشیدگی میں کوئی ملاقات بھی ہوئی ہوگی کہ اُس کے تین ماہ بعد مسافر تیرہ ہجری میں جناب صدیق اکبرؓ نے جناب خالدؓ کو شام میں بھیج دیا۔ اور جناب خالدؓ کے نام کو استعمال کیا۔ فوجی حکمت عملی کے لحاظ سے یہ صحیح کارروائی ہے۔ بلکہ اس کے لئے امن کے زمانے میں تیاری کی ضرورت ہے۔ اول نام اللہ اور رسولؐ کا ہے لیکن کچھ اللہ اور رسولؐ کے خدائیوں کو تیار کرنا ضروری ہوتا ہے اور امن کے زمانے میں ان کے نام سے دشمن کے دلوں میں ہیبت ڈالی جاتی ہے۔ مضمون بڑا وسیع ہے یہاں اشارہ کافی رہے گا۔

سرخاک شہید سے یگہائے لاری پاشم کہ خوش بانہاں ملت ما سازگار آمد۔ (اقبال)

تیسرا باب

جناب خالد کاشام کی طرف کوچ (نقشہ دوم)

پہلی کتاب کے سولہویں باب میں فاتحین عراق کا ملک عراق کو اوداع کہنے کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے۔ یورپ کے مبصرین اور فوجی ماہرین فتح کے اختتامی مقام کو نہ تلاش کر سکے۔ کلاسٹریٹر، لیڈل ہاؤس، ٹکر وغیرہ تمام نئے اور پرانے ماہرین کی تمام تر کوششیں یہاں آکر ختم ہو جاتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے، فتح سے شکست نکلتی ہے۔ کوئی فتح کے اثرات و ثمرات کے غلط استعمال کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔ لیکن دین فطرت میں فتح کا اختتامی مقام موجود رہے گا کہ قافلہ حق رواں دواں ہے :-

دما دم رواں ہے بم زندگی ہر اک شے سے پیدا رم زندگی۔ (اقبال)

اسلام میں ایک فتح سے دوسری فتح پیدا ہوتی ہے اس میں ملک اور علاقے فتح نہیں کئے جاتے بلکہ لوگوں کے دل فتح کئے جاتے ہیں۔ ملکوں کے نام تو صرف پہچان کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ ورنہ اسلام کسی جغرافیائی حدود کا قائل نہیں اور نہ ہی اسلام میں جغرافیائی وطن کا کوئی تصور ہے۔ وطن کا تصور صرف اس حد تک ہے کہ وہ ایک مستقر ہے جہاں اللہ اور رسولؐ کا نام بلند کرنے والے رہتے ہیں۔ لیکن ایسا مستقر جہاں اللہ کی فوج رہتی ہو اور دنیا و جہان والے اُن کا نام سن کر کانپ جائیں۔ اسلام میں ایسے جغرافیائی حدود والے وطن کا کوئی تصور نہیں جس کی دھرتی کی پوجا کی جائے۔ اور وطن کو اللہ کا شریک بنا دیں۔ اور حب الوطنی کے چکر میں ایسی بدعتوں کا شکار ہو جائیں کہ اسلام کی بنیادی اصولوں سے ہی ہٹ جائیں اور علامہ فرما گئے ہیں :-

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو سیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے۔

اور پھر یوں ہمارے لئے صراطِ مستقیم کی بھی نشانہی کرتے ہیں۔

باز و ترا توحید کی توت سے قوی ہے

اسلام ترا دیس ہے تو مصطفویؐ ہے (اقبال)

بہر حال ہم حصہ اول میں بیان کر چکے ہیں کہ جناب خالدؒ اپنا شکر آدھا آدھا بانٹ چکے تھے اور جناب

مثنیٰ گو عراق کی سپہ سالاری بھی سو نپ چلے تھے۔ لیکن بنو بکر کا یہ بیٹا اور اسلام کا ایک عظیم فرزند ارجمند اللہ کی تلوارِ رضی سے الگ نہ ہونا چاہتا تھا۔ اُس کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اپنے محسن اور سپہ سالار سے اس دنیا کی زندگی میں آخری دفعہ کہاں پر بغل گیر ہو۔ قارئین! کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ ہم ابھی چند اور لمحے اسلام کے ان دو عظیم فرزندوں کے ذکرِ جمیل سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کریں۔

جناب خالدؓ نے ابھی تک یہ فیصلہ نہ کیا تھا کہ وہ شام کے لئے کونسا راستہ اختیار کریں گے حیرہ سے دریا کے ساتھ ساتھ چل کر فراض کے مقام تک سے جناب خالدؓ خود اور اُن کے لشکر کے کئی مجاہد واقف تھے اور فراض کی فتح کا ذکر پہلی کتاب کے پندرہویں باب میں ہو چکا ہے۔ فراض کے مقام سے آگے کسی رہنمائی ضرورت پڑتی۔ حیرہ سے دومۃ الجندل والا علاقہ اور راستہ بھی جناب خالدؓ اور اُن کے مجاہدین نے دیکھا ہوا تھا کہ حصہ اول کے تیرہویں باب میں دومۃ الجندل کی ہم کا ذکر ہے۔ دومۃ الجندل سے تبوک تک کا علاقہ بھی جناب خالدؓ حضور پاکؐ کی تبوک کے ہم علم کے دوران دیکھ چکے تھے۔ ان تمام راستوں کو سمجھنے کے لئے نقشہ دوم سے استفادہ کریں، تو ظاہر ہو گا کہ دومۃ الجندل والا راستہ بہت لمبا تھا اور اُس راستے سے خالدؓ کسی پیش قدمی کسی قوی اہمیت کی حامل نہ ہوتی بلکہ ایسا نظر آتا، کہ جناب خالدؓ بھی مدینہ سے ایک اور ملک والا لشکر لے آئے ہیں۔

جنرل گلب کا تجزیہ

جنرل گلب نے اپنی کتاب 'عربوں کی فتوحات' میں جناب خالدؓ کے لئے جو دومۃ الجندل والے راستے کا تعین کیا ہے، وہ دومۃ الجندل اور موتہ کے درمیان ایک قراقر کے نام کے گاؤں کی وجہ سے غلطی کر گیا ہے۔ وہ قراقر جو خالدؓ کے راستے میں آتا تھا اور نقشہ دوم میں دکھایا گیا ہے وہ حیرہ سے صرف سو یا ڈیڑھ سو میل ہے۔ اور جو قراقر جنرل گلب نے سمجھ لیا وہ حیرہ سے چار سو میل سے بھی زیادہ دور ہے پھر تمام مورخین متفق ہیں کہ جناب مثنیٰؓ، جناب خالدؓ کے ساتھ قراقر تک آئے۔ تو دومۃ الجندل سے بھی دو سو میل دور اتنا سفر جناب مثنیٰؓ جیسے کر سکتے تھے، جب عراق میں اُن کی ذمہ داری تھی۔ اوپر والا قراقر تو

عہ تفصیل کے لئے جلال مصطفیٰؓ کے صفحہ ۲۶۵ اور ۲۶۲ سے استفادہ کریں۔

میفیخ اور فراض کے درمیان تھا اور جناب مثنیٰ کی عملداری میں آتا تھا۔

اور اگر جناب خالد دومۃ الجندل والا راستہ استعمال کرتے تو وہاں سے تبوک اور موتہ کی طرف کوچ کرتے اور جنرل گلب نے جو تراقز سے شمال کی طرف جناب خالد کو سوئی اور پامریا کی طرف کوچ کر دیا وہ جبل ہولتر کے مشرقی صحرا میں تھا اور وہ اُس نے اس لئے کیا کہ خالد دمشق کے پاس سے شمال سے آکر جنوب کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ جنرل گلب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۳ پر جو نقشہ بنایا ہے اُس کا فاصلہ نو سو میل بنتے ہے۔ اور اتنا لمبا سفر کرنے کے لئے کم از کم ڈیڑھ ماہ کی مدت درکار تھی گو جنرل گلب اُس ملاقات میں رہ چکا ہے اور زمان و مکان کے بارے میں اس کے دوسرے تجزیے کافی صحیح ہیں لیکن یہاں وہ بھول گیا اور چونکہ وہ تجزیہ کی تفصیل میں نہیں جاتا تھا اس لئے یہاں غلطی ہو گئی۔

ممکن راستوں کے جائزے

فراض والا راستہ مقابلاً چھوٹا تھا۔ لیکن اس راستے سے جناب خالد ملک شام کی ایسی حدود میں داخل ہو جاتے کہ یہ معلوم کرنا مشکل ہو جاتا کہ کس جگہ کتنے دشمن کے ساتھ واسطہ پڑے گا اور دشمن کی فوجی چوکیاں کہاں کہاں ہوں گی۔ یہ سب معلوم کرنا بھی مشکل ہو جاتا۔ بہر حال جناب خالد ملک شام میں شمال ہی کی کسی سمت سے داخل ہونا چاہتے تھے، کہ اُن کے داخلے سے بھی فوجی اہمیت کی کوئی افادیت حاصل ہو جائے۔ یعنی کوچ یا حرکت کے بھی کچھ عطیات یا ثمرات مل جائیں۔ لیکن ایسے ثمرات حاصل کرنے وقت اپنے بڑے مقصد کو اتم طور پر اپنے ذہن میں رکھنا پڑتا ہے مگر اصل مقصد یہ تھا کہ تیزی سے پیش قدمی کر کے مسلمان لشکروں کی شام میں کمانڈر سنبھالنا اور اس لئے جناب خالد کسی درمیانے راستہ کی تلاش میں تھے اور کچھ اچھے کی کارروائی بھی کرنا چاہتے تھے کہ ملک شام میں دشمنوں کو بھی چیزیں کر دیں اور اپنوں کے پاس بھی ایسے وقت پہنچیں اور ایسی جگہ پر جا کر جنگ لڑیں کہ مسلمان مجاہدین خوش ہو کر نعرہ گویاں کی صلابت کر دیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی صورت میں کمک پہنچائی جس کے دیدار سے ان کی لذت شوق کے سامنے تمام علم بودے نظر آئیں۔

۵ علم کی حد سے پرے بندہ مومن کے لئے

لذت شوق بھی ہے نعمت دیدار بھی ہے (اقبال)

درمیان والا راستہ

چنانچہ جناب خالد نے حیرہ سے دریا کے ساتھ ساتھ سندھ وہیں جانے کی بجائے، ریگستان کے بیچ میں عین التمر کا رخ کیا ایرانیوں سے اپنی کارروائی یا مقصد کو چھپانا بھی مقصود تھا گو ایسا کچھ عرصہ کے لئے ہو سکتا تھا۔ بہر حال جناب مثنیٰ بھی ساتھ تھے آپ جب عین التمر پہنچے تو جناب خالد نے دومۃ الجندل والے راستہ کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔ قرہین کے لئے بہتر رہے گا کہ وہ ساتھ ہی نقشہ دوم سے استفادہ کریں جس میں تینوں راستے الگ الگ دکھائے گئے ہیں۔ درمیان والے راستے کو نمبر ایک راستہ کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ دومۃ الجندل والے کو نمبر دو کے طور پر اور فراض والے کو نمبر تین کے طور پر۔ اس سے آگے ہم زیادہ بیان درمیان والے راستہ کا ہی کریں گے کہ اللہ کی تلوار کے مصنف جنرل اکرم کے مطابق بھی جناب خالد نے درمیان والا راستہ ہی اختیار کیا۔

عین التمر سے قراقرم تک ایک ریگستانی راستہ جاتا تھا اور قراقرم سے سوئی تک آگے پانچ دن کا سفر تھا سوئی کے قریب ایک چشمہ تھا اور اُس کے بعد سفر آسان تھا۔ گو قراقرم تک اپنا مفتوحہ علاقہ تھا لیکن سوئی مہینہ تھا اور شاید اُس سال بارشیں بھی کم ہوئی تھیں۔ اور جناب خالد کسی رہنما کی تلاش میں تھے آخر قریب طے کے رافع بن عمیرہ نے درمیانی راستوں کی کچھ نشاندہی کی۔ جناب رافع نے مشورہ دیا کہ عین التمر سے سیدہ قراقرم جانے کی بجائے مینخ اور عیج القصر والا راستہ اختیار کیا جائے کہ اُس راستے میں پانی کی کوئی تکلیف نہ ہوگی اور یہ بھی چار پانچ دن کا سفر تھا اور اس طرح قراقرم پہنچ کر مکمل تیار رہی گئے ساتھ سوئی کا سفر کیا جائے کہ وہ اجاڑ اور بیابان علاقے کا سفر ہے۔ جناب مثنیٰ نے ساتھ تھے۔ ان کا دل نہ چاہتا تھا کہ اپنے عظیم رہنما سے الگ ہوں۔ پہلے مینخ یا قصر سے الگ ہونے کا ارادہ تھا لیکن آخر قراقرم تک وہ بھی ساتھ ہی رہے کہ اللہ کی تلوار اور مجاہدین کے ریگستان میں داخل ہونے کے نظارہ سے لطف اندوز ہوں۔ اور جناب مثنیٰ اشقی نے اُس قافلے کے سالار پر بھی ہوئی تھی کہ آپ اب اُن کو آخر ہی بار دیکھ رہے تھے۔

منزل راہرواں دور بھی ہے دشوار بھی ہے

کوئی ایس قافلہ میں قافلہ سالار بھی ہے۔ (اقبال ج)

ع۔ رافع بن عمیرہ اس مہم کے بعد ہماری تاریخ کا ایک درخشاں ستارہ بن گئے جو اُن کو جناب خالد کی دامادی کا شرف بھی حاصل

اسلام کے عظیم فرزندوں کی الوداعی

جناب خالدؓ اور جناب مشنیؓ یا عراق کے سارے مجاہدین نے ایک دوسرے کو کیسے الوداع کہا اس کی جھلک پہلی کتاب کے سولہویں باب میں دی جا چکی ہے۔

مجاہدین کا ایک دوسرے سے محاذ جنگ پر سے الگ ہونا، ایک ایسا بیان ہے، جس کو کسی قلم سے لکھنا کسی کے بس کی بات نہیں، ہمارے مورخین جنہوں نے سنی سنائی باتوں کے بعد تاریخیں لکھ دیں اور خود یہ نظارہ نہ دیکھا اور نہ عملی طور پر ایسے واقعات میں شرکت کی، وہ تو اس نظارہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے جناب حافظ شیرازی نے اپنے دیوان میں اور میاں محمد بخش نے تلیف الملوک میں بکبل اور پھول کی ایک کہانی لکھی ہے۔ اُس میں اس محبت اور جدائی کی شرط قدیم کا کچھ تصور باندھا ہے اور راقم کو ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کی فائر بندی کے دوران اپنے ساتھیوں سے الگ ہونے کا ایک واقعہ یاد ہے۔ تو اس مضمون کا یہاں ختم کرنا ہی بہتر ہوگا۔ کہ اس وقت زبان تنگ ہوتی ہے اور آنکھیں رواں ہوتی ہیں۔ اب آنکھوں کے رواں ہونے کی کہانی کون سمجھے۔

چنانچہ جناب خالدؓ نے قراقرم کے مقام پر اگلے پانچ دن کے سفر کی تیاری کی۔ روایت ہے کہ اونٹوں کو کچھ دن پیاسا رکھ کر ان کو خوب پانی پلا دیا۔ اور اس کے بعد ان کے ہونٹ کاٹ کر باندھ دیئے گئے، کہ وہ جگالی نہ کر سکیں۔ اور ان کی دُمیں کھول دی گئیں۔ کہتے ہیں کہ اونٹ کے پیٹ میں پانی کے لئے الگ جگہ ہوتی ہے اور اگر وہ جگالی نہ کرے اور اس کو ذبح کریں تو اُس کے پیٹ میں سے پانی الگ جگہ سے نکال سکتے ہیں۔ اور ہر پراؤ پر اہل شکر کچھ اونٹوں کو ذبح کرتے تھے۔ اور ان کے پیٹ کا پانی گھوڑوں کو پلا دیتے تھے۔

جنرل گلب کے لحاظ سے یہ طریقہ ریگستان میں اب بھی کیا جاتا ہے اور ایسا ممکن ہے لیکن اللہ کی تلوار کے مصنف جنرل اکرم کے لحاظ سے یہ ناممکن ہے کہ اونٹ کے پیٹ میں پانی کے لئے کوئی الگ جگہ ہے، ہم اس بحث کو آگے نہ بڑھائیں گے اور صرف یہ کہنے پر اکتفا کریں گے کہ کچھ اونٹوں پر پانی لا دیا ہو گا جو شام کو اتار کر کے گھوڑوں اور آدمیوں کو پلا دیتے ہوں گے۔ اور ان اونٹوں کو بھی ذبح کر کے کھا جاتے ہوں گے اور اونٹوں کو پانی نہ پلاتے ہوں گے کہ ان کے ہونٹ کسے ہوئے تھے۔ اور وہ جگالی نہ کر سکتے ہوں گے

اور وہ بغیر پانی پئے پانچ دن گزارہ کر گئے ہوں گے۔ جنرل گلپ نے اپنی عمر کا بڑا حصہ ریگستان میں بدوؤں کے ساتھ گزارہ سنا۔ اُس کے مشاہدہ کو رد کرنا بھی مشکل ہے۔

سومی کا مقام

چار دن کی اُن تھک کوشش کے بعد جناب خالد رضا کاشکر سومی سے ایک منزل پر پہنچا۔ ایک اور مجاہد جناب محرز بن حریش کو بھی علاقے کی کچھ واقفیت تھی انہوں نے مشورہ دیا تھا کہ صبح کے تارے کو اپنی دائیں طرف والے ابرو کے اوپر رکھ کر سفر شروع کیا جائے اور پھر دن کے وقت اسی سمت کے آگے نشانات مقرر کر کے سفر کرواں دوں رکھا جائے، تو ضرور سومی پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ یہی طریقہ اپنایا گیا سومی سے ایک منزل پر پہنچے تو رافع کو پانی تلاش کرنے کے لئے کہا گیا۔ اُن کی آنکھیں چندھیا چکی تھیں انہوں نے کہا کہ دوپستان نماٹیلوں کو تلاش کیا جائے۔ وہ تیلے مل گئے تو رافع جنہوں نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی تھی، کہنے لگے، کہ مجھے ادھر لے چلو۔ اور وہاں پہنچ کر کہا کہ اب ادھر ایک جھاڑی نما درخت تلاش کرو۔ جس نے کہا کہ ادھر کوئی درخت نہیں ہے۔ رافع نے کہا کہ تلاش کرو کہ ادھر سے کبھی کوئی درخت کا ٹاٹا گیا ہو اور اُس کے تنے کا کوئی حصہ موجود ہو۔

آخر بڑھی تلاش کے بعد ایک درخت کا ٹاٹا مل گیا۔ رافع نے کہا کہ مجھے ادھر لے چلو اور جب رافع اور پہنچے تو کہنے لگے یہاں سے ریت ہٹاؤ۔ پہلے ریت ہٹائی تو نیچے سے گیلی مٹی آئی لیکن زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ وہاں سے پانی فوارے کی طرح بہہ نکلا جس کو دیکھ کر تمام مجاہدین نے نعرہ تکبیر کی صدا بلند کی۔ دراصل ریت کے کسی طوفان کی وجہ سے چشمہ کے اوپر ریت کی تہ جم چکی تھی اب ریت ہٹائی گئی تو تمام اہل شکر نے خوب پانی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔ رافع نے جناب خالدؓ سے عرض کی اے سالار آج سے تیس سال پہلے میں چند سال کا بچہ تھا کہ اپنے والد کے ساتھ یہاں سے گذرا تھا۔ جناب خالدؓ نے رافعؓ کے مشاہدہ اور یادداشت کی داد دی اور اس کے لئے جناب خالدؓ سمیت تمام مجاہدین نے دعا کی۔

جناب خالدؓ کا اسلامی لشکروں کے ساتھ رابطہ

اب ایک دن کے سفر کے بعد جناب خالدؓ سرزمین شام میں داخل ہو گئے۔ ادھر باقی اسلامی

لشکر بھی یرموک کے علاقے میں بصری کے نزدیک دیر اور جابیه کے علاقوں میں پڑاؤ کئے ہوئے تھے۔ جناب خالدؓ نے ایک تیز رفتار شتر سوار کو اسلامی لشکروں کی تلاش کے لئے بھیجا تاکہ وہ جناب ابو عبیدہؓ کو خالدؓ کے لشکر کے کوچ کی سمت اور باقی حالات سے آگاہ کرے اور اس قاصد کو یہ پیغام بھی دیا کہ جناب خالدؓ مرج الراحۃ والا راستہ استعمال کریں گے اور مسلمان مجاہدان کے ساتھ رابطہ قائم کریں۔ نقشہ دوم سے ظاہر ہو گا کہ جناب خالدؓ پہلے شمال کی سمت کوچ کر رہے تھے۔ تدمیر یا قریاطین سے ان کا رخ جنوب کی طرف تبدیل ہونا تھا۔ لیکن ان کی حرکت کی شکل و صورت کو پھر بھی ایسا رہنا تھا کہ ریگستان ان کے ایک بازو پر رہے۔ وہ ملک شام کے اندر دُور دُور تک گھس جانے کا کوئی ارادہ نہ رکھتے تھے۔ پس جہاں کہیں راستہ میں دشمن ملا تو اس کا قلع قمع ضرور کیا۔

ان کی فتوحات کی خبریں دور دور تک پہنچ چکی تھیں۔ انہوں نے راستہ میں قبیلہ براء کی بستی مضیخ کو سر کیا۔ اور التمر کے مقام پر چھاپہ مارا۔ آگے راجستین، علین اور الکعب کے مقامات کو سر کیا۔ دمشق کی وادی پر غالی نگاہ ڈالی، کہ آگے مرج الراحۃ کے مقام سے انہوں نے ریگستان کی بجائے جبل ہورن یا جبل دروز کے علاقے میں داخل ہونا تھا۔ یہ خطرناک علاقہ تھا کہ وہاں سے لاؤ انکلتا تھا۔ بہر حال مرج الراحۃ سے گزرتے وقت جناب خالدؓ نے ایک اونچے مقام پر اپنے علم کو گاڑ دیا۔ بعد میں مسلمان مجاہدین جب دوسری اور تیسری بار وہاں سے گزرے تو انکو یاد تھا کہ جناب خالدؓ نے پہلی دفعہ اعلانِ مقام پر علم گاڑا تھا چونکہ جناب خالدؓ کے اس علم کا نام العقاب تھا تو جنگ کا آج بھی سَنِيْتُ الْعُقَابِ ہے۔ روایت ہے کہ وہی علم تھا جو بدر کی جنگ کے وقت جناب علی کرم اللہ وجہہ نے اٹھایا ہوا تھا۔ اس کو حضور پاکؐ کا علم بھی کہتے تھے اور اس کا رنگ سیاہ تھا۔ قرآن اولیٰ میں مسلمانوں کے جھنڈوں کے رنگ اکثر سیاہ ہی ہوتے تھے۔

جناب خالدؓ کی ٹوپی

مورخین العقاب کے علاوہ ایک سُرخ رنگ کی ٹوپی کا بھی ذکر کرتے ہیں جو جناب خالدؓ نے سرزمین شام میں داخل ہوتے وقت پہنی ہوئی تھی۔ اس میں جناب خالدؓ نے حضور پاکؐ کے سر کے ترشے ہوئے بال بٹا رکھے تھے۔ روایت ہے کہ حضور پاکؐ ایک دن بال کٹوا رہے تھے اور جو بال گرتے جاتے تھے جناب

خالدؓ اٹھائیتے تھے۔ حضورؐ پاک نے پوچھا "ابا سلیمان! ان بالوں کے کیا کردگے۔" تو خالدؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہؐ ان کو سسی کر اپنی سرکی ٹوپی میں رکھوں گا۔" حضورؐ پاکؐ مسکرا دیئے اور فرمایا "اے ابا سلیمان! جب تک یہ ٹوپی آپ کے سر پر رہے گی، آپ کو کبھی بھی کوئی شکست نہ دے سکے گا۔"

اس علم اور ٹوپی کا ذکر اس لئے ضروری تھا کہ قارئین اس پہلو کو سمجھیں کہ جناب خالدؓ سرزمین شام میں کیا کیا ہتھیار ساتھ لے کر داخل ہو رہے تھے اس ٹوپی کا مفصل ذکر تو آگے جنگ یرموک کے دوران آئے گا۔ لیکن ہم جس نکتہ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارے لئے حضورؐ پاکؐ کی غلامی ہی سبب کچھ ہے اور اور ابلیس کی ہر وقت یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہمارے عقیدوں سے حضورؐ پاکؐ کی غلامی والی بات کو ختم کر دے۔ غلامی اقبال کی مشہور نظم جس کا عنوان "ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام ہے" وہاں شیطان اپنے پیروکاروں کو یہ حکم دیتا ہے۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا

روح محمدؐ اُس کے بدن سے نکال دو۔

فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات

اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو۔"

مرج الراحة کا تصادم

جناب خالدؓ مرواں دواں تھے۔ جناب خالدؓ کا مرج الراحة کے مقام پر دشمن کے ساتھ تصادم ہو گیا جناب خالدؓ نے دشمن کو بھگا دیا۔ لیکن اُس کا تعاقب نہ کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس تصادم کو لڑائی کی شکل دے کر ایک لمبی چوڑی کہانی بنا دیا۔ اللہ کی تلوار کے مصنف جنرل اکرم نے واقعہ کے اس بیان کو دمشق کی فتح اور محاصرے سے پہلے مرج الراحة کی بجائے مرج الصفر کی جنگ کا نام دے دیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ یہ جنگ اجنادین کی فتح کے بعد اور یرموک کی پہلی جنگ کے بعد ہوئی۔ مرج کے دو مقامات ہیں۔ ایک دمشق کے شمال میں ہے، جو مرج الراحة ہے جو شاید آرام والی سایہ دار جگہ ہے اور ایک مرج الصفر ہے جو دمشق کے جنوب میں ہے جو زرد رنگ والی زمین ہے۔ مورخین نے مرج کے واقعات کے سلسلے میں اس لئے کچھ معاملات کو آپس میں ملا کر دیا ہے۔ اس لئے جنرل اکرم کے تجزیہ پر تبصرو تو ہم چھٹے باب میں اجنادین کی فتح کے بعد اُس جگہ کریں گے جہاں

پر جنرل مومون نفاں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جنرل جان گلک کے تجزیہ پر تبصرہ یہاں پر ضروری ہے۔

تبصرہ

جنرل جان گلک رٹائرڈ ہے کہ خالد نے مرجع الراحۃ کے مقام پر ایسٹر کے روز ۲۳ مئی ۱۹۴۳ عیسوی میں حملہ کیا۔ یہاں تک تو بات صحیح ہے کہ خالد مصفر پارٹیز میں ایک بارہ ہجری میں یہ کوچ کر رہے تھے اور اپریل کا مہینہ تھا۔ جس میں ایسٹر کا دن آتا ہے۔ لیکن آگے جنرل گلک لکھتا ہے، "کہ مسلمان مورخین نے خواہ مخواہ اس لڑائی کو مسلمانوں کی فتح بنا دیا۔ اگر خالد کو فتح ہوتی تو وہ عیسائیوں کا تعاقب کرتے اور مغرب کی طرف مرکز دمشق کی وادی سے تمام رومی فوج کا قلع قمع کر دیتے" جنرل گلک تعصب سے ایسا اندھا ہوا کہ اس تجزیہ میں اپنی فوجی ذہانت بھی کھو بیٹھا۔ جناب خالد کے سامنے ایک مقصد تھا کہ وہ جلد سے جلد مسلمان مجاہدین کی کمانڈ سنبھال لیں اور اسے میں جو ثمرات ملتے جائیں وہ بھی حاصل کرتے جائیں۔ وہ مغرب کی طرف پیش قدمی کر کے اپنا وقت کیوں ضائع کرتے۔ اس لئے ہم اپنے پہلے بیان پر قائم ہیں، کہ معمولی تعداد ہوا اور جناب خالد نے مرجع الراحۃ کے مقام پر دشمن پر دباؤ ڈالا اور اس کے بعد اپنے اصلی مقصد کے لئے روالہ واپس ہو گئے۔

جناب ابو عبیدہ کا ردِ عمل یا کارروائی

جب جناب ابو عبیدہ کو خبر ملی کہ جناب خالد کس طرف سے پیش قدمی کر رہے ہیں تو انہوں نے بھی شمال کی طرف چار ہزار کا ایک لشکر روانہ کیا کہ وہ جناب خالد کے ساتھ رابطہ قائم کریں۔ گو مسلمانوں کا یہاں طرف آگے بڑھ کر مقامات فتح کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا، لیکن جناب خالد کی اس سمت سے پیش قدمی کو طاقت بہم پہنچانا ضروری تھا۔ یہ ایک فوجی عمل ہوتا ہے، جو ہر سطح پر رابطے کے لئے کرنا ضروری ہوتا ہے۔ راقم نے اس عمل کو دوسری جنگ عظیم کے آخری دنوں میں ہر سطح پر دیکھا کہ ایسا کرنے سے بڑے اہم نتائج نکلتے ہیں۔

جن مورخین یا مبصرین نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جب جناب خالد بصری پہنچے اور وہاں پر جناب شرجیل رضی اللہ عنہما کا لشکر، بصری کے لشکر کے ساتھ اُلجھا ہوا تھا اور جناب خالد نے یہ بات پسند نہ کی اور کہا کہ وہ کیسے کمانڈر ہیں کہ دشمن کے حالات کو جانے بغیر خواہ مخواہ اپنی نفری کو اُلجھا دیتے ہیں، تو یہ سب تجزیے اور بیانات ان مبصرین کے اپنے ذہن کی اختراع ہیں۔ جناب شرجیل رضی اللہ عنہما کو چار ہزار کی نفری کے ساتھ جناب ابو عبیدہ نے بھیجا

تھا۔ جب جناب شرجیل بصری پہنچے تو وہاں پر کافی دشمن موجود تھا اس لئے انہوں نے دشمن پر نظر رکھی۔ اور چند دیکھنے والے دستے مزید آگے بھیج دیئے کہ جناب خالدؓ کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کریں۔ دشمن کی تعداد تو کافی زیادہ تھی لیکن وہ کچھ ڈبک گئے اور انہوں نے قلعہ بند ہونا پسند کیا۔ لیکن ایک آدھ دن کے بعد جب ان کو پتہ چلا کہ مسلمانوں کی نفری کم ہے تو انہوں نے قلعہ سے باہر نکل کر جناب شرجیلؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ جناب خالدؓ کو یہ خبر مل چکی تھی وہ بھی آکر جنگ میں شریک ہو گئے۔

مسلمان سپہ ساروں کی فراست کی غیر متعصب انسان داد دینے بغیر نہ رہ سکے گا اور ہم گنہگاروں پر تو یہ سب کچھ پڑھ کر رقت طاری ہو جاتی ہے کہ اتنے دور دراز اور اتنے لمبے سفر کے باوجود مسلمان مجاہدین کے لشکر کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ قائم کر لیتے تھے۔ جن لوگوں نے جنگ میں حصہ لیا ہو ان کو معلوم ہے کہ محاذ جنگ یا میدان جنگ میں باہمی رابطہ قائم رکھنا ایک بڑا مشکل عمل ہوتا ہے۔ اور یہاں تو یہ حالت تھی کہ جناب خالدؓ کے بصری پہنچنے کے دوسرے دن جناب امین الامت حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح ایک گھوڑے پر سوار، وہ علم اٹھائے ہوئے میدان جنگ میں داخل ہوئے جو حضور پاکؐ نے جناب علی المرتضیٰؓ کو خیبر کے مقام پر عطا کیا تھا۔ اس کا رنگ زرد تھا۔

ان مختصر بیانات کی وضاحت ضروری ہے۔ ہم صرف قارئین کی توجہ اس طرف دلانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے یہ دو عظیم سپہ سالار جب ایک دوسرے سے محاذ جنگ اور میدان جنگ میں ملتے ہیں تو دونوں کے پاس وہ علم تھے جو حضور پاکؐ نے جناب علی المرتضیٰؓ کو عطا کئے تھے۔ اس سے حضور پاکؐ کی غلامی اور جناب علیؓ کے شان دالی بات کو یاد رکھنا چاہیے۔ اور یہ بھی کہ رابطہ کا نظام کتنا بلند ترین تھا۔ چنانچہ ہم سب واقعات کو تسلسل سے بیان کرتے ہیں۔

بصری کی لڑائی

تینوں اسلامی لشکر جناب ابو عبیدہؓ کی عملداری میں جابہ اور دریائے یرموک کے درمیان فروکش تھے مسلمانوں کو جناب خالدؓ کا انتظار تھا جب سوئی سے جناب خالدؓ کا تیز رفتار قاصد مسلمان لشکروں کو تلاش کر کے جناب ابو عبیدہؓ کے پاس پہنچا اور جناب خالدؓ کے راستے کی نشاندہی کی اور جیسا کہ نقشہ دوم سے ظاہر ہے کہ جناب خالدؓ اوپر سے چکر لگا کر آرہے تھے اور قاصد چھوٹے راستے سے جلدی یرموک کی وادی میں پہنچ گیا۔ تو جناب

ابو عبیدہ ذرا فکر مند ہوئے کہ دوسرے مقامات کے علاوہ مرجع الراحة سے آگے بصری کی مضبوط سرحد ہی چھاونی تھی اور رومیوں کی کسی فوجی چوکیاں تھیں۔ جناب خالد کو یہی راستہ اختیار کرنا تھا کہ جبل برون یا جبل اللہ کے مشرق میں ریگستان تھا جس میں سفر بہت مشکل تھا۔ سخت گرمی کا موسم تھا پہاڑ سے لاوا بھی بہہ نکلتا تھا۔ چنانچہ جناب ابو عبیدہ نے جناب شرجیلؓ کو چار ہزار کے لشکر کے ساتھ بصری کی طرف روانہ کر دیا۔ اس قلعہ میں رومیوں کی فوج کی تعداد بارہ ہزار بتائی جاتی ہے۔ انہوں نے اسلامی لشکر کو دیکھ کر قلعہ بند ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اُن کا خیال تھا کہ دستہ کسی بڑی فوج کا ہر اول یا جیش المقدم ہے۔ جناب شرجیلؓ نے کچھ سوار آگے دوڑائے اور اپنے عمل کو قلعہ کے علاقہ کی دیکھ دیکھال کی کارروائی تک محدود رکھا، کہ وہ محاصرہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ رومی لشکر نے جب اسلامی لشکر کی یہ خاموشی دیکھی اور مسلمانوں کی نفرتی بھی کم تھی، تو رومی قلعہ سے باہر آگئے اور مسلمانوں کے ساتھ بات چیت شروع کر دی جناب شرجیلؓ نے مسلمانوں کی وہی مشہور تین شرطیں دہرائیں۔ رومی حیران فرور ہوئے لیکن مسلمانوں کی کم نفرتی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

جناب شرجیلؓ کے لئے یہ کوئی رات نہ تھی۔ اپنے سے تین یا چار گنا دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنا اُن کے لئے نام بات تھی۔ ایک طرف جناب خالدؓ کی آمد متوقع تھی۔ دوسری طرف اپنے لشکر بھی نزدیک تھے۔ اس لئے انہوں نے رومیوں کا بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا اور اسی دوران جناب خالدؓ کا لشکر بھی پہنچ گیا جناب خالدؓ خود اور خلیفہ اول کے فرزند جناب عبدالرحمنؓ و تلواریں لہراتے ہوئے نعرہ تکبیر کی صدا لگا رہے تھے اور لشکر کے آگے تھے۔ جناب شرجیلؓ کے لشکر کے لئے ایک معجزہ والی بات ضرور تھی اور انہوں نے جواب میں جو نعرہ تکبیر کی صدا دی تو رومی فرار ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ میدان جنگ میں ایک آدمی کی امداد کا بھی بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں حصہ اول کے بائیسویں باب میں جنگ قادسیہ میں امداد سے جو فرق پڑا وہ وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

جناب خالدؓ کے لشکر کی تعداد تقریباً نو ہزار تھی۔ جناب شرجیلؓ کے چار ہزار مجاہدین شامل کر کے مسلمانوں کی نفرتی کوئی تیرہ ہزار بنی اور دوسرے دن رومیوں نے جو نگاہ دوڑائی تو انہوں نے اندازہ لگایا کہ لشکروں کی نفرتی میں توازن ہے اس لئے وہ باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے۔ جناب خالدؓ اب دونوں لشکروں کی کماند سنبھال چکے تھے۔ انہوں نے میمنہ پر رافعؓ، عمیرہ اور میسرہ پر ضرارؓ بن ازور کو مقرر کیا۔ جناب علیؓ

جیش المقدم پر تھے۔ گرمی کی وجہ سے جناب فرار کرنے اپنا خود اتار دیا اور ننگے بدن دشمن پر اس طرح حملہ آور ہوئے کہ دشمن کے کشتوں کے پستے لگ گئے اس کے بعد آئندہ شام کی جنگوں میں ان کے نام سے ہی رومیوں کو ہیبت آجاتی تھی۔ اور کوئی ان کو ننگا دیکھتا تھا اور کوئی ننگا جن یا پہلوان۔ آپ وزن میں کوئی بھاری سہکم نہ تھے بلکہ آپ کا بدن چھریا اور پھرتیلا تھا۔ اس لئے اہل روم اپنی زبان میں جو لفظ استعمال کرتے تھے اُس کا صحیح ترجمہ مشکل ہے لیکن اُن کا مطلب یہ ہوتا تھا۔ آفتِ ناگہانی یا ناگہانی بلا آگئی۔ بہر حال رومی گھبرا گئے تھے کہ اتنے میں جنوب سے ایک دستہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار جناب ابو عبیدہؓ بھی پہنچ گئے ان کی آمد کے نظارے مسلمانوں کی خوشی کی لہر اور جناب امین الامتؓ اور اور اللہ کی تلوار کی ملاقات نے اسلامی لشکر میں جو تاثر پیدا کیا اس کو بیان کرنے کی کسی قلم میں طاقت نہیں یہ کہہ سکتے ہیں کہ رومی سکتے میں آگئے اور بھاگ کر قلعہ بند ہو گئے بلکہ دوسرے دن جزیہ دینے پر بھی تیار ہو گئے اور مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو بصری فتح کرنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی اور اگر رومی صلح نہ کرتے تو بھی مسلمان محاصرہ اٹھا کر چل پڑتے۔ کہ ان کے سامنے اُس وقت ایک اور بڑا مقصد تھا۔ لیکن جو ثمرات مل گئے وہ انہوں نے حاصل کر لئے۔ یہ جمادی الاول تیرہ ہجری کا واقعہ ہے اور جناب خالدؓ کے عراق کو چھوڑنے کے بعد جناب مثنیٰ بن عمارؓ ان دنوں ایران کے ساتھ بابل کے مقام پر برسرِ پیکار تھے جس کا ذکر حصہ اول کے سترھویں باب میں ہو چکا ہے۔

واقعی کی لفاظی

طبری نے بصری کی جنگ کو بہت مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے کہ یہ ایک تصادم تھا۔ واقعی نے البتہ اس لڑائی کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور کچھ لفاظی پکڑ میں بھی آگیا۔ واقعی پر اعتراضات کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اُس کی کوشش ہوتی ہے کہ واقعات کو نطف انگیز طریقے سے بیان کرے اور اُس میں الفاظ کے تراؤ اور چڑھاؤ کا سہارا لیتا ہے۔ بے شک حسن بیان کے لئے ایسا کر لینا ٹھیک ہے لیکن اس تراؤ چڑھاؤ سے واقعات کا رنگ تبدیل ہو۔ یہاں پر واقعی لکھتا ہے کہ خالدؓ کے آنے کی خبر سن کر جناب ابو عبیدہؓ نے جناب شرحبیلؓ کو بصری بھیج دیا، کہ فتوحات حاصل کرنا چاہتے تھے اور شرحبیلؓ بصری کی لڑائی میں لگ گئے جناب خالدؓ جو اُدھر سے آ رہے تھے انہیں بصری سے ایک میل دور لڑائی کی بھنگ پڑ گئی اور وہ لڑائی میں شرکت کے لئے ادھر ہی تیار ہو گئے۔ اور جب میدانِ جنگ میں پہنچے تو جناب شرحبیلؓ سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بصری ایک

اہم چھاؤنی ہے اور اس کا رومی کمانڈر ایک بڑا بہادر آدمی ہے اور تم تھوڑی نفری کے ساتھ اس کے مقابلے پر
کیوں لگ گئے؟

جناب شرجیل نے کہا: جناب ابو عبیدہ کے حکم سے۔

جناب خالد نے کہا: جناب ابو عبیدہ بڑے اونچے کردار کے مالک ہیں۔ لیکن وہ لڑائی کی حکمت عملیوں
کو نہیں سمجھتے۔

تبصرہ

ہم نے اس جنگ کی سیدھی سادی کہانی پہلے لکھ دی اور واقعی کی لفاظی کا سہارا نہ لیا کہ قارئین دونوں
بیانوں کی طرز کا موازنہ کریں۔ خالی یہی نہیں، بلکہ واقعی اپنے بیان میں جب آگے چلتا ہے اور جناب خالد
اور جناب ابو عبیدہ کی ملاقات کرتا ہے تو جو لفظ جناب خالد رضی، جناب ابو عبیدہ کے سامنے عرض کرتے ہیں وہی
لفظ اس اوپر والے بیان کی تردید کے لئے کافی تھے۔ لیکن تاریخ کے با مقصد مطالعہ اور غلط اضافوں کو رد
کر کے صاف ستھری تاریخ پیش کرنے کے مقصد کو مدنظر رکھ کر ہم یہ تبصرہ کر رہے ہیں۔ اور افسوس ان مبصرین
اور مورخین پر آتا ہے جنہوں نے واقعی کے الفاظ کے ساتھ چند اور اہم صفت کا اضافہ کر کے عظیم صحابہ کی
بے ادبی کی "اول تو جناب ابو عبیدہ اور جناب شرجیل بصری کے حالات کو جناب خالد رضی سے زیادہ بہتر سمجھتے تھے
کہ وہ ایک ماہ سے بصری سے ایک منزل پر بیٹھے تھے۔ تو یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ جناب خالد رضی نے اس سلسلے
میں ان سے کوئی سوال کیا ہو اور جو کچھ دراصل ہوا اس کو ہم آسان فوجی لفظوں میں بیان کر چکے ہیں، کہ جناب
شرجیل، جناب خالد رضی کے کوچ اور آمد کو طاقت سے دے رہے تھے۔ اور یہ لفاظی ہے، کہ جناب خالد رضی کو اچانک
جنگ کی بو آگئی۔ دونوں طرف سے اعلیٰ پیمانے کا رابطہ تھا، اور جناب خالد رضی کو حالات سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ پھر
جناب خالد رضی کا جناب شرجیل رضی کے ساتھ طرز گفتگو اس قسم کا نہیں ہو سکتا۔ جناب شرجیل رضی عمر میں جناب خالد
رضی سے بڑے تھے۔ پھر وہ اولین اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ انہوں نے ابی سنیاء میں بھی ہجرت کی تھی اور کاتب
وحی بھی تھے۔ ان کے لئے جناب خالد رضی ایسے لفظ استعمال نہ کرتے اور نہ ایسے لفظوں کے استعمال کی ضرورت تھی
جہاں تک امین الامت رضی کی شان کا تعلق ہے وہ خالد رضی کے الفاظ میں واقعی ہی کے حوالے سے قارئین خود
پڑھ لیتا۔

جناب ابو عبیدہ اور جناب خالد کی ملاقات

جناب ابو عبیدہ بڑے وحیہ تھے۔ اور آپ کا پر نور چہرہ ہر دیکھنے والے کو متاثر کرتا تھا۔ خاص کر ہلکی سی مسکراہٹ ہر وقت آپ کے چہرہ مبارک پر چھائی رہتی تھی اور وہ آپ کے جمال کو دو بالا کر دیتی تھی۔ جنگ احد میں حضور پاک کے بدن مبارک میں خود کے ٹکڑے چلے گئے تھے۔ آپ نے حضور پاک کے بدن مبارک سے لوبے کے ٹکڑے اپنے دانتوں سے کھینچ کر نکالے جس سے آپ کے سامنے والے دانت کچھ ٹوٹ گئے اور حضور پاک کا خون مبارک آپ کے بدن میں چلا گیا۔ اُس گھڑی کے بعد اور خاص کر حضور پاک کی وفات کے بعد لوگوں کی یہ خواہش رہتی تھی کہ جناب ابو عبیدہ مسکرائیں تاکہ لوگ اُن کے دانتوں کی زیارت کر سکیں جو حضور پاک کے بدن مبارک کو چھو چکے تھے۔ ویسے جناب ابو عبیدہ سراسر جمال ہی جمال تھے۔ نہ کبھی چہرہ مبارک پر غصہ کے آثار ہوتے اور نہ کوئی سخت کلمہ کبھی آپ کی زبان سے نکلتا تھا۔ آپ کا نام امیر تھا اور والد کا نام عبداللہ تھا۔ عربوں میں اکیلا لفظ امیر کسی حاکم یا امام کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اور اگر کسی کا نام امیر ہوتا تو اُس کے نام کے ساتھ اُس کے والد کا نام یا کوئی اور نام لگا دیتے۔ اس لئے جو اتنی میں لوگ آپ کو امیر عبداللہ کہہ کر پکارتے تھے۔ اور یہ نام عربوں میں عام ہو گیا، زیادہ سینہ بر سینہ چلتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ قریش اور علوی قبائل جب کوہستان نمک اور ضلع میانوالی میں آکر آباد ہوئے تو اُن علاقوں میں اکثر لوگوں کا نام امیر عبداللہ رکھا جاتا ہے اہل قلم نے البتہ آپ کو ابو عبیدہ بن جراح ہی کے نام سے لکھا۔

جناب خالد بھی بڑی قد اور شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے خود پہنا ہوا تھا۔ تلوار پیٹی کے ساتھ لنگ ربی تھی۔ اور سُرخ پگڑی کے نیچے وہ ٹوپی بھی پہن رکھی تھی جس میں حضور پاک کے بال مبارک سلے ہوئے تھے۔ آپ کے چہرے پر چھپک کے چھوٹے چھوٹے داغ تھے۔ اور چہرے پر پسینے کے قطرے اس طرح دکھائی دے رہے تھے جیسے موتی جڑ دیئے گئے ہوں آپ کے ہاتھ میں حضور پاک کا عطا کردہ علم العقاب تھا اور میدان جنگ میں کھڑے جائزہ لے رہے تھے کہ اتنے میں جناب ابو عبیدہ آتے دکھائی دیئے ان کے ہاتھ میں حضور پاک کا عطا کردہ زرد علم تھا۔ جو خیبر کی فتح کا نشان تھا۔ آپ گھوڑے پر سوار تھے اور جناب خالدؓ کو دیکھ کر مسکرا دیئے۔ پھر گھوڑے سے نیچے اُترے۔ تو اسلام کے یہ دونوں عظیم فرزند آپس میں بنگلیہ ہو گئے۔ اور پھر جناب ابو عبیدہ یوں گویا ہوئے۔ اے ابا سلیمان! مجھے خلیفہ اول کا خط مل چکا ہے، جس میں انہوں نے آپ کو مجھ پر امیر مقرر

کیا ہے۔ میرے لئے یہ بڑی خوشی کی بات ہے اور میں آپ کی حربی خوبیوں سے بھی آگاہ ہوں۔

جناب خالدؓ نے فرمایا: "اے امین الامت میں بھی حضور پاکؐ کے اصحاب میں سے ضرور ہوں۔ لیکن آپ کی شان ساری امت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نرالی ہے کیونکہ آپؐ جیسا اور کوئی نہیں۔ امین کا لفظ ہم آواز نے صرف آپؐ کے لئے استعمال کیا۔ خدا کی قسم! مجھے آپؐ پر امیر ہوتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی ہے لیکن یہ خلیفہ اول کا حکم ہے کہ میں انکار نہ کر سکا۔ اب تاریخ خود ہی فیصلہ کریں کہ واقعی اور ہمارا مبصر کہاں تک صحیح ہیں۔ یعنی کیا جو پہلے لکھا گیا وہ صحیح ہو سکتا ہے؟

تبصرہ

جناب صدیق اکبرؓ کے دور میں عراق و ایران کی فتوحات کی حکمت عملی کے تانے بانے شام و فلسطین کی فتوحات کی حکمت عملی کے ساتھ آگر وادی یرموک میں مل گئے۔ تمام تر تجاویز ایک دوسرے میں شیردشکر ہوئیں۔ اس لئے اگر اس کارروائی کو یرموک کی پہلی فتح کا نام بھی دے دیں تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ یہاں پر البتہ مسلمان سالاروں کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آئندہ کا طریق کار کیا ہوگا یعنی دیر سے مغرب کی طرف پیش قدمی کر کے فلسطین کو تاخت و تاراج کریں۔ اور وقتی طور پر وہ ایسا کر سکتے تھے۔ اس سے اہل روم کے اس لشکر کی کچھ ناکہ بندی بھی ہو جاتی تھی جو اجنادین کے قریب اکٹھا ہو رہا تھا۔ لیکن ایسی کارروائی میں سمندر کے تمام راستوں کو مسدود کرنے کے لئے بہت زیادہ نفری کی ضرورت تھی کہ ہر بندرگاہ پر چھاؤنی بنائی جاتی، جگہ جگہ فوجی چوکیاں قائم کرنا پڑتیں اور یہ کارروائی مسلمانوں کو ساکن کر دیتی یا انفعالی دفاع کی کارروائی پر مجبور کر دیتی۔ مسلمانوں کا طرز جنگ یہ تھا کہ وہ مستحکم رہنا چاہتے تھے اور اپنے دوست لگتا کے نزدیک رہ کر کارروائیاں کرتے تھے۔ لیکن فلسطین میں ریگستان ایسی خدمت کرنے کے لئے قابل نہ تھا۔ چنانچہ ان کی خواہش تھی کہ کسی اپنی مرضی کی جگہ پر زیادہ سے زیادہ دشمن کو تہس نہس کر سکیں۔ اجنادین کے مقام پر کافی زیادہ رومی فوج اکٹھی ہو رہی تھی اس کے محل وقوع کا اگر نقشہ سوم سے مطالعہ کیا جائے تو مسلمانوں کے رد عمل اور رومی تجویز بہتر طور پر سمجھ میں آ سکتی ہے۔ حکمت عملی اور تدبیرات کے لحاظ سے اہل روم نے اہل ایران کی نسبت زیادہ فراست دکھائی تھی ایران والوں کے لئے سردھڑکی بازی والی بات ضرور تھی۔ لیکن حکمت عملی اور تدبیرات میں انہوں نے کسی دانائی کا مظاہرہ نہ کیا تھا اور اسی وجہ سے اپنے

ایک مبصر سے ہم اپنا اختلاف پہلی کتاب میں بیان کر آئے ہیں۔

اہل روم کی تجویز

ہر قتل کافی عمر کا آدمی تھا اور ایران کے بادشاہ یزدجرد کے دادا خسرو پرویز کے ساتھ بھی لڑائیاں لڑ چکا تھا۔ ایرانی فوج جب قسطنطنیہ کے محاصرہ کے لئے پرتقل ہی تھی اور اناطولیہ میں رومیوں کو کسی مقام پر شکست دے چکی تھی تو ہر قتل نے ایک طرف سے نکل کر لہا چکر لگایا اور ایران کے دار الحکومت کا محاصرہ کر لیا۔ ایران والے ساری فوج اناطولیہ لے گئے تھے اور اس طرح ہر قتل نے جنگ کا پانسہ تبدیل کر دیا تھا اور اہل ایران پر اپنی مرضی کی صلح ٹھونس دی تھی۔ اُس کی باقاعدہ فوج میں ایشیا کی تمام قوموں کے علاوہ یورپ کی متعدد قوموں کے لوگ موجود تھے۔ اس کی فوج بڑی تربیت یافتہ اور منظم فوج تھی۔ اور اسے جم کر لڑنے کی بہت مہارت حاصل تھی۔ پیدل فوج کی ہر سیکشن کے ساتھ انتظامی ضروریات کے لئے ایک بیل گاڑی ہوتی تھی جس کو ہم آجکل ایف ایچ ایلان ٹرک کہتے ہیں۔ اس گاڑی میں گینتی بیلچہ، فاضل ہتھیار، بستر اور خوراک کا سامان ہوتا تھا۔ سپاہیوں کے لئے اعلیٰ خوراک کا بندوبست تھا۔ اور شام و فلسطین کے زرخیز علاقوں میں سب کچھ میسر تھا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، مسلمانوں کی پیش قدمی کے خلاف ہر قتل کا رد عمل بڑا اچھا تھا۔ فلسطین کو مرکز بنا کر وہ اجنادین کے مقام پر جناب عمرو بن عاص کے لشکر کو ختم کر کے ایلہ سے مشرق کی طرف اپنے لشکروں کو پھیلا دینا چاہتا تھا، تاکہ یرموک کی وادی میں پہنچے ہوئے اسلامی لشکروں کی ناکہ بندی ہو جائے طبری کے مطابق وہ خود حصن میں موجود تھا اور پہلے مرحلے میں اوپر بیان شدہ کارروائی کے بعد وہ شمال سے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو شام میں بھی شکستِ فاش دینے کی تجویز بنا رہا تھا۔ اُس نے عمرو بن عاص کے مقابلے کے لئے اپنے بھائی مذارق کے ماتحت نوے ہزار فوج بھیجی۔ بالائی فلسطین میں فیتار بن مسطور کے پاس ساٹھ ہزار فوج موجود تھی اس کے علاوہ، جرجہ، دردن اور قبوقلا کے ساتھ بھی کسی کسی ہزار فوجی موجود تھے۔ جھاڑنیوں اور فوجی چوکوں میں فوجیں الگ تھیں۔ اور ہر قتل خود باہان کے ساتھ شمالی شام میں بیٹھ کر ایک اور بہت بڑا لشکر تیار کر رہا تھا۔

مسلمانوں کی تجویز

ان حالات میں مسلمانوں کے لئے صرف ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا کہ وہ اہم مقامات پر قبضہ رکھنے کی بجائے اہل روم کی فوجی طاقت کو تہس نہس کر دیں اور ایسا کرنے کے لئے ان کو خود ایک مسمیٰ میں ہونا تھا تاکہ جہاں کہیں اہل روم کی زیادہ سے زیادہ فوج کسی اپنی مرضی کے مقام پر مل سکے اُس کو اپنے سیکھے ہوئے طریقے کے ساتھ ملیا میٹ کر دیا جائے۔ مسلمانوں کے پاس سب سے بڑی قوت اُن کا فلسفہ حیات تھا اور اُس قوت کو متحرک کر کے وہ اپنی مرضی کے وقت اور اپنی مرضی کی زمین پر دشمن پر پل پڑتے تھے۔ اُن کی کوئی بندوبستی ذمہ نہ ہوتی تھی۔ وہ تین چاروں طرف کھجوروں اور پانی پر گزارہ کر سکتے تھے۔ وہ تیروں کا بھی کم سے کم صرف ضرورت کے تحت نہایت کفایت شعاری سے استعمال کرتے تھے۔ زیادہ کام وہ تلواروں اور نیزوں اور جھنڈے پلٹنے سے لیتے تھے۔

”جھنڈا، پلٹنا، جھپٹ کر پلٹنا، لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ“

ان حالات میں مسلمانوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اہل روم کے ساتھ اجنادین کے علاقے میں دو دو ہاتھ ہو جائیں اور اس کارروائی کے لئے وہ آگے بڑھے

نتائج و اسباق

جو تیاری بیان کی گئی ہے، اس کا نتیجہ اجنادین کی جنگ کی شکل و صورت میں نکلا، خلیفہ اول کی حکمت عملی کا بھرپور بیان ہو چکا ہے اور جناب خالد رضی اللہ عنہ نے بلاد عراق سے آکر بلاد شام میں کمانڈ سنبھال کر مسلمان مجاہدین کے دل میں اور زیادہ ولولہ پیدا کر دیا۔

۱۔ اس باب میں ہمارے لئے متعدد اسباق بھی ہیں۔ جناب خالد رضی اللہ عنہ کی جناب شہنشاہ سے الوداعی اور جناب ابو عبیدہ سے ملاقات کے حالات ہمارے ایمان کو تازہ کرتے ہیں۔

۲۔ جناب خالد رضی اللہ عنہ کا کوچ اور راستے کا چناؤ، اور پھر سفر کا طریقہ، یہ دنیا کی عسکری تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ غیر ملکی فوجی مبصر اور ماہرین اس کارروائی کو نظر انداز نہیں کر سکے، اور عسکری تاریخ کے طلباء علم ان تمام کارروائیوں میں گہرے غوطے لگاتے ہیں، مسلمان امرا کا پہلے ہی سے یہ طریقہ تھا کہ اپنے سپہ سالار

کو اپنی عملداری کے آخری مقام یا فوجی چوکی پر الوداع کہتے تھے۔ جس کو دنیا نے بعد میں نقل کر کے اپنا یا
جانشینی رضاکا قراقر کے مقام تک جا کر اپنے محسن کو الوداع کہنا ایک روایتی مثال ہے جس کو بعد میں مسلمانوں نے اپنا یا
اور ہماری فوجی زندگی کا یہ طریق کار ایک حصہ بن گیا۔

۳۔ جناب خالد کی حکمت عملی اور تدبیرات کی ملاوٹ اور اس کوچ سے بھی ثمرات اور عطیات حاصل کئے
گئے جن کے بارے میں یورپ کے مبصر بے خبر تھے اور ایسے عطیات کا ذکر یورپ میں، کلاسوٹز نے انیسویں صدی
میں جا کر کیا ہے، کہ ہر پیش قدمی یا فتح کے عطیات وصول کرنے سے فوجی عمل کو قوت حاصل ہو جاتی ہے۔
ہم جناب ابوبکرؓ کی حکمت عملی۔ زمان و مکان کا صحیح حساب، ریگستان میں سفرتاروں کی مدد سے چلنا، رہنمائی
کے طریق کار، پیاس اور مشقت، آپس میں رابطہ۔ ایک دوسرے کی بروقت خبر۔ ان تمام باتوں پر اگر دھیان دیا
جائے تو پھر یہ ظاہر ہو گا کہ مسلمانوں نے دنیا کو آسانی کے ساتھ فتح نہ کیا تھا۔

۵۔ دراصل فلسفہ اور نظریہ تو ہمارے پاس موجود ہیں۔ خطابت کا بھی زور ہے علم الکلام کے ماہر بھی ہمارے
درمیان موجود ہیں۔ لیکن ہم فلسفہ لکھتے ہیں۔ اصول لکھتے ہیں اور انہی چیزوں پر باتیں کرتے ہیں۔ عمل نہیں لکھتے
اور نہ ہمیں پتہ ہے کہ اجتماعی طور پر عمل کیسے کیا جائے۔ کلاسوٹز اور باقی فوجی مبصرین میں بھی یہی فرق ہے کہ دوسرے
لوگ فلسفہ یا اصول لکھتے رہے اور کلاسوٹز نے عمل لکھا تو جرمن قوم کو ایک فوجی قوم بنا دیا۔ ہم گنہگاروں کو بھی عمل
لکھنے والوں کی ضرورت ہے۔

پہلو تھا باب

جنگ اجنادین (نقشہ سوم)

حضرت عمرؓ بن عاص وادی عربات میں موجود تھے۔ وہ دشمن پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ لیکن آگے
پیش قدمی نہ کر رہے تھے۔ انہوں نے ریگستان کو اپنے پیچھے رکھا ہوا تھا۔ اگر وہ زرخیز اور آباد علاقوں میں
آگے بڑھ جاتے تو ان کے ساتھ یا آٹھ ہزار کا لشکر رومیوں کے اسی یا نوے ہزار ڈی دل لشکر کا ترنوا رہن
جاتا۔ وادی یرموک میں چار مسلمان سپہ سالاروں کے ماتحت کوئی تیس ہزار کے قریب مجاہدین ہوں گے۔
نو ہزار جناب خالدؓ کے ساتھ تھے۔ اور باقی تین سپہ سالاروں میں سے ہر ایک کے ساتھ سات یا آٹھ ہزار کا
لشکر تھا اور حضرت عمرؓ بن عاص کے لشکر کو شامل کر کے مسلمانوں کی کل نفری سینتیس ہزار سے چالیس ہزار کے
لگ بھگ تھی، ہمارے اکثر مورخین نے تمام مسلمانوں کی تعداد کوئی پینتیس ہزار کے قریب بتائی ہے، لیکن
جس طرح ریگستانی علاقے سے آگے بڑھ کر زرخیز علاقوں میں پیش قدمی کر کے مسلمانوں نے دشمن پر سیدھے طور
پر دھاوا کر دیا تو اس سے ہم یہ جائزہ پیش کرنے میں حق بجانب ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد کافی تھی، اور وہ
دشمن سے آدھے ضرور ہوں گے۔

کوچ کا راستہ

پرانے زمانے کے مورخ اس سلسلے میں غماش میں ہیں، کہ اسلامی لشکر نے وادی یرموک سے اجنادین جانے
کے لئے کونسا راستہ استعمال کیا جناب خالدؓ کی آمد کے بعد ہم سب لشکروں کو اب ایک لشکر ہی کہیں گے اور اب
کام اب ایک سپہ سالار عظیم کے حکم پر ہو رہے تھے۔ اس زمانے کے دو مبصروں نے زمین کے مطالعہ کے بعد
لشکر کے کوچ کے دو الگ الگ راستوں کی نشاندہی کی ہے۔ ایک جنرل گلب ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا کافی حصہ
اس علاقے میں گزارا۔ اور دوسرے جنرل اکرم ہیں جو ان جنگوں کا مطالعہ کرتے کیلئے
ان علاقوں میں گئے۔ چنانچہ اللہ کی تلوار کے مصنف جنرل اکرم کا خیال ہے کہ اسلامی لشکر نے شاید یرموک سے
جہش ہو کر جرشودا را راستہ استعمال کیا اور دریائے اردن کو بحیرہ مردار کے اوپر کسی جگہ سے پار کیا۔ آگے بت القدر
سے کنانی کرتے ہوئے جو وہ کی پہاڑیوں سے گزر کر جنوب کی طرف رخ کیا اور کافی نیچے جا کر مغرب کی طرف ہرشیب
اور یعنی شمال ہی کو مڑ گئے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر اسلامی لشکر بحیرہ مردار کے جنوب سے گذرنا تو ہرشیب

سنے میں آتا تھا اور وہاں سے وہ جناب عمرو بن عاص کو بھی ساتھ لے لیتے۔ چونکہ عمرو بن عاص اجنادین کے میدان
 باقی اسلامی لشکر سے ایک دن بعد پہنچے تو ظاہر ہے کہ انکو خبر دے کر منگوا یا گیا اگر جنرل اکرم کے تجزیہ کی بنیاد جناب عمرو بن عاص
 کے بعد پہنچنے کو ہی بتائیں تو پھر بھی بات نہیں بنتی۔ اجنادین سے ہر شہید پچیس میل دور ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے
 اجنادین پہنچنے کے بعد جناب عمرو بن عاص کو منگوا یا گیا تو پھر ان کو تیسرے دن پہنچنا چاہیے تھا کہ ایک دن کا
 جانے میں خرچ ہوا اور ایک دن لشکر کے کوچ میں۔ جنرل اکرم کے تجزیہ کے مطابق بھی نقشہ سوم پر نشان
 لگادیئے گئے ہیں۔

جنرل گلب کا تجزیہ

جنرل گلب کا خیال ہے کہ مسلمانوں نے بحیرہ مردار کے جنوب سے گذر کر اجنادین کی طرف پیش قدمی کی لیکن
 جنرل گلب نے اپنی کتاب کے ایک نقشے میں یہ ظاہر کیا ہے کہ مسلمانوں نے ساری پیش قدمی ریگستان میں کی کہ
 مسلمان پہاڑوں اور دروں میں سے پیش قدمی کو پسند کرتے تھے۔ یہ بات اس حد تک صحیح ہے کہ حضور پاکؐ
 نے اس قسم کی ہدایات ذوقِ قدس کی مہم کے دوران اور جنگ حنین میں دیں۔ لیکن بحیرہ مردار کے جنوب میں کچھ
 نچلی سطح والی چھوٹی پہاڑیاں بھی تھیں اور دشمن بھی اس علاقے سے بھاگ چکا تھا۔ پرانے مورخین کسی عرب
 رہنما کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ بحیرہ مردار کے ساتھ ساتھ اُس علاقے کے کسی باشندے نے مسلمانوں کی رہنمائی کی اور
 اور وہ بالکل درہ مواب سے گذرے۔ چنانچہ نقشہ سوم میں ہم نے کوچ کا راستہ اسی تجزیہ کے تحت بنایا
 ہے۔ جو جنرل گلب کے تجزیہ کے ساتھ ملتا ہے۔ اُس نے اس زمین کا چپہ چپہ دیکھا ہوا تھا اور اپنے تجزیہ میں
 یہ بھی لکھا ہے کہ بحیرہ مردار کے نزدیک سے گزرنا مشکل تھا کہ ایسی جگہیں بھی ہیں کہ وہاں سے اونٹ یا گھوڑے
 کا کیلے گزرنا مشکل ہو جاتا۔

جنرل اکرم کے تجزیہ پر تبصرہ

جنرل اکرم نے تیزی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک راستہ کی نشاندہی کی ہے یہ ایسا راستہ ہے جو صرف

ہوائی ہے۔ پرانے زمانے میں بھی قافلے کوئی ایسا راستہ استعمال نہ کرتے تھے اور نہ ہی دریائے اردن پر کسی ایسے پل یا کسی ایسی جگہ کا ذکر ہے جہاں سے دریا کو پار کیا جاتا تھا۔ دریا کو صرف قہقہے کے مقام سے پار کیا جاتا تھا جس پر دشمن کا قبضہ تھا اور اُس کا ذکر آگے آئے گا۔ نقشہ سوم کے مطالعہ کے بعد معلوم ہو گا کہ جو راستہ جنرل اکرم نے متعین کیا ہے وہ بیت المقدس کے پاس سے گزر کرتا ہے اور یہ تنگ دروں والا پہاڑی علاقہ ہے۔ اگر دشمن اسی ہزار کے قریب فوج اجنادین میں اکٹھی کرنے کے قابل تھا، تو کیا یہ علاقے خالی تھے؟ اور یہاں سے مسلمان کسی لڑائی کے بغیر گزر جاتے ان کے لئے دریا، پہاڑ اور دشمن تین رکاوٹیں تھیں تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دوست ریگستان کو استعمال کیا ہو گا، اور جب جناب عمرو بن عاص کے پاس سے گذرے ہوں گے تو حکم دے گئے ہوں گے کہ کل تک پہنچ جانا اور وہ دوسرے دن پہنچ گئے۔

چالیس ہزار کے لشکر کے لئے ویسے بھی کسی ایک دن میں کسی جگہ جھگڑ کر ناسان نہیں ہوتا۔ اس لئے ہمارا یہ خیال ہے کہ اسلامی لشکر بحیرہ مردار کے جنوب سے گذرا اور ہم جنرل گلب کے تجزیہ سے اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن آگے جنرل گلب کی یہ لفاظی کہ اسلامی لشکر ایک قافلے کی طرح کوچ کرتا تھا، اور لشکر کے طور پر منظم نہ تھا بالکل غلط ہے۔ اسلامی لشکر دس، سوا اور ہزار کے گروہوں میں منظم کئے جاتے تھے۔ ہر سطح پر امیر تھے، اور اطاعت امیر کا جو تصور دینِ فطرت میں موجود ہے، وہ کسی باطل فلسفہ میں نہیں ملتا۔ اور جو ربط و ضبط اللہ تعالیٰ نے مسلمان مجاہدین کو نصیب کیا تھا اُس جیسی مثال ہی دنیا میں نہیں مل سکتی۔ وہ سارا دن رابطہ سے رہتے تھے، پانچ وقت باجماعت نماز پڑھتے تھے۔ اور رات کا کافی حصہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزار دیتے تھے اور اس ذکر کی آواز سے دشمن پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ کہ وہ مرد خدا تھے۔

۷ جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن

جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز (اقبال ج)

منور خین کے بیانات

جنگِ اجنادین کو طبری نے بڑے اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ دراصل طبری نے شام کی سب جنگوں کو اُس تفصیل کے ساتھ پیش نہیں کیا جیسے اُس نے عراق اور ایران کے واقعات کو پیش کیا ہے۔ شاید وہ ان علاقوں سے واقف نہ تھا۔ اور عراق و ایران اس کے اپنے ملک تھے۔ بہر حال اب اس کتاب

میں جو بیانات پیش کیے جا رہے ہیں، وہ زیادہ تر واقعات کی تاریخ سے ماخوذ ہیں۔ اس سلسلے میں حقہ اول کے پیش لفظ میں وضاحت کر دی تھی۔ علاوہ شام کی جنگوں کے سلسلے میں اہل مغرب کے مورخین اور مبصرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ بلکہ ویسے ایران و عراق کی نسبت شام کی جنگوں کا زیادہ مواد موجود ہے۔ مغربی مبصرین نے ابن اسحق، واقدی اور ابن سعد کے علاوہ رومی حکومت کے مورخین کے حوالوں سے بھی مواد اکٹھا کیا ہے۔ اس لئے یہاں اگر راقم بھی سب مورخین کے مواد سے فائدہ اٹھائے گا، ویسے اجنادین کی جنگ کوئی معمولی لڑائی نہ تھی، نیز جزا فلہ صیبا متعصب مورخ اور مبصر جس کی ہمیشہ سے کوشش رہی کہ اسلام کے ہر پہلو کو کم تر بیان کرے اور عام طور پر اسلام کی کامیابیوں پر نہ صرف پردہ ڈالتا ہے بلکہ سرے سے ذکر ہی نہیں کرتا، وہ بھی دنیا کی فیصلہ کن جنگوں میں اجنادین کی جنگ کا نام ضرور لیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے، کہ وہ حقیقت کو کم تر کرنے کی بھی بھونڈی کوشش کرتا ہے۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس لئے ہم اس جنگ کی اور زیادہ تفصیل میں جا رہے ہیں۔

طرفین کی تیاری

اہل روم اجنادین یا وادی عرابہ میں ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ جو کچھ وہ مسلمانوں کے ساتھ کرنا چاہتے تھے، آج متحرک مسلمان خود اسی مقام پر پہنچ کر وہی کچھ اہل روم کے ساتھ کرنے کے لئے شیردوں کی طرح کوچ کر کے بیت جبرین کے مقام پر پہنچ گئے تھے۔ رومیوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی ہوگی کیونکہ پورا لشکار اُن کو ایک مقام پر مل رہا تھا۔ بلکہ یرموک کی وادی سے مسلمانوں کے کوچ کے بعد انہوں نے یرموک اور قمل کے علاقوں میں تک پہنچا دی۔ اُن کی تجویز کے مطابق اجنادین سے اگر کوئی مسلمان نکل گیا تو وہ موت اور تہوک کے راستے آگے بڑھ کر تمام مسلمانوں کو شام کی سرزمین سے باہر پھینک دیں گے۔ اجنادین کے مقام پر رومی لشکر کی نفری نوے ہزار بتائی جاتی ہے۔ بعض مورخین نے فوج کے کمانڈر کے نام مذاقی یا تذرا لکھا ہے جس کو قتیوڈس بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن واقدی کہتا ہے کہ وہ وردن تھا اور اُس کے نائب کا نام قبوہ قلار تھا۔ رومی فوج جب تک اجنادین کے مقام پر ساکن پڑی رہتی مسلمانوں کو اُن سے کوئی خاص خطرہ نہ تھا۔ لیکن شام و فلسطین کے محاذ پر رومیوں کے ان سے بڑے لشکر کے ہوتے ہوئے مسلمان کوئی اور کارروائی نہ کر سکتے تھے۔ کہ اتنے بڑے لشکر نے خالی اپنی موجودگی کے

اثرات سے محاذ کی طرفین کی طاقتوں کی کشش کے مرکز کے توازن کو بگاڑ دیا تھا اور جیسا کہ پچھلے باب میں واضح کیا گیا ہے۔ اس فوج کا خاتمہ ضروری تھا۔ چنانچہ جناب خالدؓ مسلمانوں کے ہر دستہ کے پاس جا کر اس طرح خطاب فرماتے تھے :-

جناب خالدؓ کا خطاب

اے غلامانِ محمد! آپ نے شاید اہل روم کا اتنا بڑا لشکر پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ اگر اللہ کی مدد سے ہم نے ان کو شکست دے دی، تو یہ لوگ پھر کبھی ہمارا سامنا نہ کر سکیں گے۔ اس لئے آپ ثابت قدم رہیں اور اپنے عقیدہ و فلسفہٴ حیات کی حفاظت کریں اور یاد رہے کہ دشمن کے سامنے کبھی پیٹھ نہ پھیریں کہ اُس کی سزا دوزخ کی آگ ہے۔ چونکہ رہیں، اپنی صفوں کو بحال رکھیں اور اُس وقت حملہ کرنا جب میں حکم دوں !

خالدؓ کی یہ تقریر اور اُن کے نو ہزار مجاہدین پورے لشکر کے لئے بہت بڑی حوصلہ افزائی کا باعث بن رہے تھے۔ وہ نو ہزار مجاہدین رومینوں کو خاطر میں نہیں لارہے تھے کہ اُن سے زیادہ تعداد میں ایک اور دشمن کو وہ کسی مقامات پر تہس نہس کر چکے تھے۔

رومی کمانڈر کی تقریر

روم کی فوج کے کمانڈر نے تمام جرنیلوں کو بلایا اور یہ تقریر کی۔ اے اہل روم! قیصر روم نے آپ پر بھروسہ کیا ہے۔ اگر تمہیں شکست ہوگئی، تو تم آئندہ کبھی مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکو گے اور وہ تمہارے ممالک فتح کر لیں گے اور تمہاری عورتیں ان کے قبضہ میں چلی جائیں گی۔ اس لئے ثابت قدم رہو۔ جب حملہ کرو تو ایک جان ہو کر لڑو۔ اور صلیب سے مدد لو۔ اور یاد رکھو کہ تمہاری تعداد اُن سے تقریباً تین گنا زیادہ ہے۔

تبصرہ :-

اب دونوں کمانڈروں کی تقریر کے الفاظ کا موازنہ کریں۔ مسلمان اللہ سے مدد مانگتے ہیں۔ رومی



صلیب یاسونی سے۔ جناب خالدؓ بھی دشمن کی شکست کی بات کرتے ہیں کہ پھر رومی کبھی مسلمانوں کے سامنے نہ ٹھہر سکیں گے۔ اور رومیوں کے جرنیل بھی اپنی شکست کا ذکر کرتے ہیں کہ اگر شکست کھا گئے تو پھر کبھی مسلمانوں کے سامنے نہ ٹھہر سکیں گے۔ تو اللہ کی قدرت دیکھیں کہ زبان خلیق کو تقارہ خدا سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کمانڈروں کی زبان کو رومیوں کی شکست کے الفاظ کہنے کا پہلے سے ہی حکم دے دیا۔ یہ نکتہ یاد رکھیں کہ جنگ سے پہلے کبھی اپنی شکست کو کسی تصور میں بھی نہ لائیں۔ مسلمان ویسے بھی کسی شکست کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ سب کچھ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے لئے کرتے ہیں اور اپنی جان کو اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے پیش کر دیتا ہے۔ اُس کی فتح کا مقصد بھی اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے احکام کا نفاذ ہوتا ہے۔ وہ عورتوں اور بچوں کا ذکر نہیں کرتا کہ وہ بھی اللہ اور رسولؐ کے نام پر قربان ہونے کو تیار ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی زندگی غیرت سے گزاری۔ لیکن عورت کی حفاظت والی بات کو بھولنا نہیں چاہیے۔ رومی لشکر کا جرنیل اس کا ذکر ضرور کرتا ہے کہ شکست خوردہ قوموں کی عورتوں پر دوسرے لوگوں کا قبضہ ہو جاتا ہے اور ہم نے جلال مصطفیٰؐ کے شرع ہی میں حجاج بن یوسف کی اس سلسلے میں غیرت کا ذکر کیا ہے۔

جناب ضرار بن الدزور

اسلامی لشکر اپنی آگے دانی جگہ میں تھا، جس کو فاروق ڈکنٹریشن کہہ سکتے ہیں۔ اور مسلمانوں اور دشمن کے درمیان تقریباً آدھے میل سے ایک میل تک کا فاصلہ ہو گا کہ مسلمان بیت جبرین سے آگے نکل چکے تھے۔ جناب خالدؓ کسی بہادر مجاہد کو دشمن کی دیکھ دیکھ اور خبر لینے کے لئے بھیجا جاتے تھے۔ اُن کی نظر جناب ضرار پر پڑی۔ جناب ضرار گھوڑے پر سوار ہو گئے اور بے فکر ہو کر دشمن کی طرف چل پڑے۔ آگے ایک ٹیکری یا اونچی زمین نظر آئی۔ اُس پر چلے گئے اور نزدیک سے دشمن کی دیکھ دیکھ میں محو ہو گئے۔ جب رومیوں کو یقین ہو گیا کہ مسلمان شاہسوار اُن کی خبر حاصل کرنے میں مصروف ہے تو انہوں نے تیس سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ اس مجاہد کا کام تمام کر دیں رومیوں نے سر پٹ گھوڑے دوڑا دیئے۔ اور جناب ضرار بھی تھوڑی دیر کے لئے اُن کے آگے بھاگے اور ایک رومی شاہسوار کو انہوں

نے اپنے نزدیک پہنچنے دیا جیسے ہی وہ نزدیک پہنچا آپ نے آہستہ سے اپنے گھوڑے کو موڑ کر اُس کا سر قلم کر دیا۔ رومی کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ یہ کیا ہوا کہ آپ نے باری باری دو اور رومیوں کے سر بھی قلم کر دیئے۔ رومی حیران تھے، لیکن دراصل رومی شاہسوار بھاری بھر کم تھے۔ جس کو رسالہ والے انگریزی میں ہیوی رائیڈنگ کہتے تھے۔ مسلمان عرب کے ریگستانوں میں ہلکے پھلکے شاہسوار تھے اور ہنواسد کے جناب ضرارؓ بزدل، نقرہ اور سلمہ کے علاقوں میں شاہسواری کے گر سیکھ چکے تھے اور دشمن پر حملہ کرنے کے وہ داؤ جلتے تھے کہ انہوں نے رومیوں کے ساتھ کبڈھی یا پولو کا کھیل کھیلا شروع کر دیا۔ انہوں نے رومیوں کو ایسے چکر دیئے کہ تقریباً انیس بیس رومی کھیت رہے تو پھر جناب ضرارؓ واپس اپنے لشکر میں آگئے۔ جناب خالدؓ کچھ ناراض ضرور ہوئے کہ جس کام کے لئے بھیجا تھا اُس کی بجائے یہ کیا تماشہ شروع کر دیا۔ لیکن جناب ضرارؓ خاموش رہے۔ اسلامی لشکر کے باقی مجاہدین کے دل باغ باغ ہو گئے اور جہاں بھی ضرارؓ آگئے تو مجاہدین نے مرحبا کہہ کر اُن کو خوش آمدید کہا۔ تو جناب ضرارؓ نے اُن کو بتایا کہ باقی دس گیارہ رومیوں کو ختم کرنا بھی آسان تھا۔ لیکن انہیں سالار لشکر کا ڈر تھا اس لئے جلدی واپس آگئے۔

اسلامی لشکر کی جاسوسی

جناب ضرارؓ کی کارروائی دیکھ کر رومی فوج کا نائب کمانڈر قبو قلاہر سکتے میں آ گیا کہ ان کا کس قوم اور فوج کے ساتھ واسطہ ہے جن کا ایک مجاہد ایسے معجزے دکھا سکتا ہے چنانچہ اُس نے اجنادین کے علاقوں کے ایک عیسائی عرب کو بھیجا کہ وہ مسلمانوں کے لشکر میں گھس جائے۔ اور اندر جا کر لشکر کی تعداد، طاقت اور خوبیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ یہ عرب کسی بہانے اسلامی لشکر میں داخل ہو کر مسلمان مجاہدین کے ساتھ گھل مل گیا اور باہر نکلنے میں بھی کامیاب ہو گیا۔ واپس پہنچ کر اُس نے یہ جائزہ پیش کیا ہے۔

”یہ عجیب و غریب لوگ ہیں۔ رات کو راہب یا فقیر کی طرح اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے ہیں اور دن کو بالکل ایسے جنگجو نظر آتے ہیں کہ اُن کو دیکھ کر بیعت طاری ہو جاتی ہے۔ اگر ان کے حاکم کا بیٹا

بھی چوری کرے تو اُس کا ہاتھ کاٹ دیں گے۔ اور اگر ان کا حاکم بھی زنا کا مرتکب ہو گا تو اُس کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔

نے یہ سُن کر کہا: اگر جو کچھ تم کہتے ہو وہ صحیح ہے۔ تو پھر ایسے لوگوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے بہتر ہو گا کہ زمین راستہ دے اور ہم اُس کے اندر چلے جائیں۔ میری کیسی ہی اچھی قسمت ہوئی کہ خدائے سب سے ”مجھے ان لوگوں کے ہاتھوں سے بچا لیتا۔“

تبصرہ -

ظاہر ہے قبوتلار دل چھوڑ چکا تھا۔ لیکن ہمارے لئے اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانیہ کا وزیر اعظم مسٹر چرچل بغینٹ تھا۔ اور اپنی یونٹ کے ساتھ ہمارے صوبہ سرحد میں آکر متعین ہوا۔ اپنی اداروں میں لکھتا ہے کہ پٹھان ایک پادری بھی ہے اور جنگجو سپاہی بھی اور لطف کی بات یہ ہے کہ سیاسی معاملات کی سوجھ بوجھ بھی رکھتا ہے۔ ”مسٹر چرچل کا یہ مشاہدہ پٹھانوں کے لئے تھا۔ کہ وہ اُس زمانے میں بھی اپنی مسلمانی کو کچھ قائم رکھے ہوئے تھے۔ ورنہ سب مسلمان سیاست دان ہیں کہ وہ اہل یورپ کی طرح صرف کرایہ کے سپاہی نہیں۔ اُن کے سامنے زندگی کے کچھ مقاصد ہیں اور اُن کا سیاسی فلسفہ کہا جاتا ہے۔ وہ جنگجو ہیں کہ وہ اللہ کے سپاہی ہیں وہ پادری یا راجب ہیں کہ وہ اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہیں۔ اور ان خصوصیات کی وجہ سے افغان آج بھی روپیوں کی طبیعت صاف کر رہے ہیں۔

سے تیرے بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج

عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

اپنی خودی پہچان، اد غافل انعام۔ (محراب گل افغان کے افکار)

مسلمانوں کی صف بندی

۲۷ جمادی الاول تیرہ ہجری بعد نماز ظہر مسلمانوں کو دوسرے دن کے لئے احکام موصول ہوئے

تھے۔ اور وہ یہ تھے کہ ۲۸ جمادی الاول صبح سویرے فجر کی نماز کے وقت وہ ہدایات کے مطابق دشمن کے

سلنے صف بند ہو جائیں گے۔ مسلمانوں نے دشمن کی نفری کو مد نظر رکھتے ہوئے پانچ میل لمبے علاقے میں صف بندی کی۔ گویا طویل صف بندی سے مسلمان اپنی صفوں میں زیادہ گہرائی نہ رکھ سکتے تھے، لیکن حالات کے مطابق یہ ضروری تھا۔ اور اتنی لمبی صف بندی نے اہل روم کو متحیر کر دیا۔ ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ ایک دو میل میں صف بند ہوتے تھے اور صفوں کی گہرائی تیس یا چالیس جوانوں تک ہوتی تھی لیکن اب ان کو بھی اپنی صفوں میں طول پیدا کرنا پڑا اس سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اہل روم کا ایک لشکر جس کو انہوں نے ریزرورکھا ہوا تھا کہ ضرورت کے وقت مسلمانوں کے بازوؤں پر بڑھ کر دار کرے گا وہ بھی صف بند ہو گیا۔ اس کا اور ذکر آگے آئے گا کہ مسلمانوں نے بھی اپنے بازوؤں پر نالتوں مجاہدین کا بھی تعین کیا کہ اگر رومی بازوؤں سے کوئی کارروائی کریں تو مسلمان مجاہدین آگے نکل کر صف بندی کو طول دیتے جائیں۔

اسلامی لشکر کے چیدہ چیدہ امرا

اسلامی افواج کے درمیان میں عظیم صحابی جناب معاذ بن جبل ^ع تھے میسرہ پر جناب سعید بن عامر تھے مہینہ پر جناب عبدالرحمن بن ابوبکر ^ع تھے۔ میسرہ کے ساتھ جناب شرجیل بن حسنہ چار ہزار مجاہدین کے ساتھ متعین تھے کہ بائیں بازو کی حفاظت ان کی ذمہ داری تھی۔ اور اسی طرح مہینہ پر جو فالتو دستے تھے ان کے کمانڈر کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ عقب میں ریزرور کے طور پر جناب یزید بن ابوسفیان ^ع تھے۔ لشکر کے درمیان میں خود جناب خالد ^ع تھے۔ اور جناب امین الامت بن ثابت ^ع سالار تھے۔ ویسے وہاں پر اسلام کے اور چیدہ چیدہ امرا بھی موجود تھے کہ کسی مبارزت کی ضرورت پڑے یا کسی دستہ کو کوئی نئی کارروائی کرنی ہو تو امرا اپنے پاس موجود ہوں۔ ان عظیم امرا میں جناب عمرو بن عاص، ضرار بن الدزور اور عبداللہ بن عمرو شامل تھے۔

علاء جناب معاذ بن جبل کا ذکر جلال مصطفیٰ کے صفحہ ۲۳۲ اور ۲۶۶ پر موجود ہے۔ آپ کا شمار اسلام کے عظیم علما جناب علی جناب عبداللہ بن مسعود اور جناب عبداللہ بن عمرو وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کتاب میں آگے بھی آپ کا اکثر ذکر آئے گا۔ آپ انصار تھے۔ علاء یہاں پر کچھ شک کی گنجائش ہے کہ آیا آپ سعید بن عامر بن قذیم تھے یا سعید بن عمیر التیمی۔ یہ دونوں اصحاب تھے۔ اور ہجرت بھی کی۔ زیادہ خیال یہ ہے کہ آپ سعید بن عامر تھے۔

اہل روم کی صف بندی

۲۸ جمادی الاول صبح کے وقت جب رومیوں نے مسلمانوں کو صف بند ہوتے دیکھا تو وہ بھی جلدی سے صف بند ہو گئے۔ ان کی صفوں کی گہرائی مسلمانوں کی صفوں سے تین گنا تھی۔ البتہ ان کے دستوں یا لشکر کے حصوں کے کمانڈروں کے سلسلے میں مورخین خاموش ہیں۔ ان کے پاس بے شمار جھنڈے تھے جن پر صلیب کے نشان بنے ہوئے تھے اور ان کی صفوں میں بڑی باقاعدگی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ ان میں عیسائی تھے، دروڑ تھے، عرب نصرانی تھے، آرمینیا کے لوگ تھے۔ اناطولیہ میں تھے۔ یونانی اور یورپ کے سلاو قوم کے لوگ بھی تھے۔ اور مسلمان ایک اللہ اور ایک رسول کو ماننے والے تھے۔

جناب خالد کی ہدایات

صف بندی کے بعد جناب خالد ایک بار پھر باہر نکلے، اور لشکر کے ہر حصے کے سامنے ٹھہر کر خطاب فرمایا تیر اندازی کے بارے میں حکم دیا کہ ہمیشہ ایک ذولی "فائر کرو کہ جس طرح فائر بانی آرڈر کے تحت تمام فائر ایک وقت ایک یا کئی ہدفوں پر گرایا جاتا ہے یہی حکم جناب خالد تیر اندازی کے لئے دے رہے تھے تاکہ جس جگہ ایک وقت اکٹھے تیر پڑیں اس صف کو تہس نہس کر دیں۔ ایک ایک تیر چلانے یا مرضی سے تیر اندازی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ پھر جناب خالد ڈوٹیاں بھی گئے، جہاں عورتیں اور بچے تھے۔ اور فرمایا کہ وہ خود اپنی حفاظت آپ کریں۔ سب عورتوں نے یک زبان ہو کر عرض کی کہ یہ تو کم از کم ضرورت ہے، ان کی خواہش تو یہ تھی کہ آج کے دن وہ مردوں کے دوش بدوش لڑیں۔

بوڑھا پادری

طرفین کو صف بندی کرنے میں چند گھنٹے لگ گئے۔ اسی دوران ایک بوڑھا پادری جس نے سیاہ ٹوپی پہن رکھی تھی، رومیوں کے لشکر سے آگے نکلا اور عربی زبان میں پکارا اٹھا کہ آپ میں کوئی مذہبی قسم کا آدمی ہے جو آگے آکر مجھ سے بات کرے۔

تبصرہ :- مسلمانوں میں تو پادریوں یا برہمنوں والی بات کا رواج بالکل نہ تھا۔ اور۔ مولویوں والا سلسلہ

بھی بڑی دیر کے بعد شروع ہوا۔ اُس زمانے میں کوئی ایسی بات نہ تھی۔ امامت کا کام ہر سطح پر سالار لشکر خود کرتا تھا۔ یعنی کسی چھوٹے سے چھوٹے دستے سے لے کر پورے لشکر تک ہر سالار کو نماز کی امامت کرنے اور خطبہ دینے کے قابل ہونا ضروری ہوتا تھا۔

”ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق“

جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے۔ (اقبال)

یعنی امام کا خطبہ یہ ہوتا تھا کہ مسلمان سب کام اللہ اور رسول کے لئے کرتے ہیں۔ اور اس فانی دنیکی ساتھ محبت والی بات کوئی نہیں۔ یہاں تو امتحان کے لئے آئے ہیں۔ جتنا جلدی اس امتحان سے پاس ہو جائیں تو بہتر ہوگا۔ قرآن پاک میں ہے کہ اگر سچے ہو تو موت کی آرزو کرو۔ یہ نکتہ سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلام نہ خود کشی کی اجازت دیتا ہے نہ موت کے منہ میں پھلانگ لگانے کی۔

اسلام بچاؤ کی بھی عزت و غیرت سے تعلق رکھتا ہے۔ آرزو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کے دربار میں عرض کرتا ہے کہ اے رب العالمین! میں نے اپنی بساط کے مطابق اور تیری رحمت سے جو کچھ کرنا تھا وہ کر لیا۔ اب زیادہ امتحان کی ہمت نہیں۔ بہتر ہے کہ جلد اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

جناب خالدؒ اور پادری کی بات چیت

اب پیچھے تبصرہ کر دیا گیا ہے کہ مسلمان سب مذہبی قسم کے آدمی بھی ہیں۔ سیاستدان اور جنگجو سپاہی بھی ہیں۔ اور اُس زمانے میں ابھی علماء دین یا فقیہہ ”یا مذہبی قسم کے لوگ کوئی الگ گروہ نہیں ہوتا تھا۔ یعنی ابھی تفریق نہ شروع ہوئی تھی۔ اس لئے کسی اکیلے ذکیلے آدمی پر مذہب کا لیبل چسپاں کرنے کی بجائے جناب خالدؒ خود آگے نکلے۔

تو پادری نے پوچھا۔ کیا آپ اس لشکر کے سالار ہیں؟“

جناب خالدؒ نے فرمایا: ہاں! اس وقت تک جب میں اللہ کے احکام اور حضور پاکؐ کی سنت کو پورا کرتا رہوں گا۔ لیکن اگر میں ایسا کرنے میں ناکام رہتا ہوں تو میرا ان پر امیر ہونے کا کوئی حق باقی نہیں رہ جاتا۔ اور نہ میں ان کو اپنی تابعداری کے لئے مجبور کر سکتا ہوں۔

پادری یہ سن کر سکتے میں آگیا۔ اور اُس کی زبان سے خود بخود یہ الفاظ نکلے۔ اچھا اب پتہ چلا ہے کہ آپ کو

ہمارے اوپر فتوحات کیوں اور کیسے حاصل ہو رہی ہیں، لیکن پادری نے اپنے آپ پر کچھ کنٹرول کرتے ہوئے اپنے سالار کے حکم کے مطابق اپنا رگ اس طرح الاپنا شروع کیا کہ عرب! تمہیں معلوم ہونا چاہیے، کہ آپ نے ایک ایسے ملک پر چڑھائی کر کے اس میں داخل ہونے کی کوشش کی ہے جس میں داخل ہونے کی کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی ہمت نہیں ہوتی۔ اہل فارس نے یہاں داخل ہونے کی کوشش کی اور ان کی ہم نے جو گت بنائی وہ دنیا کو معلوم ہے۔ اور بھی کئی آئے اور خواہ مخواہ اپنی جاتوں کا ضیاع کر دیا لیکن وہ کچھ بھی حاصل نہ کر سکے۔ آپ نے ہم پر کچھ معمولی فتوحات حاصل کر لی ہیں، لیکن یاد رکھیں کہ ایسی فتوحات کوئی بڑی چیز نہیں ہوتیں۔

میرا حاکم وردن آپ لوگوں پر کچھ مہربان نظر آتے ہیں اور اس نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں آپ کو یہ بتاؤں کہ اگر آپ اپنے لشکر کو واپس لے جائیں تو آپ کے ہر جوان کو ایک دینار اور ایک خلعت، بیس پگڑی تحفہ کے طور پر پیش کی جائے گی اور آپ کو سو دینار اور سو خلعتیں پیش کی جائیں گی۔

ہمارے پاس بڑی دل لشکر ہے اور ایسے لشکر کے ساتھ آج تک آپ لوگوں کا واسطہ نہیں پڑا۔ اس لشکر کے ساتھ قیصر روم نے بڑے مدبر اور طاقتور جرنیل اور عظیم دانشور قسم کے پادری بھی بھیجے ہیں۔ جناب خالد نے فرمایا: ہم تو صرف تین باتیں جانتے ہیں۔ اول یہ کہ اسلام کے دائرے میں داخل ہو جاؤ دم اگر یہ نہیں کرتے تو جزیہ دو اگر وہ بھی منظور نہیں تو فیصلہ تلوار کرے گی اور جو آپ نے دیناروں اور خلعتوں کی بات کی ہے اس سلسلے میں ہم زیادہ پسند یہ کرتے ہیں کہ ایسی چیزیں تلوار کے ذریعے حاصل کریں اور یہ چیزیں ہمیں خود بخود ہی حاصل ہو جائیں گی۔

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے ہو سے

مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشاہی۔ (اقبال)

جب پادری نے یہ سنا تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور واپس جا کر وردن کو حالات سے آگاہ کیا۔ وردن میں کچھ ہمت باقی تھی۔ کہنے لگا: میں ابھی عربوں کو تہس نہس کرتا ہوں۔

تبصرہ :-

وردن کو معلوم نہ تھا کہ عرب "مسلمان ہو چکے تھے۔ اگر وہ صرف عرب ہوتے تو وہی ہوتا جو آجکل

اہل عرب کے ساتھ فلسطین میں ہو رہا ہے یا باقی مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے جو کسی وقت تو میتوں کے چکر میں پڑ گئے تھے۔ بہر حال وِردن اور رومی اس وقت تک پرانی باتوں کے چکر میں تھے۔ وہ تو مسلمانوں کو کوئی طاقت بھی ماننے کو تیار نہ تھے،

پادری نے جناب خالدؒ کو "اے عرب کہہ کر پکارا۔ کہ عرب اُس کے لحاظ سے اُس وقت ایک معمولی قبیلہ تھے اور اُن کو پادشاہوں کے برابر بھی، وہ نہ مانتے تھے۔ جیسا کہ پادری نے کہا کہ کسی بادشاہ کو بھی بہت نہ ہوئی کہ اُن کے ملک پر چڑھائی کر سکے۔ اہل روم کو یہ فلفلی فہمی تھی کہ عرب غربت کی وجہ سے اور ضرورت کے تحت اپنے ملک سے باہر نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اہل روم کے جانشین اہل یورپ اب بھی اسی چکر میں ہیں کہ عرب غریب و امیر کی باہمی جنگ کے فلسفہ کے تحت باہر نکلے تھے۔ اہل یورپ اپنے تعقب کے تحت اتنے اندھے ہیں کہ انہوں نے دینِ فطرت کی حقیقت کو تلاش کرنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی۔

تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے

یہ وادی یمن نہیں شایانِ تجلی۔ (اقبالؒ)

وِردن کا حکم

بہر حال وِردن نے طیش میں آ کر تیر اندازوں اور پتھر برسانے والوں کو حکم دیا کہ وہ لشکر سے آگے نکل کر مسلمان مجاہدین پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر دیں اسلامی صفوں کے درمیان سے جناب معاذ بن جبل آگے بڑھ کر حملے کے احکام دینے ہی والے تھے کہ جناب خالدؒ نے اُن کو روک دیا کہ نہیں ایسا مت کریں۔ حملہ میرے حکم پر ہوگا اور وہ بھی سورج ڈھلنے کے بعد کہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ نے حملہ کے لئے اُس وقت کو بہترین وقت قرار دیا ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوحِ قلم تیرے ہیں۔ (اقبالؒ)

پہل کاری

اب عام اندازے کے مطابق لڑائی میں پہل کاری اہل روم کے ہاتھوں میں نظر آتی ہے لیکن یہاں

نہیں ہے۔ رومی یہ کارروائی رد عمل کے تحت اور جھوڑی کے تحت کر رہے تھے اور متحرک مسلمان ایسی ساکن
 بمباری کو اتنا زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ تیروں اور پتھروں سے مسلمانوں کا اتنا ہی نقصان ہو رہا تھا۔
 جتنا آجکل تو پختانہ کے فائر سے ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ آجکل تو پختانہ کے فائر کے وقت چونکا ہو کر سوڑے
 میں بیٹھنا پڑتا ہے اور اُس زمانے میں صف بندی قائم رکھی جاتی تھی۔ تیروں اور پتھروں کو ڈھانوں پر
 روکا جاتا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے اس طرح ساکن رہنے والی بات جناب ضرار کو پسند نہ آرہی تھی۔ وہ جناب
 خالد رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی :-

اے سالار جب اللہ ہمارے ساتھ ہے تو انتظار کیسا۔؟ بخدا رومی خیال کریں گے کہ ہم اُن سے ڈرے
 ہیں۔ کم از کم مبارزت کی اجازت تو دے دیں، جناب خالدؒ مسکرائے اور انہوں نے جناب ضرار کو مبارزت
 کی اجازت دے دی کہ حضور پاکؐ بھی ایسے وقت میں مبارزت کی اجازت دے دیتے تھے۔ حملہ کے لئے البتہ
 حضور پاکؐ نے بعد از ظہر کے وقت کو پسند فرمایا اور گونا گوند کی جنگ بہت بعد ہوئی لیکن چونکہ پہلی کتاب میں
 اُس کا ذکر ہو چکا ہے کہ جناب نعمان بن مقرنؓ نے اس سلسلے میں کیسے وضاحت کی۔ تو اس لئے ہم اس فلسفے کی
 تفصیل میں نہیں جا رہے۔ مختصراً وہ یہ ہے کہ دشمن کے پاس رد عمل کے لئے روشنی کا وقت کم ہوتا ہے۔

جناب ضرار کی مبارزتیں

جناب ضرارؓ خود پہنے ہوئے تھے۔ انہیں اجازت ملنے کی دیر تھی کہ دشمن نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی وہ
 گھوڑے پر سوار آگے بڑھ گئے اور انہوں نے جو رجز یہ نظم پڑھی اُس کو اپنی زبان میں ہم کچھ اس طرح بیان کریں گے۔
 میں وہ قوت ہوں جس کے ڈر سے تمہارے چہرے زرد ہو جاتے ہیں میں رومیوں کو جہنم داخل کرنے
 کے لئے آگے آیا ہوں۔ میں ہی آپ لوگوں کے لئے قبر الہی بن کر آیا ہوں۔ معلوم ہے میں کون ہوں؟ میں ضرارؓ
 بن اللہ ہوں۔

جناب ضرارؓ کے مقابلے کے لئے جیسے ہی رومی پہلوان نکلے۔ انہوں نے اپنا خود آثار دیا تو رومی بڑے
 حیران ہوئے لیکن جو آگے آتا جاتا تھا وہ اُسے داخل جہنم کرتے جاتے تھے انہی لوگوں میں عمان اور طبریہ کے فوجی
 گورنر بھی تھے جو زمین پر تڑپ رہے تھے۔ اس لئے رومیوں نے غصہ میں اگر دس شہسواروں کو آگے بھیج دیا،
 کہ اس آفتِ ناگہانی کو ختم کریں لیکن جیسا پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ جناب خالدؓ نے بھی اپنے پاس چیدہ چیدہ

اور نامور مجاہدین رکھے ہوئے تھے۔ اور ان کو لے کر جناب خالدؓ نے ان دس رومیوں پر ایسا جھپٹا مارا کہ وہ سب میدان جنگ میں تڑپنے لگے۔ رومی حیران تھے۔ اس لئے انہوں نے یہ سوچا کہ چند مسلمان مجاہدین شاید مبارزہ کے فن میں اپنا مقام نہیں رکھتے اس لئے بہتر ہوگا کہ تمام محاذ پر اپنے پہلوانوں کو آگے نکالا جائے تاکہ انہیں کہیں تو کوئی کامیابی حاصل ہو۔ تیروں کی بوچھاڑ تو ویسے بھی مبارزت کے دوران بند تھی رومی پہلوان پورے پانچ میل کے محاذ پر آگے نکل آئے، لیکن ادھر مقابلہ اللہ والوں کے ساتھ تھا۔ رومی آتے جاتے تھے اور ڈھیر ہوتے جاتے تھے۔ میدان جنگ رومی پہلوانوں کی لاشوں سے ٹپڑا تھا۔ یہ سو دارومیوں کو بہت ہی جھنگا پڑا۔ ان کے لشکر کے تمام بہادر پہلوان ان کی آنکھوں کے سامنے تڑپ رہے تھے۔

میدان جنگ میں دیسے بھی لڑنے والے چند ہی ہوتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں انگریزوں نے حسا لگایا اور بڑے تجربے کئے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ میدان جنگ میں صرف پانچ سے دس فی صد آدمی ہدف کو دیکھ کر گولی مارتے ہیں۔ باقی ڈر سے اپنا سر مورچے کے اندر ہی رکھتے ہیں۔ اور ایک رائفل کمپنی میں دس یا پندرہ آدمی لڑنے والے ہوتے ہیں۔ باقی صرف ٹوٹل پورا کرتے ہیں۔ رومیوں کے لشکر میں بہادری سے لڑنے والے آدمیوں کا یہ حال ہوا تو باقی لڑنے والوں کی اخلاقی قوتیں جواب دینے لگیں اور مسلمان سونی صدی لڑتے ہیں تب ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم ایک سو ہو تو غالب آؤ گے ایک ہزار پر یعنی جنگ اجدادین کے چالیس ہزار مجاہدین چار لاکھ رومیوں پر غالب آسکتے تھے اور رومیوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ یا نوے ہزار تھی تو وہ لوگ مسلمانوں کے لئے تر نوالہ تھے کہ ان میں بہادری سے لڑنے والے صرف پندرہ یا بیس ہزار تھے جن میں سے دو تین ہزار مبارزت ہی میں ختم ہو گئے تھے۔

مسلمانوں کا حملہ

اور اسی دوران وہ گھڑی بھی آگئی جس کے بارے میں ہمارے آقا حضور پاک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نشاندہی فرما گئے ہیں۔ سورج اپنی مدار ج سے نیچے کو جھکا تو جناب خالدؓ نے پر زور آواز میں چار تکبیریں کہیں جن کو جگہ بجگہ لشکر کے اُمرانے دہرایا اور مسلمان ایک پانی کے ریلے کی طرح آگے بڑھنے لگے۔ حملہ سامنے سے تھا۔

اس میں کوئی جنگی چال منور یا داد نہ تھا۔ دشمن کو ہی بازو سے اکھیرنے یا ادھیرنے کی کوئی اجتماعی کوشش نہ تھی اس حملہ کی ساری بنیاد ذاتی ہنرمندی اور سلیقہ پر تھی۔ رومیوں کے ساتھ پہلا بڑا مقابلہ تھا کسی چال کی صورت میں شاید امر اپنے دستوں کو مکمل طور پر رابطوں میں نہ جوڑ سکتے اس لئے حکم یہ تھا کہ اپنے اپنے سامنے بلکے پھلکے مسلمان نیزوں اور تلوار کا استعمال کرتے ہوئے چھٹ پلٹ کر متحرک طریقوں سے حملہ کریں گے بھاری بھر کم رومی لشکر، بھاری بھر کم ایرانی صفوں کے ساتھ لڑنے کے عادی تھے کہ صف اپنے اجتماعی زور سے بالمقابل صف کو دھکیل کر شکاف بنا تی تھی۔ لیکن مسلمانوں کا طریقہ مختلف تھا۔ وہ متحرک ہو کر تلوار کے دو دو ہاتھ کر کے دشمن کو موت کے منہ میں دھکیلے جاتے تھے اور اس طرح دشمن کی صفوں میں شکاف بناتے تھے۔

پہلے دن کے لئے ہدایات یہ تھیں کہ کشتوں کے پشتے لگا دو لیکن دشمن کی صفوں میں بہت بڑا شکاف نہ پیدا کرو۔ کیونکہ لڑائی کا فیصلہ کن وقت ابھی نہیں آیا تھا رومی سکتے میں آجاتے تھے انہوں نے یہ طرز جنگ کبھی دیکھی نہ تھی۔ مسلمان وار کر کے ان کا کام تمام کر دیتے تھے اور وہ سوچ ہی رہے ہوتے تھے کہ کہاں وار کریں کہ اپنا سر کٹوا بیٹھتے تھے۔ مسلمانوں کی تلواریں چھتھڑوں میں لپٹی ہوئی تھیں لیکن ان کی دھار بڑھی تیز تھی۔ جب سورج غروب ہونے لگا تو مسلمانوں کے حملوں کی شدت میں آہستہ آہستہ کمی پیدا ہونا شروع ہوئی اور مسلمان مجاہدین آہستہ آہستہ اپنی صفوں میں یا پرانی جگہ پر واپس آ گئے۔ ورنہ نے جب میدان جنگ پر نظر دوڑائی تو وہ ہتکار ہنکار گیا میدان جنگ رومیوں کی لاشوں سے انا پڑا تھا۔ اور مرنے والے ہزاروں کی تعداد میں تھے۔

دوسرا دن۔ اور ورنہ کی دغا بازی کی کوشش

لڑائی دھوکا ہے یا داؤ ہے یا جو کچھ مرضی ہے کہہ لیں لیکن یہ دغا بازی نہیں ہے۔ لڑائی میں دشمن پر دھوکے سے وار کرنا یا داؤ لگانا ایک ہی چیز ہے۔ لیکن دغا بازی الگ چیز ہے اور اس کی اسلام اجازت نہیں دیتا اور سیدنا جی کی قسم کے لوگ یا کینے لوگ لڑائی میں دغا بازی کرتے ہیں، دغا بازی اور جنگی چال میں فرق سمجھ لیں۔ دھوکا ایک "جال" ہے یا چال ہے لیکن دغا بازی کا مطلب یہ ہے کہ وعدہ کر کے یا پناہ دے کر اپنے لفظوں سے پھر جانا یا کہنا کچھ اور کونا کچھ۔ ہمارے کسی مسلمان اتنے سادہ ہیں کہ وہ دغا بازی سے کنارہ کشی کرتے وقت دشمن کے خلاف کوئی "جال" بھی نہ بچھانا چاہیں گے۔ نہیں اس کی اجازت ہے کہ ایسا کرنا چال ہے اور چال کی اجازت ہے، چال حیران کن کارروائی کے تحت آتی ہے۔

چنانچہ وردن نے اندازہ لگا لیا کہ مسلمانوں کے ساتھ سیدھی لڑائی میں کوئی کامیابی ناممکن ہے اہل روم صف بندی کی دیوار بنا کر لڑنے کے عادی تھے اور مسلمان جھپٹ پلٹ کر حملہ کرتے تھے۔ تو یہ دیوار متحرک کارروائی کے سامنے زیادہ دیر نہ ٹھہر سکتی تھی۔ چنانچہ ہم راز لوگوں کے ساتھ مل کر اُس نے تجویز بنائی کہ کسی طرح دھوکے سے مسلمان سپہ سالار کو آگے بلایا جائے پھر صلح صفائی کی بات کی جائے اور یہ بات ایسی جگہ پر ہو جہاں دس روز یا چھپے ہوئے ہوں اور وردن کے اشارے پر جناب خالدؓ کا کام تمام کر دیں۔ وردن نے اس کام کے لئے ایک نصرانی عرب داؤد کو چنا کہ وہ جناب خالدؓ کے پاس سفیر بن کر جائے اور بات کرے کہ کافی خون بہہ چکا ہے اور جنگ کے معاملات کو ختم کریں۔

نصرانی عرب داؤد

داؤد حیران تھا کہ ہر قتل کا حکم تھا، کہ جنگ تب تک جاری رکھی جائے، جب تک مسلمانوں کو سارے علاقہ شام و فلسطین سے نکال نہیں دیا جاتا۔ اس لئے داؤد نے کہا کہ یہ کوئی چکر ہے اور دال میں کچھ کالا ہے صحیح حالات کے علم کے بغیر وہ سفارت کے کام کو انجام نہ دے سکے گا۔ تو پھر مجبوراً وردن کو اپنی تجویز یاد غا بازی والی بات داؤد کو بتانا پڑی۔ سورج ابھی مکمل طور پر غروب نہ ہوا تھا۔ اور جنگ بھی مکمل طور پر نہ تھی تھی کہ داؤد نے آگے بڑھ کر جناب خالدؓ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی جناب خالدؓ جب آگے نکلے تو داؤد پر ہیبت طاری ہو گئی۔ جناب خالدؓ دراز قد بھی تھے اور ویسے بھی میدان جنگ میں ستون نظر آتے تھے۔ لیکن اللہ کی توار کے خطاب نے غیر مرئی طور پر ان کی شخصیت کے گرد وہ بلندیاں اکٹھی کر دی تھیں جن کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتا اس لئے داؤد نے بڑی مشکل کے ساتھ اپنی لکپا ہٹ پر قابو پایا، اور عرض کی کہ وہ جنگجو آدمی نہیں کسی مبارزت کی غرض سے نہیں آیا بلکہ وہ ایک قاصد ہے۔ سفیر ہے اور ایک ضروری پیغام لے کر آیا ہے۔

جناب خالدؓ آگے بڑھے اور فرمایا: سنو اسے قاصد۔ اگر سچ بولو گے تو نچ جاؤ گے اور اگر جھوٹ کہو گے تو ہنس نہیں ہو جاؤ گے!

داؤد نے کہا کہ وردن اب جنگ کا خواہاں نہیں رہا۔ وہ آپ کے ساتھ ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ لڑائی بند کر دیا جائے تاکہ کوئی مثبت قسم کی صلح کی جائے!

جناب خالدؓ نے فرمایا، اگر تمہارے حاکم کا ارادہ کسی مکرو فریب یا دغا بازی کا ہے تو خدا کی قسم! ہم مکاروں کی

جڑوں سے واقف ہیں، ہماری جنگی فراست کیوجہ سے ہمارے ردعمل پہلے ہی سے ہمارے پاس موجود ہوتے ہیں۔ اور ردکنکڑ میں اگر کوئی خفیہ شرارت ہے تو یہی شرارت اس کو تہس نہس کر دے گی۔ ہاں ہم صلح صرف اُس حالت میں کر سکتے ہیں کہ تم لوگ ہزیمہ دینے پر تیار ہو جاؤ۔“

داؤد حیران تھا، کہ جناب خالدؓ نے تو سب کچھ کہہ دیا ہے۔ وہ فراست کے ردعمل کے لفظ سے بے حد متاثر ہوا۔ وہ واپس چلا، لیکن اُس کے قدم اُس کا ساتھ نہ دے رہے تھے۔ اُس کو مسلمانوں کی فوج اور رومیوں کی شکست کے بارے میں کوئی شک باقی نہ رہ گیا تھا۔ جلدی سے پھر جناب خالدؓ کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کی:۔

”اے سالار اگر میری جان بخشی ہو کے تو عرض کر دوں کہ وردن کی نیت خراب ہے۔ اور وہ دس رومی جو تون کو ملاقات کی جگہ پر چوری سے چھپا رکھے گا۔ لیکن اے سالار! میری عزت رکھی جائے اور جنگ کے بعد مجھے اور میرے خاندان کو پناہ دی جائے۔“

جناب خالدؓ نے منظور فرمایا اور داؤد واپس چل پڑا۔ وہاں جا کر وردن کو بتایا کہ وہ بڑا کامیاب رہا۔ بلکہ وہاں سے چلتے وقت ایک دفعہ پھر مکر مسلمانوں کے سپہ سالار کو دوبارہ تسلی دی اور مسلمان سپہ سالار مکمل طور پر میری باتوں میں آگیا وغیرہ وردن خوش ہو گیا۔

امین الامت سے مشورہ

جناب خالدؓ حیران تھے پہلے تو انہوں نے خیال کیا کہ راز کو راز رہنا چاہیے کہ وہ خود جا کر رات کو چھپے ہوئے دس رومیوں کا کام تمام کر دیں لیکن جب اپنے نائب جناب امین الامت سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا نہیں ایسا مسلمان۔ یہ معاملہ اہم ہے۔ ضرر یا کسی اور بہادر مجاہد کو بھیج کر اُن چھپے ہوئے رومیوں کو ختم کر دیا جائے۔ اور جب مکمل تسلی ہو جائے اور تمام رومی چپکے سے ختم ہو جائیں تو آپ تب وہاں جائیں اور اگر مسلمان مجاہد رومیوں کو ختم نہ کر سکے اور اُن میں سے ایک بھی واپس لشکر میں پہنچ گیا تو وردن آگے نہیں آئے گا یا وہ دغا بازی کوئی اور شکل دے دیں گے۔

اس لئے یہ سارا معاملہ بڑی سوچ سمجھ سے کرنا ہے، جناب خالدؓ نے جناب ابو عبیدہؓ کی رائے کی بڑی تعریف کی اور جناب ضرارؓ سمیت دس مجاہدین کو اس کام پر مقرر کیا جنہوں نے رات کو ہی خفیہ چوری کر انہوں نے رومیوں کا کام تمام کر دیا ہے۔

وردن کا حشر

صبح سویرے وردن نے شاہی لباس پہنا۔ سر پر میروں سے جڑی ہوئی کئی درہم کی ٹوپی رکھی اور رنگین کوٹ پہنا۔ کندھوں پر سے جھاریں لٹک رہی تھیں ایک خوبصورت پیٹی کے علاوہ کوٹ پر جھار والی توش دان پہنے ہوئے تھا تواریٹی کے ساتھ لٹک رہی تھی اُس کے میان پر میرے جواہرات جڑے ہوئے تھے اور تلوار کی ہتھی پر سونے کا طبع چڑھا ہوا تھا اور وہ پیدل اور اکیلا تھا اور بڑے تفاخر والی چال کے ساتھ آہستہ، آہستہ آگے چل رہا تھا کہ وہ بہت بڑا معرکہ سر کرنے والا ہے جیسے ہی جناب خالدؓ اُس کے نزدیک پہنچے جو حضور پاکؐ کے تراشے ہوئے بالوں سے سلی ہوئی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ تو وردن نے نہایت کمینہ پن اور جھوٹے تفاخر کا مظاہرہ کیا اور ایک لمبی چوڑی تقریر جھاڑ ڈالی جس میں عربوں کی خستہ حالی کا ذکر تھا۔

جناب خالدؓ نے فرمایا: خاموش رہو رذیل میں آخری دفعہ تمہیں تنبیہ کرتا ہوں کہ اسلام قبول کرو یا

جزیہ دو۔

وردن نے یہ سن کر مقرر شدہ اشارہ کر دیا کہ چھپے ہوئے رومی مسلمانوں کے سپہ سالار پر حملہ کر دیں اور چھپی ہوئی جگہ سے "دس رومی" نکلے ضرور لیکن کپڑے یاوردی رومیوں کی تھی لیکن جسم اور روح مسلمانوں کی تھی۔ اس میں یہ راز تھا کہ رومی اہل لشکر کو کوئی شک نہ پڑے۔ لیکن مسلمان اہل لشکر کی تسلی کے لئے جناب ضرارؓ نے رومی کوٹ اتار دیئے اور اپنی پستھروں میں لپیٹی ہوئی تلوار سونت کر وردن کے نزدیک پہنچ گئے ایسا کرنے میں جناب خالدؓ کو تسلی دینا بھی مقصود تھا۔

اب وردن پر کپکپاہٹ طاری ہو گئی اور جناب خالدؓ کو عرض کی کہ وہ اُس کو اپنی تلوار سے قتل کریں کہ وہ سالار لشکر ہے۔ لیکن جناب خالدؓ نے فرمایا کہ تمہاری حرکتیں سالار لشکر والی نہیں۔ اور بھوری ہے ورنہ اسلام کے عظیم فرزند ضرارؓ کی تلوار سے بھی تم جیسے رذیل کا سر کاٹنا ہمیں پسند نہیں۔ افسوس کہ میدان جنگ میں جلا د نہیں ہوتے ورنہ یہ کام اُن سے لیا جاتا۔ اور پھر جناب خالدؓ نے جناب ضرارؓ کو اشارہ کیا۔ اُن کی تلوار کی چمک کے ساتھ وردن کا سر زمین پر تھا۔

مسلمانوں کا بھرپور حملہ اب حملہ کے لئے بھی وقت موزوں تھا۔ جناب خالدؓ بھرپور حملے کے



احکام پہلے ہی دے چکے تھے۔ اب صرف اشارے کی ضرورت تھی اور مسلمان خوشی اور جوشِ جہاد میں رومیوں پر پل پڑے۔ انہوں نے دشمن کو مولیٰ گاجر کی طرح کتر کر رکھ دیا۔ بے شک رومی بہادری سے لڑے۔ لیکن بہت جلد میدانِ جنگ رومیوں کی لاشوں سے بھر گیا اسی دوران جناب خالد نے جناب یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ریزہ دستوں کو ایک بڑے حملے کا حکم دے دیا۔ پھر کیا تھا اہل روم کی رہی سہی سکت بھی ختم ہو گئی۔ جناب یزید کے دینے دشمن کی صفوں کے اندر گھس گئے۔ اور رومی نائب کمانڈر قبوقلا کو بھی ہلاک کر دیا اب جس فوج کے کمانڈر اور نائب کمانڈر ہلاک ہو جائیں۔ اور بڑے بڑے امرا یعنی طبریہ اور عمان کے فوجی گورنروں سمیت کافی جرنیل ہلاک ہو چکے ہوں اس فوج کے لئے کسی تربیت کے ساتھ لڑنا مشکل ہو گیا تھا۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے بغیر کسی تربیت کے میدانِ جنگ کو چھوڑنا شروع کر دیا۔

رومیوں کی شکست اور مسلمانوں کا تعاقب

بے ترتیب پسپائی ہمیشہ مہنگی پڑتی ہے اور رومیوں کو زیادہ مہنگی پڑی۔ مسلمانوں نے دوسری حربی جوبوں کے علاوہ تعاقب کی کارروائی میں بھی بہت زیادہ بہارت حاصل کر لی تھی۔ اجنادین کھلا میدان تھا۔ کھلے میدان میں مسلمان تعاقب کے ماہر تھے۔ اس لئے انہوں نے باقاعدہ ترتیب کے ساتھ رومیوں کا تعاقب کیا۔ رومی ایک طرف بیت المقدس کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ رہے تھے اور دوسری طرف سمندر کی سمت میں۔ اس لئے جب تک رومی جوہ کی پہاڑیوں میں داخل ہو گئے اور سمندر کے ساحل پر نہ پہنچ گئے، مسلمان تعاقب کرتے رہے۔ روایت ہے کہ اس جنگ میں پچاس ہزار رومی مارے گئے۔ مسلمان شہداء کی تعداد صرف ساڑھے چار سو کے قریب تھی۔ لیکن مسلمان مجاہدین میں لا تعداد لوگ زخمی ہوئے۔ رومیوں کے اس طرح قتل ہونے کی وجہ ان کی طرزِ جنگ تھی جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہاں اکیلے انسان کی حربی نوجی یا پھرتی کسی کام نہ آتی تھی۔ وہ صف باندھ کر بجاری ہو کر لڑتے تھے۔ مسلمانوں کی طرزِ جنگ نے ان کو ہوش بھی نہ آنے دیا۔ مسلمانوں کی یہ ایک عظیم فتح تھی۔ رومی پچھلے تین ماہ سے اس علاقے میں جنگ لڑ رہے تھے اور برسی حکمت عملی اور تدبیرات کے تحت یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ لیکن یہ تمام فوج دودن کی کارروائی میں صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔ گو اہل مغرب یا اہل یورپ جنگ کے واقعات سے آگاہ ہیں۔ لیکن ان کا تعصب آج بھی حقیقتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

جنگِ اجنادین پر یہ سچ جرنل فلر کا تبصرہ :- اس صدی کے ایک مشہور مورخ اور مبصر سچر جرنل

فلرنے دنیا کی عسکری تاریخ پر جتنی کتابیں لکھی ہیں اتنی کسی اور مبصر نے نہیں لکھیں۔ سب کتابوں کی تفصیلی والی بات لمبی ہو جائے گی۔ لیکن اُس کی تین کتابوں کا ذکر ضروری ہے جس میں اُس نے دنیا کی ڈیڑھ سو سے زیادہ اُن جنگوں کے واقعات اور تجزیے پیش کئے ہیں جو اُس کے لحاظ سے فیصلہ کن تھیں۔

اب فیصلہ کن جنگ وہ ہوتی ہے، جس کے نتائج تاریخ پر اثر کریں یا تاریخ کا دھارا تبدیل کر دیں۔ یا لڑائی کے فن یا تدبیرات یا حکمت عملی میں کوئی بڑی تبدیلی پیدا ہو۔ تاریخ کے دھارے میں تبدیلی کی صورت میں سیاسی تجزیے اور فوجی خوبیوں میں پیش رفت کے سلسلے میں حربی داؤد کے بصرے پیش کرنے پڑتے ہیں ہماری ان کتابوں میں اسی پہلو کو مد نظر رکھا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ اسلام کی ہر جنگ سیاسی تبدیلی لانے کے لئے کچھ کارروائی تھی یا فیصلہ کن تبدیلی لائی۔ اور جنگی حکمت عملی، تدبیرات اور فن حرب کے میدان میں مسلمانوں نے دنیا کو حیران کر دیا اور بہت بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی اس لئے اہل اسلام کی ساری جنگیں فیصلہ کن ہیں۔ لیکن چند جنگوں کو تو بڑی فوقیت حاصل ہے جن میں جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خندق، جنگ موتہ، جنگ یمامہ، جنگ سلاسل، جنگ قادسیہ، جنگ نہاوند، جنگ اجنادین اور جنگ یرموک سیاسی اور فوجی لحاظ سے دنیا کی بہت بڑی فیصلہ کن جنگیں ہیں۔

اہل مغرب کا تعصب

لیکن تعصب سے اندھے جنرل فلرنے جو مغربی دنیا کی ڈیڑھ سو سے زیادہ لڑائیوں یا جنگوں کا ذکر کیا ہے ان میں پچھلے چودہ سو سال میں واقع ہونے والی مسلمانوں کی صرف تین یا چار جنگوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک الپ ارسلان کی جنگ ایک صلاح الدین کی جنگ ایک ہسپانیہ میں مسلمانوں کی شکست اور ایک سلطنت عثمانیہ کی جنگ مغربی دنیا کے زمانہ قبل از مسیح کی بھی پندرہ بیس جنگوں کا ذکر کر دیتا ہے جن کے اثرات چند سالوں کے بعد مٹ گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا نام نہیں لینا چاہتے اور یہ بھی تو بڑے تعصب کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن ہر ایک کی ڈنلی الگ الگ ہے۔ گلب کا تعصب یہ ہے کہ مسلمان جنگجو کیوں ہیں۔ فلر کا تعصب یہ ہے کہ مسلمانوں کی جنگجو یا نہ کارروائیوں پر پردے ڈالے جائیں۔ اب سب جنگوں کے اثرات کو دہرنے کی بجائے اگر صرف اجنادین کی جنگ کو لیں کہ اس فتح نے شام کی فتوحات کے دروازے کھول دیئے اور صدیوں پرانی اہل روم کی سلطنت کو ایسا دھچکا لگا کر اُس کے پرچے اڑنے شروع ہو گئے۔ اور یہ جنگ دراصل اب بھی جاری و ساری ہے ایک طرف

اہل حق ہیں یعنی مسلمان۔ اور ادھر اہل باطل، کبھی اہل روم کے روپ میں کبھی سلیبوں کے روپ میں اور کبھی یہودیوں کے روپ میں۔ پھر باطل نے سوداگروں کا روپ دھارا۔ اور سوداگر بن کر پہلے ہماری تجارت پر قبضہ کیا۔ باطل ناسف پھیلا یا۔ ہمارے اندر داخلی خلفشار پیدا کیا۔ ہمیں عرب اور ترک بنایا۔ ہماری وحدت کو پارہ پارہ کیا اور یہ کام اب بھی جاری و ساری ہے۔ توسیسی لحاظ سے جنگ اجنادین اتنی فیصلہ کن تھی۔ اور فوجی نظا سے مستحکم طرز جنگ والوں نے ہماری بھرم فوجوں کو ٹھس ٹھس کر دیا بندوبستی دم نہ رکھنے سے بلکہ پھلکے ہو کر فوجوں میں جو حرکت پیدا ہوئی تو دنیا چھوٹی ہو گئی اور دور دراز کے علاقے نزدیک ہو گئے۔ لیکن جنرل فلر کو ان میں سے کوئی بات بھی نظر نہ آئی۔

جنرل فلر کی کتاب

چنانچہ جنرل فلر کی یہ کتاب ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی۔ ہمارے ملک کی کوئی ہی فوجی لائبریری یا فوجی یونٹ ہوگی جس میں یہ کتاب نہ ہو۔ بلکہ پاکستان میں اس کتاب کی دوسری اشاعت کا بندوبست ہوا۔ یہ فلر اپنی جینٹلمین کو ہاتھی بنا کر پیش کرتا ہے اور ہمارے شیر بھی اُس کو نظر نہیں آتے۔ اور حضور پاک کے زمانے سے لے کر اجنادین کی جنگ تک تمام واقعات کو جس طرح بیان کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ اُس کو حرف بھرنے نقل کر کے قارئین کے سامنے پیش کیا جائے اور پھر قارئین خود ہی فیصلہ کریں کہ یہ لوگ تفتاب کی وجہ سے کس طرح اندھے ہو جاتے ہیں۔ جنرل موصوف لکھتے ہیں:-

”جب مارچ ۶۴۳ء عیسوی میں اصل سلیب عیسائیوں کو مل گئی۔ تو ایک نیا جھگڑا شروع ہو گیا جو ایک ہزار سال جاری رہا۔ اسی سال کے موسم خزاں میں (حضرت) محمدؐ نے بہر (بدر) کی جنگ جیت کر عرب کی حکومت سنبھال لی۔ ہاں ایک بہم جو مسلمانوں نے موتہ کے مقام پر بھیجی اس کو رومیوں کی ایک سرحدی چوکی نے شکست دیدی اس کے تین سال بعد مسلمانوں کے پیغمبر وفات پا گئے تو چونکہ اُن کا کوئی بیٹا نہ تھا تو (حضرت) ابو بکرؓ اُن کے جانشین بنے۔ عرب قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور جگہ جگہ بغاوت ہو گئی۔ لیکن آخر عقبہ کے میدان (جنگِ نامہ) میں (حضرت) خالد بن ولیدؓ نے اہل مکہ (بنو حنیفہ) کو شکست دے دی اُس کے بعد فتح مند فوج کے پانچ سو جوانوں

عربیکٹ کے اندر کے الفاظ فلر کے نہیں۔ وہ مضمون کو واضح کرنے یا ادب کے طور پر لکھے گئے ہیں۔

کے ساتھ (حضرت) ابو بکر رضی اللہ عنہ نے (حضرت) خالد بن ولید کو عراق بھیج دیا اور تین چھوٹے چھوٹے دستے شام میں عیسائی عربوں کی مدد کے لئے بھیج دیئے کہ ان لوگوں نے مسلمانوں سے مدد طلب کی تھی کہ وہ بازنطینی (روم) حکومت کو ٹیکس نہیں دینا چاہتے تھے۔

جب یہ چھاپہ مار دستے شام کی طرف آئے، تو ہرقل اس زمانے میں شام میں تھا۔ اور اُس کو عیسائی عربوں پر بھروسہ تھا اس لئے اُس نے مسلمانوں کو روکنے کے لئے کوئی تیاری نہ کی۔ لیکن اب ان حالات کے تحت اُس نے اپنے بھائی کو فلسطین بھیج دیا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کیا جائے۔ جب حضرت خالد بن ولید کو اس کا پتہ چلا تو وہ بجلی کی تیزی سے حیرہ سے پامریا ہوتے ہوئے دمشق کے نزدیک پہنچ گئے اور وہاں سے بڑی مشکل کے ساتھ باقی تین دستوں کے ساتھ مل سکے اور آگے یروشلم (بیت المقدس) اور غزہ کے درمیان اجنادین کے مقام پر ایک شاندار فتح حاصل کی۔

تبصرہ

قارئین۔ دروغ گوئی کی کوئی حد ہوتی ہے۔ اول تو ساری اسلامی تاریخ کو چند لفظوں میں بیان کر کے حالات کو کمتر کرنے کی یہ ایک فضول کوشش ہے۔ حضور پاک کے زمانے کی اُس کو صرف دو لڑائیاں نظر آئیں اور مرتدین کی مہات میں صرف یمامہ کی جنگ، پھر جناب خالد بن ولید کے پانچ سو جوانوں نے سارا عراق فتح کر ڈالا۔ یہی نہیں بلکہ حیرہ سے ان پانچ سو جوانوں نے ایک ہزار میل سے لمبا سفر اس لئے طے کیا کہ تین مسلمان دستوں کو مدد دینا تھی۔ تو ان دستوں کی تعداد پانچ سو سے ضرور کم ہوگی کہ اتنے دور سے پانچ سو آدمی ان کی مدد کو آئے۔ اور شاید فی دستہ اگر پانچ سو کی تعداد بھی مان لیں تو کل دو ہزار آدمیوں سے جناب خالد بن ولید نے اجنادین کے مقام پر بقول جنرل فلر شاندار فتح حاصل کی۔ شاندار کا لفظ لکھ کر جنرل فلر نے اپنے پچھلے تعصب پر پردہ ڈالنے کے کوشش کی۔ اب اگر ہم اہل مغرب کے تعصب اور سازش کے مضمون میں چلے گئے تو اپنے مقصد سے دور چلے جائیں گے۔ البتہ پانچویں باب میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کے تحت اسلام کے سپہ سالاروں کے کوچوں اور جنگی حرکت کی کچھ تفصیل دے کر ہم اپنا پہلو ضرور اجاگر کریں گے۔ اور یہاں پر صرف یہ اضافہ کریں گے۔ کہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم جنرل فلر اور جنرل دیول جیسے لوگوں کی کتابوں سے علم سیکھنا چاہتے ہیں۔

۷ برانہ مان ذرا آزما کے دیکھ ۱ سے

فرنگ دل کی حسرتیں، فرد کی معموری (اقبال)



نتائج و اسباق

۱۔ جنگ اجنادین اہل روم کے خلاف پہلی بڑی فتح تھی اور اس کی وجہ سے شام و فلسطین میں اہل اسلام کے لئے دروازے کھل گئے اور چند سال بعد ان ملکوں میں اللہ اور رسول کا نام بلند ہونا شروع ہو گیا اور گویہ علاقے اکثر میدان جنگ بنتے رہے اور باطل یہاں آکر ہمیشہ ہمارے ساتھ ٹکر لیتا رہا۔ لیکن اہل حق نے بھی ان علاقوں میں بڑی بڑی قربانیاں دے کر اللہ اور رسول کا نام بلند رکھا۔ اسی خطے میں عماد الدین زنگی، نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، سلطان بیبرس وغیرہ نے صلیبوں کے بلغار کور و کا اور اس خطے کے مجاہدین نے منگولوں کے سامنے دیوار بن کر قربانی دی۔ اور یہاں آجکل بھی ایک قلعہ برپا ہے اور اللہ کے بندے قربانی دے رہے ہیں۔

۲۔ اسی جنگ میں مسلمانوں نے اپنی متحرک کارروائیوں کا لوہا منوایا اور پہلی دفعہ ریگستان سے تھوڑا آگے نکل کر زرخیز علاقوں میں جنگ کر کے اپنی اعلیٰ تر حکمت عملی اور تدبیرات کو چار چاند لگا دیئے۔

۳۔ مسلمان کا کوچ، بردقت اجتماع، بغیر بندوبستی دم کے گزارہ، جذبہ جہاد، حیران کن کارروائیاں، فلسفہ حیات، حربی خوبیاں، بھپٹنے پلٹنے کا طریقہ ایک ایک پہلو میں ہمارے لئے اسباق موجود ہیں۔

۴۔ جنگ کے لئے صحیح صف بندی، جس کو آجکل صحیح دفاعی پوزیشن کہتے ہیں۔ نوبی تدبیرات کا بنیادی پہلو ہے اور مسلمان ہمیشہ ایسی صف بندی کرتے تھے جس کو جلد متحرک کر سکتے تھے۔ چنانچہ ہمارے دفاعی پوزیشن بھی ایسے ہونے چاہئیں جن کو متحرک کیا جاسکے۔ دشمن پر حملہ یا جوابی حملہ مسلمانوں نے حضور پاک کی سنت کے طور پر اکثر بعد دوپہر کیا۔ بے شک ایسا کرنے سے دشمن کے پاس رد عمل کے لئے روشنی کے اوقات تھوڑے رہ جاتے ہیں۔ ہمیں بھی اس پہلو کا اور مطالعہ کرنا چاہیے۔

۵۔ حیران کن کارروائی جناب فرارہن کی دشمن کے ساتھ کبڈی "مبارزت میں دشمنوں کو نیچا دکھانا۔ حملہ کر کے شیر کی طرح بھپٹنا اور پھر پلٹ کر جھپٹنا۔ دشمن کے مکر و فریب اور دغا بازی کا بردقت قلع قمع، سب ایسی کارروائیاں ہیں جن سے مومن کی فراست نکلتی ہے۔ اگر ہم ایسی فراست کے خواستگار ہیں تو یہ ہمیں انگریزی سکولوں یا غیروں کے مکتبوں میں نہ مل سکے گی۔

گرچہ مکتب کا جواں زندہ نظر آتا ہے مگر وہ ہے! مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس

پرورش دل کی اگر مد نظر ہے تجھ کو
مرد مومن کی نگاہ غلط انداز ہے بس (اقبال)
”محراب گل افغان کے افکار“

۴۔ حضور پاک سے سیکھے ہوئے طریقے کے مطابق تعاقب کرنا۔ اور تعاقب میں دشمن کا اور زیادہ نقصان کرنا۔ یعنی فتح کے فوری عطیات اور ثمرات وصول کرنا یہ بھی اہم فوجی سبق ہیں لیکن بڑا فوجی سبق یہ ہے۔ کہ فتح کو جاری و ساری رکھا جائے جس کا ذکر اگلے باب میں ہے کہ مومن کی منزل کی کوئی انتہا نہیں۔
۵۔ فرنگ سے بہت آگے ہے منزل مومن قدم اٹھا! یہ مقام انتہائے راہ نہیں
”محراب گل افغان کے افکار۔ (اقبال)“

۷۔ مسلمانوں کے دادی یرموک کو پھوڑ دینے سے اہل روم کا ایک فوری رد عمل بھی تھا۔ شمالی شام میں جو افواج موجود تھیں وہ جلدی سے دادی یرموک، طبرہ بلیان اور فحل کے علاقوں میں آگئیں۔ بلکہ کچھ دستے عمان تک بھی پہنچ گئے۔ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ اہل روم نے اردن میں بہت کم فوج رکھی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ دوسری دفعہ مسلمان یرموک کی وادی تک آسانی سے پہنچ گئے۔ پہلی دفعہ گوجنا خالد بن سعید کی فوجوں کو ناکامی ہوئی۔ لیکن دوسری دفعہ مسلمان اپنی مرضی سے دادی یرموک سے کوچ کر کے اجنادین چلے گئے۔ اہل روم کے لئے ضروری تھا کہ مسلمانوں کے خالی کئے ہوئے علاقوں پر قبضہ کے لئے مضبوط فوج بھجیں اور انھوں نے ایسا کیا کہ اجنادین میں فتح یا شکست یا معاملات کے بین بین ہوتے ہوئے بھی ضروری تھا کہ اہل روم اب تمام بلاد شام میں جگہ جگہ مضبوط فوجی چوکیاں بنائیں۔ بہر حال اجنادین کی شکست کے بعد رومیوں کی جو فوج بھاگی وہ بھی یرموک اور فحل وغیرہ کے مقامات پر جا کر رگ گئی۔ تو اب اجنادین کی جنگ کے بعد مسلمانوں کو کچھ ایسے علاقے بھی دوبارہ فتح کرنے پڑے جہاں پہلے وہ آسانی کے ساتھ پہنچ گئے تھے۔ اس حکمت عمل کی وضاحت پانچویں اور چھٹے باب میں کی جائے گی۔

۸۔ آخر میں ہم مسلمانوں کی کامیابی کا سبب بھی بیان کریں گے۔ ان کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ حق کے لئے لڑتے تھے حق کے لئے لڑنے والے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کو غیرت عطا کر دیتا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی غیرت کو خودی کا نام دیا ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے علامہ کے لفظ خودی کو پسند نہیں کیا کہ اس سے تکبر کی بو آتی ہے اور ایسے لوگوں میں کسی فقرا اور سید قطب شہید بھی شامل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمان عاجز ہے اور خودی کے لفظ سے اگر تکبر نہ بھی آئے تو غلط قسم کا تفاخر

ضرور آجاتا ہے جو غیر اسلامی ہے۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے اور نہ اس بحث کی یہ جگہ ہے۔
 ہمارا خیال ہے کہ علامہ کا خودی سے مطلب غیرت تھا۔ اور غیرت بالکل اسلامی چیز ہے اپنی اس رائے کے
 سلسلے میں علامہ اقبال کا یہ شعر شہوت مہیا کرتا ہے۔
 ۵ تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے

جو رہی خودی تو شاہی۔ نہ رہی تو روسیاہی۔

پانچواں باب

جناب صدیق اکبر کی وفات اور فاروق اعظم کی خلافت

یرموک کی پہلی جنگ

جناب صدیق اکبرؓ نے جمادی الثانی تیرہ ہجری کے پہلے دس بارہ دنوں میں اجنادین کی فتح کی خوشخبری سن لی تھی اور عراق و شام کی فتوحات کے لئے جس حکمت عملی کے بڑے "زمانہ مکان" کے حساب کتاب کا انہوں نے تعین کیا تھا، وہ پھل لے آئی۔ اس کے بعد آپ بیمار ہو گئے۔ اور اسی بیماری کے دوران عراق سے جناب مثنیٰ بن عمارؓ آئے، جنہوں نے بابل کی فتح کی خوشخبری سنائی۔ لیکن ساتھ ہی آئندہ کے حالات کے پیش نظر ایران و عراق میں اور زیادہ کمک کی ضرورت پر زور دیا۔ یہ سب کچھ ہم پہلی کتاب کے سترھویں باب میں بیان کر چکے ہیں۔ جناب صدیق اکبرؓ نے اپنی سوادِ سال یا اس سے بھی کم مدت میں جو فوجی کارروائیاں سرانجام دیں یا جن فوجی مہمات سے کام لیا۔ ان کو اگر دنیاوی پیمانوں سے بھی ناپا جائے تو ان کے عشرِ عشر کی مثال بھی مشکل سے ملتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جناب فاروقؓ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جناب ابوبکر صدیقؓ کو کچھ کر گئے، ہمارے لئے بڑی مشکل پیدا کر گئے کہ ہم اُس سے آدھا کام کرنے کے بھی قابل نہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی کتاب کے سترھویں باب میں جہاں جناب صدیق اکبرؓ کی ذکر آیا تو واضح کیا گیا تھا کہ آپ کی وفات اور آپ کی کارروائیوں کا خلاصہ سلسلہ دوم میں پیش کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم آپ کے زمانے میں شام کے حالات اور حکمتِ عملی کے بیان کے بعد اپنا تجزیہ پیش کرنا چاہتے تھے۔

جناب صدیق اکبرؓ کی متحرک کارروائیاں

سلسلہ اول کے پہلے دس نقشوں اور اس حصہ کے چار نقشوں کے مطالعہ سے، کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ جناب صدیق اکبرؓ کے زمانے میں کتنی متحرک کارروائیاں ہوئیں۔ پہلے آٹھ ماہ میں جو گیارہ لشکر تیار کیے گئے ان میں سے ایک جناب خالدؓ کے سفر کو اگر ناپا جائے تو وہ ایک ہزار میل کے قریب بنتا ہے اور اسی طرح نو اور لشکروں نے اتنے ہی لمبے یا اُس سے کچھ زیادہ سفر کئے پھر پانچ ماہ سے کاظمہ ہوتے ہوئے حیرہ تک جناب خالدؓ نے کم از کم ایک ہزار میل کا سفر طے کیا اور اتنا ہی اجنادین تک۔ لیکن حیرہ سے عین التمر۔ دومتہ الجندل اور فراض وغیرہ

کی جہات الگ تھیں۔

تو اکیلے جناب خالدؓ نے جناب صدیق اکبرؓ کے زمانے میں کم از کم پانچ ہزار میل کا تو صرف سفر ہی طے کیا۔ اب پہلے نو لشکروں کے علاوہ چار اُن لشکروں کے سفر کو بھی گنا جائے جو اب فتوحات شام کے لئے آئے ہوئے تھے تو تمام لشکروں کی سفر جو جناب صدیق اکبرؓ کے زمانے میں ہوئے وہ کوئی بیس ہزار میل کے قریب بنتے ہیں۔ جو علاقے فتح کئے وہ کئی ہزار مربع میل تھے۔

سرسری طور پر فتوحات کا اندازہ نقشہ دوم سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ خود مختار طور پر سترہ سپہ سالاروں نے آپ کی ہدایات پر ایک یا ایک سے زیادہ جہات یا فتوحات کی کمانڈ کی جن میں جناب خالدؓ، عمرو بن عاصؓ، شرجیلؓ، طریفؓ، خدیفہؓ، عرفجہؓ، علاءؓ، مہاجرؓ، سویدؓ، خالد بن سعیدؓ، عکرمہؓ، ولید بن عقبہؓ، ابو عبیدہؓ، یزیدؓ، عیاض بن غنمؓ، شیبیؓ اور عقبہؓ وغیر ان شامل ہیں۔ اتنے لشکر تیار کرنا، اُن کو ہدایات دینا، اُن کو لگ بھگ پہنچانا اور زماں و مکاں کا حساب کر کے اُن سے کام لینا تو دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ جناب صدیق اکبرؓ نے اول مرتبہ کا قلع قمع کیا پھر فتوحات کو بین الاقوامی حیثیت دی۔

سیاسی نتائج

جنگِ یاتنگ کی حکمتِ عملی کا اندازہ جنگوں کے سیاسی نتائج سے لگایا جاتا ہے۔ اور جناب صدیقؓ کے زمانے کی جنگوں کے سیاسی نتائج اتنے عظیم ہیں کہ دنیا کا کوئی پیمانہ اُن کو نہیں ناپ سکتا۔ قوم میں وحدت اور مرکزیت پیدا کرنے کے علاوہ آپ کی وفات کے وقت مسلمانوں کے لشکر ایک طرف ایرانی دارالخلافہ مدائن میں داخل ہونے کے لئے ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ تو دوسری طرف رومی سلطنت کے ایشیائی دارالخلافہ میں داخل ہونے کے لئے رواں دواں تھے۔ بلکہ ان دونوں مقامات کے دروازے بھی کھٹکھٹائے تھے بے شک حضور پاکؐ کے بعد جناب صدیق اکبرؓ دنیا کے دوسرے نمبر کے عظیم ترین سپہ سالار اعظم ہیں۔

زماں و مکاں

آپ کی حکمتِ عملی، تجاویز اور تدبیرات کے "زماں و مکاں" کے پہلو کی خاص قسم کے مطالعہ کی ضرورت ہے اور یہ ایک الگ باب کا موضوع ہے ہم گنہگار اس سلسلہ میں جو سمجھ سکے وہ بیان کر دیا۔ لیکن یہ مطالعہ چونکہ عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہے اور صرف وہ لوگ اس میں غوطے لگا سکتے ہیں جو فوجی حکمتِ عملی کے خاص

شکدہ بڑھ رکھتے ہوں۔ اس لئے اس پہلو کی خواہش کو مطالعہ کی دعوت دی جاتی ہے۔ ہم صرف سرسری طور پر کہہ سکتے ہیں، کہ آپ کی تمام تر تجاویز اور حکمت عملی کی بنیاد اُس فلسفہ حیات اور زندگی کے اُن مقاصد پر تھی جو قرآن پاک میں موجود ہیں اور حضور پاکؐ نے اُن کا عملی نمونہ پیش کیا جس کو ہم سنتِ رسولؐ کہتے ہیں قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ اس گنہگار اور فقیر کے قلم سے جناب عبداللہ، عتیق کے لئے صدیق اکبرؐ کے الفاظ ہی نکلے ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہم بھی کسی جگہ ہے کہ اشاریہ بنتے وقت حوالوں میں آسانی ہو۔ لیکن جب کسی عقیدہ یا راز والی بات کا ذکر تھا تو الفاظ یا راز غارؓ لکھے گئے۔

کوئی لکھنے والا جو اپنے دل کی آواز لکھے وہ اپنے قلم کے لئے کسی ایسے اصول کا تعین نہیں کرتا۔ قلم خود بخود ایسے الفاظ لکھ جاتا ہے۔ "یار غارؓ یا چار یار" وہ الفاظ ہیں جو ہم نے زیادہ تر اپنے بزرگوں سے سنے ہیں۔ لکھنے والے لوگوں نے یہ الفاظ کم استعمال کئے ہیں۔ دراصل بچپن میں اس سلسلے میں جو کچھ ہمیں سمجھا یا گیا وہ یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کی بلندیوں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ پھر دہاں بھی اہل بیت۔ اہل صفہ اور عشرہ مبشرہ کی الگ بانٹ ہے۔ لیکن چار یار والی بات کی بلندیوں کو کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی کہ وہ کچھ باتوں میں ہم راز تھے۔ یہاں لفظ کچھ استعمال کیا گیا ہے کہ حضور پاکؐ کی شخصیت کو سمجھنے سے یار غارؓ نے بھی عاجزی کا اظہار کیا ہے۔

یار غارؓ

بہر حال یار غارؓ اور صدیق اکبرؓ کے خطاب صرف اور صرف جناب عبداللہ بن ابوقحافہؓ کے لئے ہیں اور ان میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ صدیق اکبرؓ یعنی ایسا صدق اور ایسا امانا و صدقنا جو سب سے بڑا ہے۔ وہ صرف آپؐ تک محدود ہے، اور سپہ سالاری کے کاموں میں حضور پاکؐ کے بعد آپ کو دوسرے نمبر پر رکھنے میں ایک طرف اگر امانا و صدقنا ہے تو دوسری طرف ان فتوحات کی حکمت عملی میں یار غارؓ کے طور پر آپ حضور پاکؐ کے ہمراز تھے کہ جناب اسامہ بن زیدؓ کے شکر کو امانا و صدقنا کے تحت بھیجا گیا لیکن ہمراز ہونے کی وجہ سے نتائج سے بھی آگاہ تھے۔ چنانچہ فوجی حکمت عملی جس زمان و مکان کے تحت تعین کی گئی تھی ایک کارروائی۔ اُس سے فتح، اور فتح سے لگے کارروائی پھر رواں دواں یہ سب پہلو اتنے دقیق اور عمیق ہیں کہ اس کی گہرائی میں جتنے غولے لگائے جائیں یا وسعتوں کو ناپنے کی کوشش کی جائے یا بلندیوں کی طرف نظر کی جائے یا باریکتی سے دیکھا جائے تو معاملات اور زیادہ گہرائی اور پھیلاؤ وغیرہ اختیار کرتے جاتے ہیں اور ہم اس سلسلے



میں ان تمام کمالات کی وجہ علامہ اقبالؒ کی زبان میں بیان کرتے ہیں۔

ہ پروانے کو چسپاں ہے بیل کو پھول بس

صدیقؒ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس (اقبالؒ)

آخری لمحے

اور پھر بار غارؒ نے پوچھا آج کونسا دن ہے۔ عرض کی گئی کہ سوموار۔ فرمایا: بخدا میرے لئے یہ عزیز ترین دن ہے کہ میرے آقاؐ نے اسی دن اس جہان دنیا سے رحلت فرمائی۔ اور میں بھی اسی دن اس جہاں سے رخصت ہو کر آپؐ کی صحبت میں شامل ہونا پسند کروں گا۔ پھر حضرت عائشہؓ کو بلا لیا اور فرمایا: بیٹی حضور پاکؐ کا کفن کتنی چادروں کا تھا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تین چادروں کا تو خاتمہ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ بخدا یہ پرانی چادر جو میں نے پہنی ہوئی ہے۔ اس کو شامل کر کے دو اور چادریں لے لینا اور میرے جسدِ خاکی کو میرے آقاؐ کے پہلو میں بنا دینا اور میرا وقت قریب آ گیا ہے آج رات ہی مجھے دفن کر دینا۔

قارئین! ہم جناب صدیق اکبرؓ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں۔ ہم جائزہ تو فوجی حکمتِ عملی کا پیش کر رہے ہیں جو سراسر جلال ہی جلال ہے۔ لیکن جمال پیدا کرنے کے لئے عشق و محبت کی باتوں کا بیانا ضروری ہوتا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہمارے فلسفہٴ حیات کا حصہ ہیں اور فوجی حکمتِ عملی کی بنیاد بھی فلسفہٴ حیات کے ڈھانچے پر ہوتی ہے اور ہاں آپؐ اسی رات وفات پا گئے اور آپؐ کا جنازہ آپ کے نامزد جانشین جناب عمر فاروقؓ نے پڑھایا۔

جناب فاروق اعظمؓ کی خلافت

کتابوں کے اس سلسلے کے سلسلہ اول میں جناب فاروق اعظمؓ کی خلافت کے لئے نامزدگی کا تذکرہ باب میں ذکر ہے کہ کس طرح جناب صدیق اکبرؓ نے آپ کو ایران و عراق کی فتوحات کے لئے حکمتِ عملی کے تحت جناب منشی رضی بن عمارت کو کمک بھیجنے کی ہدایات فرمائیں۔ ہم یہاں سب باتوں کی تفصیل میں نہیں جائیں گے اور صرف چند پہلوؤں کی وضاحت کریں گے۔

جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نامزد فرمایا۔ آپ کا جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ کوئی خونی رشتہ نہ تھا اور نہ اسلام سے پہلے جناب فاروق رضی اللہ عنہما کو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہما کے رفقاء میں شامل تھے جنہوں نے جناب صدیق کی تبلیغ یا رفاقت کی وجہ سے اسلام قبول کیا ان رفقاء میں جناب عثمان رضی اللہ عنہما، جناب طلحہ رضی اللہ عنہما، جناب زبیر رضی اللہ عنہما، جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما اور جناب سعد رضی اللہ عنہما وغیرہ کا ذکر تو آتا ہے۔ لیکن جناب عمر رضی اللہ عنہما کا جناب صدیق رضی اللہ عنہما کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہیں بتایا جاتا۔

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کا جناب فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ بڑا رشتہ تو اللہ اور رسول کے واسطے سے تھا۔ لیکن ایک پہلو واضح تھا کہ دونوں نے مل کر جتنی حضور پاک کی رفاقت کی وہ کسی اور صحابی کو نصیب نہ ہوئی۔ خود جناب علی المرتضیٰ نے روایت کی ہے کہ حضور پاک جب کبھی اپنے مشاہدات بیان فرماتے تھے تو اکثر اس طرح بات کی بنیاد باندھتے تھے کہ میں، ابوبکر رضی اللہ عنہما، عمر رضی اللہ عنہما جب فلاں جگہ گئے یا فلاں کام کے لئے گئے اور حضور پاک نے یہ الفاظ اس کثرت سے فرمائے اور دہرائے کہ حضرت عمر کی وفات کے وقت جناب علی المرتضیٰ نے فرمایا کہ بے شک جناب عمر کو بھی انشاء اللہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہما کی طرح حضور پاک کے پہلو میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہوگی۔

کچھ اعتراضات

اسلام دینِ فطرت ہے اور حصہ اول میں اس پہلو کی وضاحت کی گئی ہے کہ اسلام میں اپنے اختلافات کھل کر بیان کئے جاتے ہیں اور یہ کام مسجد کے اندر یا باقاعدہ مجلس میں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ متعدد صحابہ جن میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما سمیت کسی عظیم صحابہ شامل تھے، انہوں نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں صاف لفظوں میں عرض کر دی کہ اتنے سخت انسان کو مسلمانوں پر کیوں امیر مقرر کر دیا گیا ہے، جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہما نے فرمایا بخدا جب میں اللہ کے دربار میں حاضر ہوں گا تو یہ عرض کروں گا کہ اے میرے مالک تیرے حبیب کی امت میں سے بہترین شخص کو امتِ اسلامیہ کی امامت کے لئے منتخب کر آیا ہوں۔

اب لطف کی بات یہ ہے کہ ہمارے اس زمانے کے دانشور اس اختلاف کو مغربی جمہوریت کا چولہا بننا دیں گے کہ اسلام میں اختلاف باعثِ رحمت ہے وغیرہ لیکن ان کو یہ معلوم نہیں کہ حضور پاک کا مطلب تو یہ تھا کہ اختلاف کو بحث کے ذریعے حقیقتِ حال واضح کر کے طے کر لیا جائے۔ اپنی رائے کا اظہار ضرور کیا

جائے لیکن امیر یا اولی الامر کا فیصلہ سن لینے کے بعد اختلافات ادھر ہی ختم ہو جانے چاہئیں اسلام اختلافاً کو بازاروں یا سڑکوں یا کھلے میدانوں میں لے جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ کھلے میدانوں میں یا عید کی نماز پڑھ کر عاجزی کرنے کی اجازت ہے یا نماز شکرانہ یا نماز استغاثہ جہاں اپنے گناہوں کی معافی مانگی جائے کھلے میدانوں میں جلسہ جلوس اور فضول نعروں کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

جناب فاروق کا لقب

تیسرا پہلو جس کی وضاحت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ حضور پاکؐ نے جناب عمرؓ کو فاروق کے لقب سے سرفراز کیا۔ یعنی آپ امتیازی طور پر حق و باطل میں فرق کرنے والے تھے اور اس خصوصیت میں آپ غلامان محمدؐ میں ایک نمونہ ہیں۔ یارِ غارؓ نے صدق کے ساتھ اپنے آقائے احکام کو جاری و ساری رکھا، اس لئے ان کا خیال تھا کہ ایک ایسے عظیم انسان کی ضرورت ہے کہ جو حق اور باطل میں فرق سمجھ سکے اور حضور پاکؐ کے احکام کو صحیح طور پر سمجھ کر جاری و ساری رکھ سکے۔

نتائج و اثرات

چوتھا ضروری پہلو یہ ہے کہ سلسلہ اول کے پیش لفظ میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ ہم تاریخ کا تجزیہ نتائج اور نتائج کے اثرات سے بھی کریں گے۔ اور جناب فاروقؓ کی خلافت کے زمانے کی کارروائیوں کے نتائج اور نتائج کے اثرات کو بیان کر کے اس امت کا سراپا دنیا میں بہت بلند ہو جاتا ہے اور ان اعدائے پر کتابوں کی کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جائیں گی۔ اور روز قیامت کو بھی حضور پاکؐ جناب فاروقؓ کو ہماری امت کی ایک مثال شخصیت کے طور پر پیش کریں گے۔

وحدت اور مرکزیت

پانچواں اور آخری پہلو یہ ہے کہ حضور پاکؐ کے بعد جناب صدیق اکبرؓ نے جس وحدت اور مرکزیت کو قائم رکھا جناب فاروقؓ نے بھی اس مرکزیت کو اس طرح مضبوط رکھا۔ یہی مقصودِ فطرت ہے یہی ریز سلطانی اخوت کی جہانگیری، محبت کی قرادانی (اقبال)۔

وادی یرموک

گو جنگِ اجنادین سے پہلے مسلمان وادی یرموک تک پہنچ گئے تھے، اور وہاں سے آگے بڑھ کر بصری کے قلعہ کو بھی فتح کر لیا تھا۔ بلکہ جناب خالدؓ دمشق کے توحی قلعہ جات کے دروازوں کو بھی کھٹکھٹا آئے تھے۔ لیکن یرموک کی وادی میں کوئی بڑی جنگ نہ ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں ہم کہہ چکے ہیں کہ ہر قتل کی اردن کے علاقے میں کوئی بڑی فوج موجود نہ تھی۔ اور کتابوں کے اس سلسلہ کے حصہ اول میں ہم یہ بات بھی کہ چکے ہیں کہ یرموک کی وادی کسی دفعہ فتح ہوئی اور وہاں پر دو جنگیں بھی ہوئیں اس لئے کچھ واقعات کو آپس میں ملا دیا گیا۔ ہمارے تجزیہ کے مطابق یرموک کی پہلی جنگ، اجنادین کی جنگ کے فوراً بعد جمادی الثانی رجب تیرہ ہجری میں ہوئی اور بعض مورخین نے اس کو واقعہ کی جنگ قرار دیا کچھ نے اس کو واقعہ کی گھاتی کی جنگ لکھا لیکن اگر معاملہ کی گہرائی میں جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں ایک ہی چیز ہیں۔ اب چونکہ یرموک کی دوسری جنگ اور اسلام کی ایک فیصلہ کن جنگ بھی رجب کے مہینہ میں ہوئی جس کا مفصل ذکر آٹھویں اور نویں باب میں ہے، اور گودہ واقعہ پندرہ ہجری کا ہے لیکن دونوں حالتوں میں مہینہ رجب ہونے کی وجہ سے ان دونوں جنگوں کو بھی ایک کر دیا گیا۔ پھر چونکہ پرانے زمانے میں نقشوں کا استعمال نہ ہوتا تھا۔ زمینی فاصلے اور وقت یعنی زماں و مکاں کی گہرائیوں کا خیال نہ رکھا جاتا تھا۔ اس لئے ایسے اختلافات بڑھتے ہی گئے۔ ساتھ ہی تاریخ کا با مقصد مطالعہ اور خاص کر عسکری تاریخ کا با مقصد مطالعہ سب سے پہلے انیسویں صدی عیسوی میں کلاسور نے شروع کیا، کہ اُس نے فلسفہ جنگ کی وضاحت تاریخی مطالعہ سے کی۔ لیکن اسلامی عسکری تاریخ کا با مقصد مطالعہ تو کیا ہی نہیں گیا۔ کسی نے بھی گہرائی یا ریسرچ کی کوشش نہیں کی۔

مبصرین اور نقادوں کے تجزیے

بہر حال یہ عمل بڑا خوش کن ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد جنرل جان گلپ اور جنرل اکرم نے اسلامی عسکری تاریخ کی گہرائی میں جانے کی کوشش کی۔ مبصرین اور نقادوں کا کام بڑا مشکل ہے۔ یہ ایک سچیدہ ہنر ہے لیکن بد قسمتی یہ ہوتی ہے کہ ہر مبصر اور نقاد ہمیشہ سے کچھ فیصلے اپنے طور پر کر لیتا ہے یا کسی تعصب کی وجہ سے اُس نے ایک راستہ اختیار کیا ہوا ہوتا ہے اس لئے یہ مبصر اور نقاد بھی بعض معاملات کو بہتر



بین ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ جنرل گلب کے بیانات تو بڑے مختصر ہیں اور اس نے اپنے جائزوں کو صحیح ثابت کرنے کی زیادہ کوشش بھی نہیں کی۔ جنرل اکرم نے البتہ بہت محنت کی ہے۔ گو ان کے طرز بیان کے ساتھ ہمیں اختلاف ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان کے تجزیے سو فی صدی صحیح ہوں۔ اور نہ ہی راقم، کاکوئی ایسا دعویٰ ہے کہ یہ تجزیے صحیح ہیں۔ بہر حال کوشش آپ کے سامنے ہوگی اور آپ کو جو رائے صحیح معلوم ہو اسی کو اپنائیں۔

نقادوں کے اختلاف

چنانچہ اجنادین کی جنگ سے لے کر یرموک کی وادی کے واقعات فحل کی ہم یا فتح اور دمشق کی فتوحات کے سلسلے میں جنرل اکرم اور جنرل گلب میں زماں و مکان کے سلسلے میں کافی اختلافات ہیں اور میرا مطالعہ جنرل گلب کے تجزیہ کے زیادہ قریب ہے اور میں اس کی وضاحت بھی کروں گا۔ مجھے جنرل اکرم کے اس تجزیہ کے ساتھ اتفاق نہیں ہے کہ جناب خالدؓ کو دمشق کے محاصرہ کے وقت سپہ سالار اعظم کے رتبہ سے ہٹا کر یہ رتبہ جناب ابو عبیدہؓ کو دیا گیا۔ میرے لحاظ سے یہ واقعہ یرموک کی وادی کا ہے۔ اور مجھے جنرل اکرم کے اس تجزیہ کے ساتھ بھی اتفاق نہیں کہ اجنادین کی فتح کے بعد اسلامی لشکر چار جنگیں لڑ کر یا جھڑپیں کر کے پندرہ سے بیس دنوں میں اڑھائی سو میل یا اُس سے زیادہ فاصلہ بھی طے کر گئے۔ جنرل اکرم نے دمشق کی فتح کے سلسلے میں وادی کے ایک بیان کا سہارا لیا ہے، وادی کہتا ہے کہ اُس نے وہ عہدہ دیکھا تھا جو مسلمانوں نے دمشق کی فتح کے وقت واپس کے باشندوں یا فرار ہونے والے رومی لشکر کے ساتھ کیا تھا۔ اس پر جناب خالدؓ کے دستخط تھے اور جناب خالدؓ ہی سپہ سالار تھے اور چونکہ جناب عمرؓ نے خلیفہ بننے ہی جناب خالدؓ کو ہٹا کر جناب ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار اعظم بنا دیا اور چونکہ جناب عمرؓ ۲۲ جمادی الثانی تیرہ ہجری میں خلیفہ بنے۔ اس لئے دمشق رجب تیرہ ہجری میں فتح ہوا ہو گا نہ کہ رجب چودہ ہجری میں گو سب مورخین نے ایسا کہا ہے اور مزید لطفاً کی بات یہ ہے کہ وادی خود بھی کہتا ہے کہ دمشق رجب چودہ ہجری میں فتح ہوا۔ اس لئے خود وادی کے بیان میں تضاد ہے۔

اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں کہ وادی عہد نامہ پڑھنے میں غلطی کر گیا ہو یا جناب خالدؓ نے اس عہد نامہ پر جناب ابو عبیدہؓ کی طرف سے دستخط کئے ہوں اور جناب ابو عبیدہؓ نے ان کے دستخطوں

کے ثبوت میں دستخط کئے ہوں پھر یہ قرطاس، عہد نامہ کی نسبت مسلمانوں کے احکام یا حکومت کرنے کا ایک مسودہ تھا۔

زماں و مکاں کا تجزیہ

۱۔ جنگ جنادین یکم جمادی الثانی تیرہ مہجری کو ختم ہوئی۔ اُس جنگ کے بعد وہاں سے وادی یرموک کی طرف روانگی کی تاریخ کے سلسلے میں مورخین خاموش ہیں۔ لیکن ہمارے لحاظ سے تعاقب، تعاقب اولہ کی واپسی، مال غنیمت کی بانٹ، زخمیوں کی دیکھ بھال، اجنادین تک کے علاقے کا سولین انتظام مدینہ میں جناب ابو بکر رضی اللہ عنہما کی اطلاع اور آگے کی کارروائی کے سلسلے میں اطلاع دینے کے کام میں دس یا بارہ دن ضرور لگ گئے ہونگے بلکہ زیادہ مجاہدین کے ہاں بچہ کو بھی آگے منگوا یا گیا۔ اس لئے تمام اسلامی لشکر میں جمادی الثانی سے پہلے اجنادین کے مقام کو نہ چھوڑ سکے ہوں گے۔

۲۔ پرنے زمانے کے مورخین اجنادین سے یرموک تک کے دوبارہ کوچ کے سلسلے میں بھی خاموش ہیں کہ کونسا راستہ استعمال کیا گیا۔ جنرل اکرم نے واپسی کے لئے بھی جریشو اور جرش والے راستے کا تعین کیا ہے ہمارے خیال کے مطابق بحیرہ مردار سے جنوب میں درہ مواب والا راستہ ہی اختیار کیا ہوگا کہ فلسطین میں پیش قدمی کی اجازت نہ تھی اور اس راستے کے نقصانات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ کہ پہاڑوں کی تنگ ڈالوں سے گذرنا تھا اور آگے دریائے اردن کو بھی پار کرنا پڑتا تھا۔ اڈنٹ گسٹروں وغیرہ کوششیوں کے ذریعے سے دریا سے پار کرنا آسان نہیں ہوتا۔

۳۔ یرموک اور دمشق جانے کے لئے بیت المقدس والے راستے کو اختیار کرنے سے تو زیادہ بہتر یہ ہوتا کہ پہلے صوبہ فلسطین کو ہی فتح کر لیا جاتا۔ لیکن خلیفہ اول کی حکمت عملی کے تحت اور بہتر حل کے طور پر پہلے اردن اور شام کو فتح کرنا تھا اور بعد میں فلسطین کو، کہ اردن اور شام میں کارروائیوں کے وقت اپنے دوست ریگستان، اور اپنے فتح کئے ہوئے عرب و عراق کے سرحدی علاقوں کے ساتھ رابطہ قائم رہتا تھا۔ فلسطین میں ہاکرز خیز علاقوں اور پہاڑوں میں اُلجھ جانا پڑتا اور سمندر پر کنٹرول نہ کیا جاسکتا۔

۴۔ بہر حال اگر جنرل اکرم کے مطابق فلسطین والا اندرونی راستہ اختیار بھی کیا گیا تو اجنادین سے وادی یرموک تک فاصلہ کوئی ایک سو تیس میل بنتا ہے اور دریا کو بھی عبور کرنا تھا اور پہاڑوں اور ڈالوں

میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت تھی۔ دو سہراستہ زیادہ محفوظ تھا گو فاصلہ کوئی ایک سو ستر میل بن جاتا تھا اور دونوں راستوں پر سفر میں کم از کم آٹھ دنوں اور زیادہ سے زیادہ بارہ دنوں کی ضرورت تھی۔ پہلے بھی یہ سفر بارہ دن میں طے ہوا تھا اس لئے اسلامی لشکر یرموک کی دادی یا واقوصہ کی گھاٹی میں جمادی الثانی کے آخری دن یا رجب کے پہلے ہفتے سے پہلے نہیں پہنچ سکتا تھا۔ جناب صدیق اکبرؓ کا انتقال ۲۲ جمادی الثانی تیرہ ہجری کو ہوا۔ جب لشکر کسی کوچ میں ہوں گے یا کسی جگہ دشمن کے ساتھ اُلجھے ہوئے ہوں گے۔

۵۔ ہر قلعہ حصہ میں تھا۔ اجنادین کے اجتماع سے وہ بڑا پرامید تھا اور مسلمانوں کی یرموک سے اجنادین کی طرف چلے جانے کے بعد وہ بہت خوش تھا اس نے جلدی سے اردن میں یرموک، عمان اور قمل کے مقامات پر فوجیں بھیج دیں کہ اگلے احکام کا انتظار کریں لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب ان مقامات پر اجنادین سے فرار ہونے والے لوگ بھی پہنچ گئے تو ہر قلعہ نے حکم دیا کہ ملک کے چبہ چبہ کا دفاع کیا جائے۔ اس لئے جب اسلامی لشکر اجنادین کی فتح کے بعد واپس اردن آئے تو یرموک کی دادی میں انہوں نے وہاں پر رومیوں کے ایک بہت بڑے لشکر کو صف بند دیکھا۔

یرموک کی پہلی جنگ

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ واقوصہ کی گھاٹی اور یرموک کی دادی میں مسلمان اہل روم کے ساتھ برسرِ پیکار تھے۔ تو رجب تیرہ ہجری میں جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قاصد شہزادہ بن ادس وہاں پہنچا۔ قاصد ہوشیار آدمی تھا۔ پوشیدگی میں جناب عمرؓ کا خط جناب ابو عبیدہؓ کے حوالے کیا۔ اور اس خط کا ذکر کسی آدمی کے ساتھ نہ کیا۔ زبانی طور پر سب کو سلام دیا۔ اور جناب خالدؓ کو بتایا کہ خلیفہ اول نے اجنادین کی فتح کی خبر سن لی ہے وہ بڑے خوش ہیں۔ اور آپ سب کیلئے دعا فرماتے ہیں۔ جنگ جاری تھی اور کئی دن جاری رہی۔ وجہ یہ تھی کہ دفاعی لحاظ سے یرموک اہم مقام تھا اور رومیوں نے مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد کئی دفاعی چوکیاں یہاں پر قائم کر لی تھیں اس لئے مسلمانوں کو ان چوکیوں کا صفایا کرنے میں کئی دن لگ گئے۔ لیکن جنگ کی تفصیلات کسی مورخ نے نہیں لکھے سب مورخ صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد خط کے مضمون کو ظاہر کیا گیا۔

اختلاف یہاں سے شروع ہوتا ہے اور سب مورخ متفق ہیں کہ یرموک کی جنگ میں قاصد نے اگر جناب عمرؓ کا خط دیا لیکن یرموک کی بڑی جنگ چونکہ رجب پندرہ ہجری میں ہوئی۔ اور پہلی یرموک کی جنگ کو کسی نے واقوہہ کی گھاٹی کی ہنگ کہہ دیا اور کسی نے یرموک کی وادی میں ایک جنگ، اس لئے سب مورخین جس جگہ اگر لکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایسی کونسی جنگ تھی جو کسی دن جاری رہی۔

جنرل اکرم کا تجزیہ

ان حالات کے تحت جنرل اکرم اپنی کتاب "اللہ کی تلوار" میں اس نتیجے پر پہنچے، کہ واقوہہ کی گھاٹی میں جنگ صرف ایک دن رہی اور اسلامی لشکر نے مرج الصفر کی جنگ لڑی اور آگے بڑھ کر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کی مدت مورخین نے چھ ماہ سے ایک سال تک بتائی ہے۔ جنرل اکرم نے تجزیہ کر کے اس کو ایک ماہ کر دیا۔ اُن کا خیال ہے کہ مسلمان جب دمشق کا محاصرہ کر رہے تھے تو جناب عمرؓ کا خط پہنچا ہمارے لحاظ سے جنرل اکرم کا۔ زماں و مکاں۔ کا سلسلہ یہاں پر ٹھیک نہیں رہتا کہ اول محاصرہ کی مدت کو اتنا کم کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے اور دوم پندرہ بیس دن کے عرصے میں تین سو میل کا سفر بھی کیا جائے اور دو جنگیں بھی لڑی جائیں اور محاصرہ بھی کر لیا جائے۔ تو ہم اپنے پہلے تجزیہ ہی کو دہراتے ہیں، کہ حضرت عمرؓ کا خط قاصد نے یرموک کی وادی ہی میں پہنچایا اور وہاں پر کوئی جنگ جاری تھی جس کو ہم نے یرموک کی پہلی جنگ کا نام دے دیا ہے اور یہی جنرل گلب بھی کہتا ہے۔

یرموک کی پہلی جنگ کے زیادہ واقعات اگر ہماری تاریخوں میں موجود نہیں ہیں تو اُس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ اُس زمانے میں حکومت میں تبدیلی ہو گئی اور مورخین نے جنگ کو ثانوی حیثیت دیدی اور حکومت کی تبدیلی کی وجہ سے ان کے قلم کا رخ دوسرے اثرات کی طرف ہو گیا۔

فحل کی وادی (نقشہ چہارم)

اگر نقشہ کو دیکھیں تو فحل کا مقام جو دریائے اردن کے مشرقی کنارے پر ہے۔ وہ یرموک کی وادی سے جنوب کی طرف ہے۔ اگر جنرل اکرم کا اسلامی لشکر کی اجنادین سے واپسی کے راستے کا تجزیہ صحیح تصور کر لیا جائے کہ لشکر فلسطین والے راستے سے یرموک آیا۔ تو پھر یہ سمجھ نہیں آتی کہ مسلمان

نے دریائے اردن کو پار کرنے کے بعد جرش کا رخ کیوں کیا۔ کم از کم فحل کے علاقے سے تو دشمن کی سرکوبی کر کے جرش سے چند میل شمال کی طرف جا کر وادی یرموک میں داخل ہوتے۔ لیکن جنرل اکرم کے لحاظ سے تو فحل پر دمشق کی فتح کے بعد قبضہ ہوا۔ مان لیتے ہیں کہ فلسطین کے علاقے میں مسلمان بیسان تک اوپر نہ گئے ہوں گے۔ اور دیا کو کسی نیچے والی جگہ سے پار کیا ہوگا۔ لیکن اردن کے علاقے میں کسی دشمن کی دریا کے مشرق میں ایسے ہی چھوڑ دینا فوجی حکمت عملی کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔

ہمارا تجزیہ یہاں بھی جنرل گلب سے ملتا ہے کہ درمیان والا راستہ مشکل اور ناممکن تھا اور اس راستے سے نہ پیش قدمی ہو سکتی تھی اور فحل کے مقام پر قبضہ اس لئے مسلمانوں نے درہ مواب، موتہ عمان، اور جرش والا راستہ استعمال کیا اور پہلے دیرہ اور واقعہ کی گھاٹی میں دشمن کا قلعہ فتح کیا اور پھر دشمن کی طرف پیش قدمی سے پہلے مغرب کی طرف مڑ کر تھوڑا جنوب مغربی فحل کے علاقے میں کچھ کارروائی کی اور کچھ فوج کو وہاں پر متعین رکھا کہ اس راستے کو استعمال کر کے دشمن یرموک کی وادی کی پھلپل طرف سے کوئی ناکہ بندی نہ کر دے۔ دمشق پر قبضہ کرنے یا ملک شام کے کسی علاقے پر دھاوا بولنے کے لئے اجنادین۔ اور فحل کے مقامات پر قبضہ ضروری تھا اور نقشہ چہارم کے مطالعہ کے بعد یہ پہلو اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

مورخین اور راوی

فحل کی فتح کے سلسلے میں کچھ مورخین نے اس کو ذی قعد تیرہ ہجری کا واقعہ قرار دیا ہے اور کچھ نے ذی قعد چودہ ہجری کا۔ ہم دونوں کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔ اور یہاں بھی ہم جنرل گلب کی فحل کی پہلی فتح کے لئے وقت کے تعین کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں کہ فحل کی پہلی فتح ذی قعد تیرہ ہجری میں ہوئی لیکن اس وقت مسلمانوں نے اپنے آپ کو دریائے اردن کے مشرقی کنارے تک ہی محدود رکھا۔ اور دیا کو پار کر کے بیسان یا طبریہ کی طرف نہ گئے۔ پھر ذی قعد چودہ ہجری میں دوبارہ فحل کے علاقے میں آئے اور دریا کے مشرق میں بھی لڑائی ہوئی کہ رومیوں نے دریا پار کر لیا تھا اور مسلمانوں نے پہلے ان کو وہاں شکست دی اور پھر دریا پار کر کے بیسان اور طبریہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ جنرل اکرم کے لحاظ سے بھی فحل ذی قعد تیرہ ہجری میں فتح ہوا۔

اُن کے لحاظ سے چونکہ دمشق بھی رجب تیرہ ہجری میں فتح ہوا۔ اس لئے وہاں سے واپس آ کر ذی قعد تیرہ ہجری میں فحل کو فتح کیا گیا۔ لیکن ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ دمشق جانے سے پہلے فحل کے کچھ علاقے کو ذی قعد تیرہ ہجری میں فتح کیا گیا اُس کے بعد مرج الصفر کی جنگ ہوئی پھر دمشق کا پچھ ماہ سے ایک سال کے قریب تک محاصرہ رہا اور رجب چودہ ہجری میں دمشق فتح ہوا اور ذی قعد چودہ ہجری میں فحل سے آگے بڑھ کر یثرب اور طبرہ وغیرہ فتح ہوئے۔ بلکہ قساریہ کا محاصرہ بھی کر لیا گیا۔ یعنی فحل کے علاقے میں دو جنگیں ہوئیں۔

جنرل اکرم کے لحاظ سے چونکہ جناب خالد بن فحل کی جنگ کے لئے جیش المقدم کا کام کر رہے تھے اور ابو عبیدہ سپہ سالار تھے یا شرجیل سپہ سالار تھے کہ علاقہ اُن کا تھا۔ اس لئے ضروری ہے کہ فحل دمشق کی فتح کے بعد فتح ہوا ہو گا کہ جناب خالدؓ اُس وقت سپہ سالاری سے جنادیئے گئے تھے۔ ہم یہ بات بھی صحیح مانتے ہیں کہ اگر جناب خالدؓ فحل کی دونوں جنگوں میں جیش المقدم کا کام کر رہے تھے تو ہمارے تجزیہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہمارے لحاظ سے یرموک کی پہلی جنگ میں جناب خالدؓ کی جگہ جناب ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار بنایا گیا اور یہ رجب تیرہ ہجری کا واقعہ ہے تو ہم معاملات کو وہیں سے تسلسل کیساتھ شروع کرتے ہیں۔

جناب عمرؓ کا جناب ابو عبیدہؓ کو خط۔

خط کے الفاظ یہ ہیں :-

”میں تم کو خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، جو باقی رہنے والا ہے۔ اور جس کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ وہی اللہ ہے جس نے ہمیں گمراہی سے نکال کر راہ راست پر لگایا۔ اور اندھیروں سے نکال کر روشنی میں داخل کیا۔ میں تم کو خالدؓ کی جگہ تمام لشکر کا امیر مقرر کرتا ہوں۔ تم مسلمانوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ تم مالِ غنیمت کی حرص میں آ کر مسلمانوں کو ہلاکت میں مبتلا نہ کرنا۔ اور نہ کسی اجنبی مقام میں ہاں کے حالات اور نتائج سے بے خبر ہو کر اپنی فوجوں کا خواہ مخواہ تعین کر دینا۔ جب تم کسی جماعت یا دستے کو کسی جنگی کارروائی کے لئے بھیجو تو معقول تعداد کے بغیر نہ بھیجنا اور مسلمان مجاہدین کو خواہ مخواہ ہلاکت میں ہرگز مبتلا نہ کرنا۔ خدا نے تمہارا معاملہ میرے ہاتھ میں اور میرا معاملہ تمہارے ہاتھ میں دے دیا ہے۔“

دُنیا کی محبت سے آنکھیں بند کر لو اور اپنے دل کو اس سے بے نیاز کر لو۔ وغیرہ“

تبصرہ

یہ خط کا کچھ حصہ ہے اور اس پر تبصرہ کرنا ہم گنہگاروں کے بس کی بات نہیں۔ کہ اس پر کسی مضمون لکھے

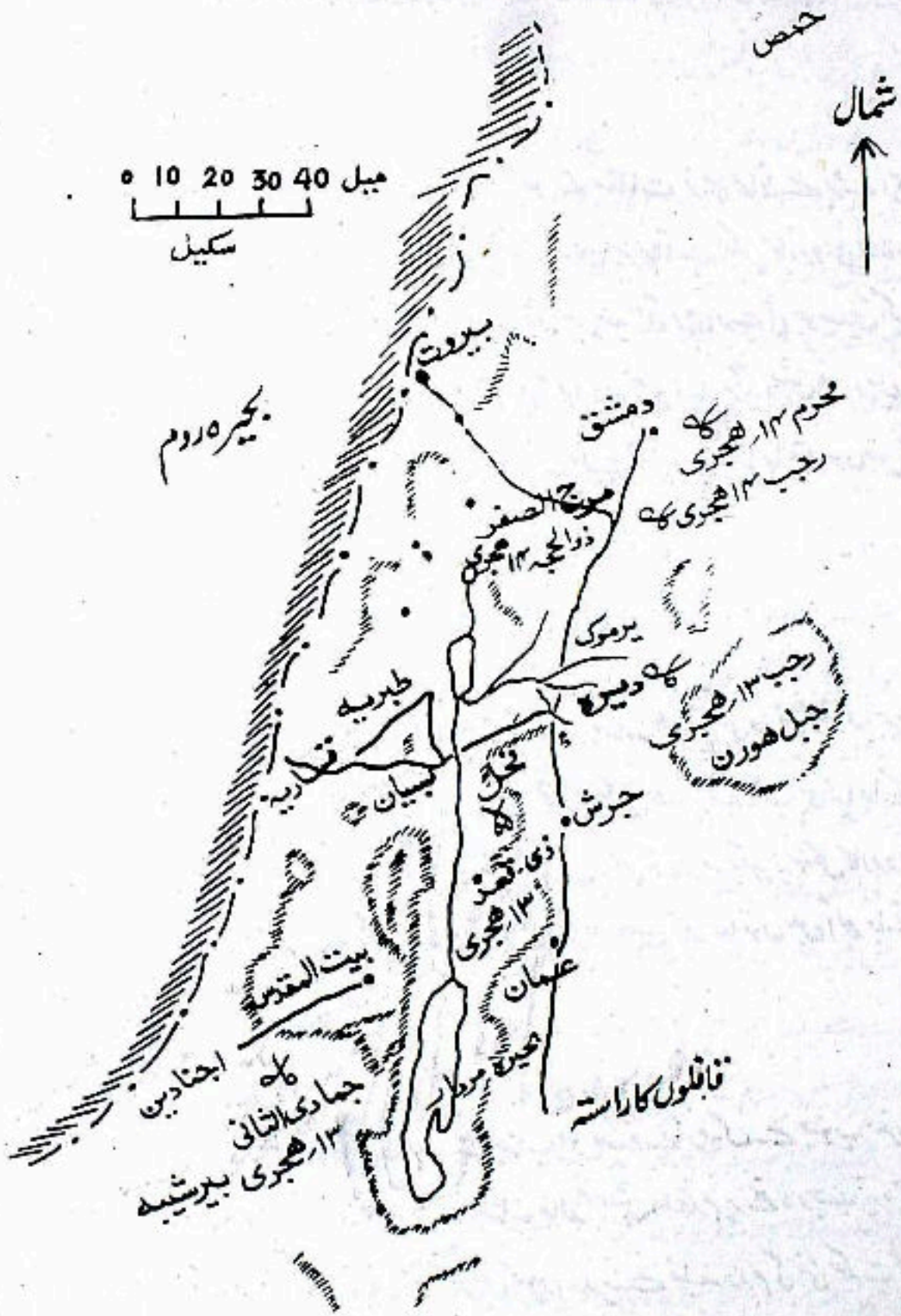
جاسکتے ہیں اور لکھے جاتے رہیں گے۔ اس میں اسلامی فلسفہ حیات کی جھلک موجود ہے۔ اسلامی عقیدہ اور ہمارے لئے صراطِ مستقیم کی نشاندہی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا بھی ذکر ہے۔ لیکن کچھ لفظوں پر دھیان دینا ضروری ہے کہ مسلمانوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ وہ حقوق کیا تھے مختصر لفظوں میں مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ سے وہ وعدہ ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے کہ ان کے مال و جان سب اللہ نے خرید لئے ہیں بدلے اس کے کہ جنت ہے۔ اور جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما کو ان حقوق کی یاد دہانی کرائی گئی کہ مل کر اللہ کے حقوق پورے کرو اور اس کے قانون کا نفاذ کرو۔

آگے مالِ غنیمت یا دنیاوی لالچ کا ذکر ہے کہ لڑائی صرف اللہ اور رسول کے لئے لڑی جائے اور خواہ مخواہ بغیر سوچے سمجھے مسلمانوں کو دھکیل نہ دیا جائے۔ لیکن ایک پہلو کی وضاحت ضروری ہے۔ جناب عمر رضی اللہ عنہما نے یہ خط لیسے آدمی کو لکھ رہے ہیں جس کے ماتحت وہ حضور پاک کے زمانے میں کام کر چکے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے خیال کے مطابق حضور پاک کی وفات کے بعد مسلمانوں کے خلیفہ ہونے کا بھی صرف جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما کا حق تھا کہ وہ امین الامت تھے۔ سلسلہ اول کے پہلے باب میں یہ ذکر بھی ہو چکا ہے کہ جناب ابو عبیدہ نے فرمایا کہ اے ابنِ خطابؓ۔ صدیق رضی اللہ عنہما کے ہوتے ہوئے کوئی خلافت کا حقدار نہیں ہو سکتا اور اب صدیق نے جناب عمر رضی اللہ عنہما کو خلافت کے لئے نامزد کر دیا۔ اب جناب عمر رضی اللہ عنہما کو اور کیا لکھتے۔ صرف یہ لکھ دیا کہ "خدا نے تمہارا معاملہ میرے ہاتھ میں دے دیا اور میرا معاملہ تمہارے ہاتھ میں دے دیا ہے" اس ایک فقرہ کی وضاحت کے لئے بھی کئی مضامین کی ضرورت ہے۔ "وہ ہم نفس تھے ان میں وحدت فکر تھی۔ ان کی روشن ضمیری کی یہ حالت تھی کہ ان کے دل کے آئینے اپنے دل میں ایک دوسرے کا عکس دیکھتے تھے۔ جناب ابو عبیدہ جو کچھ کریں گے اس کی ذمہ داری خلیفہ دوم نے پہلے سے ہی اپنے سر پر اٹھالی اور جو کچھ ابو عبیدہ کی کمانڈ میں ہو رہا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی پالیسی کے مطابق ہو رہا تھا۔"

خلیفہ دوم کی حکمت عملی

قارئین نے نوٹ کیا ہو گا کہ اجنادین کی فتح کے بعد جناب عمرو بن عاص کے لشکر کو فلسطین کے علاقے میں نہ چھوڑا گیا۔ بلکہ چند دیکھ بھال والے دستے وہاں پر چھوڑے گئے۔ حالانکہ پہلے حکم کے مطابق فلسطین کے علاقے کی ذمہ داری جناب عمرو رضی اللہ عنہما کی تھی۔ اور اردن جس میں یرموک وغیرہ شامل ہیں،

نقشہ چہارم - شام اور اردن کی فتوحات
 یرموک کی پہلی جنگ - فحل کی پہلی جنگ
 مرج الصفر کی جنگ اور دمشق کا محاصرہ



پہاڑی علاقے اور قافلوں کے راستے بھی دکھائے گئے ہیں۔



جناب شرحبیل کی ذمہ داری تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یرموک یا واقوصہ کی گھاٹی میں اتنا زیادہ دشمن اکٹھا ہو چکا تھا کہ سب لشکروں کو وہاں جانا پڑا اور آگے بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ یرموک کی فتح کے بعد جناب ابو عبیدہؓ نے خلیفہ دوم سے آگے کے احکام کے سلسلے میں رہنمائی کے لئے خط لکھا جس کا جواب آنے میں ضرور دیر لگی ہوگی۔ اور آگے کی کارروائی میں جو مزید دیر ہوئی اُس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

جناب عمرؓ کی مزید ہدایات

جناب عمرؓ نے مزید ہدایات دیں کہ دمشق، فحل اور حمص کے مقامات فوجی لحاظ سے بڑے اہم ہیں ان مقامات پر قبضہ ہو جانے کے بعد سارے ملک کو فتح کرنا آسان ہو جاتا ہے لیکن کارروائی حالات کے مطابق کرنا۔ ہاں جب یہ سب مقامات فتح ہو جائیں تو علاقوں میں تعیناتی وہی رہے گی جو صدیق اکبرؓ فرما کر گئے ہیں، کہ عمرؓ بن عباس کو فلسطین واپس کر دینا۔ شرحبیلؓ کو اردن بھیج دینا۔ یزیدؓ دمشق میں رہیں گے اور آپؓ خالدؓ حمص اور اُس کے اگلے علاقوں میں نجد میں اُسی حکمت عملی کو بڑھانا چاہتا ہوں جس کا خلیفہ اول تعین کر گئے ہیں۔

تبصرہ

اس خط سے ظاہر ہے کہ جناب خالدؓ کی امارت قائم تھی اور جناب عمرؓ یہ بھی جانتے تھے کہ اہم مقامات کون کون سے ہیں فحل پر قبضہ کی ضرورت انہوں نے دہرا دی فحل پر مکمل طور پر قبضہ تب ہی کیا جاسکتا تھا جب دریائے اردن کو پار کر کے فحل کے سامنے دریا کے مغربی کنارے پر بھی قبضہ ہو لیکن یہ مشکل کارروائی تھی جس کے لئے ابھی وقت نہ آیا تھا کہ اگر ایسا کیا جاتا تو اسلامی لشکر فلسطین کے علاقوں میں اُلجھ جاتے۔

فحل کی پہلی جنگ

چنانچہ دمشق کی طرف پیش قدمی کرنے سے پہلے جناب ابو عبیدہؓ نے یرموک سے جنوب مغرب کی طرف رُخ کیا اور فحل کی وادی کی طرف چل پڑے۔ جناب خالدؓ ہمیشہ المقدم ہر تھے۔ رجب تیزہ ہجری میں یرموک کی پہلی جنگ ہوئی۔ ماہ شعبان کے آخر میں کہیں مدینہ سے خلیفہ دوم کی نئی حکمت عملی کا

پتہ چلا۔ خلیفہ دوم اُس زمانے میں ایران کے معاملات میں سخت مصروف تھے۔ جناب ابو عبیدہ ثقفی کے لئے لشکر تیار کر رہے تھے اور جبکہ آخر میں جناب ابو عبیدہ بھی ایران کی طرف روانہ ہو گئے اور شعبان میں کسکر وغیرہ کے مقامات اور جالینوس کے ساتھ جنگوں میں مصروف تھے۔ تو ظاہر ہے کہ خلیفہ دوم نے جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما کو رمضان کے بعد ہی کارروائی کرنے کی اجازت دی ہوگی کہ شوال ذی قعد تیرہ ہجری میں آپ فحل کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔

مورخین نے چونکہ فحل کی دونوں جنگوں کو آپس میں کچھ ملا دیا ہے۔ اس لئے پہلی جنگ کے سلسلے میں ہم صرف اسی پر اکتفا کریں گے کہ مسلمان دریا کے اس طرف رہے اور طبری کے مطابق جناب ابو عبیدہ نے فحل کے نزدیک پہنچ کر فحل کے محاصرہ کے لئے دس قائدین روانہ کئے جن کے نام بھی تاریخ میں لکھے ہوئے ہیں۔ ان میں جناب ابوالدعور سلمیٰ سرفہرست ہیں۔ لشکر کی تعداد کے بارے میں طبری لکھتا ہے کہ ہر قائد کے ماتحت پانچ چھوٹے قائد تھے۔ یعنی پچاس امرا میں سے ہر ایک کے پاس سو یا دس مجاہد تھے اس سے یہ حساب نکلتا ہے کہ جناب ابوالدعور کے ساتھ یا تو پانچ سو مجاہدین تھے یا پانچ ہزار۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شروع کی کارروائی کے لئے ضرور پانچ ہزار کا لشکر ہو گا۔ آگے طبری لکھتا ہے کہ رومیوں نے سارے علاقے میں پانی چھوڑ دیا اور تمام علاقہ دلدل بن گیا۔ اور مسلمانوں کو تکلیف ہوئی اور وہ دریا کو پار نہ کر سکے۔ طبری کے لحاظ سے مسلمانوں نے شام کے شہروں میں سے سب سے پہلے فحل کا محاصرہ کیا اور اُس کے بعد دمشق کا تو یہ روایت بھی ہمارے تجزیہ کے مطابق چلتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ محاصرے کے بعد جناب ابوالدعور کو پانچ سو کے دستے کے ساتھ رومیوں کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑ دیا گیا اور باقی لشکر نے ذی قعد میں مرج الصفر کے راستے دمشق کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ لیکن اسی زمانے میں یعنی شعبان یا رمضان کے مہینہ میں عراق کے محاذ پر حسبر کی جنگ میں جناب ابو عبیدہ ثقفی رضی اللہ عنہما شہید ہو چکے تھے اور اس سلسلے میں مسلمان کچھ زیادہ فکر مند تھے۔ گو حسبر کی جنگ کے چند ماہ بعد یعنی صفر چودہ ہجری میں اسلام کے عظیم فرزند جناب ثقیف رضی اللہ عنہما نے بویب کے مقام پر ایرانیوں کو شکست دے دی۔ لیکن وہ خود سخت زخمی حالت میں تھے اور جیسا کہ سلسلہ اول کے بیسویں باب میں بیان کیا گیا ہے اب دو محاذوں پر جنگ زور شور سے جاری تھی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے محرم چودہ ہجری میں مدینہ شریف سے نکل کر صراصر کے چشمہ پر قیام کیا ہوا تھا تو دوسری طرف جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما انہی دنوں دمشق کی طرف گامزن تھے



رمضان یا شوال تیرہ ہجری میں جناب عمر رضی اللہ عنہ نے جناب ابو عبیدہ کو یہ بھی لکھا کہ جو لوگ خوشی سے عراق کے محاذ پر جنگ میں شریک ہونا چاہیں ان کو اُدھر بھیج دیا جائے اور شاید قیس بن ہبیرہ سمیت صرف چند مجاہد عراق کے محاذ پر گئے۔ لیکن اس میں بھی اختلاف ہے۔ کئی مورخین نے جناب قیس کو چودہ ہجری میں بھی شام کے علاقے کی جنگوں میں لڑائی لڑتے دکھایا۔ لیکن عراق کی وہ تمام فوج جو جناب خالد کے ساتھ اس محاذ پر آئی تھی اُس کی عراق کے محاذ پر واپسی کے احکام دمشق کی فتح کے بعد ملے اور ان احکام کو اس طرح پورا کیا گیا کہ وہ مجاہدین قادسیہ کی جنگ میں شریک ہو گئے، اس کا ذکر حصہ اول کے بائیسویں باب میں ہو چکا ہے۔ اس محاذ سے روانگی کا ذکر بعد میں آئے گا۔ اب ہمارے مورخین اور مبصرین میں عراق کی فوج کی عراق کے محاذ پر واپسی کی تاریخ کے سلسلہ میں کچھ اختلافات ہیں وہ اس وجہ سے ہیں کہ احکام دو دفعہ ملے اور کارروائی بھی دو دفعہ ہوئی۔ ایک دفعہ رضا کارانہ طور پر اور دوسری دفعہ حکم کے مطابق اس نئے بیانات میں دو غلہ پن پیدا ہو گیا۔ البتہ ایک بات ہے، کہ مجاہدین شام کے محاذ کو زیادہ پسند کرتے تھے اور خوشی سے مجاہدین عراق و ایران کے محاذ پر کم ہی جاتے تھے۔

ترجیح کے وجوہات

اس ترجیح کے کیا وجوہات تھے، اس سلسلہ میں ایک مبصر نے لکھ دیا ہے کہ ایرانی زیادہ بہادر و لڑائی میں سخت تھے۔ ایرانی بہادر ہو سکتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا فلسفہ حیات اُس کو یہ نہیں بتاتا کہ وہ آسان لڑائی کو ترجیح دے۔ البتہ ہر علاقے میں کچھ کشش ہوتی ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں ہم لوگ کراہی کے سپاہی تھے اور مشرق وسطیٰ میں جنگ میں شرکت کو مشرق بعید میں جنگ کی نسبت زیادہ ترجیح دیتے تھے۔ بعد میں اطالیہ اور یونان کے محاذوں کو پسند کرتے تھے۔ انگریز سپاہی بھی، برما، ملایا، وغیرہ کے علاقوں میں جنگ میں شرکت سے تنگ آجاتے تھے۔ میری اپنی یونٹ دوسری جنگ عظیم میں ۱۹۴۱ء کے شروع میں بھی سے بحری جہاز پر سوار ہوئی۔ اندازہ یہ تھا کہ ہم مشرق وسطیٰ جا رہے ہیں۔ لیکن دو دن کے بعد جہازوں کا رخ جنوب کو پھیرا گیا اور پتہ چلا کہ ہم ملایا جا رہے ہیں۔ ملایا میں اُس زمانے میں امن و امان تھا اور مشرق وسطیٰ میں جنگ ہو رہی تھی۔ لیکن پھر بھی سپاہی لوگ شام و فلسطین، مصر اور لیبیا جانے کو زیادہ پسند کرتے تھے انسان کی ان دنیاوی ترجیحات، یا گزوریوں پر ہم زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتے۔ کہ اُس کو اپنے نفع و نقصان کا پتہ

نہیں ہوتا اور یہ چیز صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

صحابہ کرام کی ترجیحات کا تجزیہ

دنیاوی پہلو پر تو سرسری تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں دین و دنیا دونوں ایک جیسی تھیں اور ہم نے حصہ اول میں یہ پہلو تسلیم کیا کہ چوٹی کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محاذ پر موجود تھے۔ اس کتاب کے آٹھویں اور نویں باب میں ان عظیم صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی بھی دیئے جا رہے ہیں اور یہاں پر صرف چند ترجیحاتی پہلوؤں کی وضاحت ضروری ہے۔

۱۔ سورہ روم میں مسلمانوں کو اہل کتاب اور اہل روم کا حلیف تسلیم کیا گیا۔ مسلمان دل سے مغرب کے لوگوں کو اور اولادِ ابراہیم علیہ السلام کو اسلام کے دائرہ میں دیکھنے کے بڑے خواہاں تھے۔

ب۔ حضور پاکؐ نے اپنے زمانے میں اس محاذ پر پہلے ایک مہم بھیجی پھر خود تشریف لے آئے اور وفات کے وقت جناب اسامہؓ کے لشکر کو بھیجنے کی تیاری کے احکام بھی دے دیئے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور پاکؐ کی ان دلچسپیوں سے بھی متاثر تھے اور تبوک تک جانے میں ان کو بڑا لطف محسوس ہوتا تھا۔ کہ حضور پاکؐ خود اس مہم پر گئے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تبع و تابعین ان قدموں پر چلنے کے بڑے خواہشمند ہوتے تھے۔ جہاں پر حضور پاکؐ چلے ان مبارک قدموں کے نشانات پر چل کر وہ اپنے عشق کی پائیں بجاتے تھے۔

۲۔ اقبالؒ کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے

رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے۔ (اقبالؒ)

ج۔ بیت المقدس اور باقی مقامات اسی علاقے میں تھے جہاں پر پہلے پیغمبر اور نبیؐ لوگ رہ چکے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مقامات کی زیارت کرنا چاہتے تھے۔

۳۔ آنے والے زمانے میں اسلام مغرب کی طرف زیادہ پھیلا کہ ایک طرف بحیرہ اوقیانوس اور سپین تک گیا۔ دوسری طرف شمال میں استنبول میں پہنچ کر یورپ کے وسط تک گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور پاکؐ کے کچھ اشارے سن رکھے تھے اور ان کی خواہش ہوتی تھی کہ جلد سے جلد

مغرب کی طرف اللہ اور رسول کا نام بلند کرنے میں حصہ لیں۔

۲۔ اہل مغرب نے اسلامی تمدن اور ثقافت کو جلد اپنایا۔ ترکی میں جو کچھ ہوا یا ہونے والا تھا، اُس کو مغربی سازش نے اس صدی کے شروع میں ختم کر دیا اور وہاں اب رکاوٹ پڑی ہوئی ہے۔ لیکن مغرب میں مراکو تک سب لوگوں نے اپنی زبان بھی عربی اپنائی اور یہ جناب عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق تھا۔ صحابہ کرامؓ کو ان چیزوں کا کچھ پتہ تھا اس لئے وہ اُس طرف زیادہ مائل تھے۔

۳۔ اہل ایران نے اسلام قبول ضرور کیا اور ایران سے نکل کر اسلام روسی ترکستان، چینی ترکستان، افغانستان اور برصغیر ہندوستان میں پھیلا ضرور لیکن ہم عرب نہ بن سکے۔ اگر ہم بھی عربی زبان اپنالتے تو آج سب مسلمان عرب ہوتے اور قومیتوں کے چکر سے چھٹکارا مل گیا ہوتا۔ بہر حال کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اس خطے سے ہوگی اور شاید اب ہماری باری ہے۔

سہ کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد

میری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد (اقبال)

اسباق و نتائج و تبصرہ

اس کتاب کا یہ پانچواں باب جناب صدیق اکبرؓ کی وفات اور جناب فاروق اعظمؓ کی خلافت سے تعلق رکھتا ہے۔ اکثر پہلوؤں پر تبصرہ ساتھ ہی ساتھ کر دیا گیا ہے۔ باقی باب یرموک کی پہلی جنگ اور فتح کے محاصرہ یا پہلی جنگ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس باب میں تجزیے اور بحث کو ذرا وسعت دینا پڑی ہمارا خیال ہے کہ دونوں محاذوں کی جنگ کی حکمت عملی اور واقعات کو کچھ نہ کچھ تسلسل مل گیا ہے اور چند لفظوں کے اضافے کے ساتھ مورخین کے تمام بیانات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بعض جگہ ادھوری بات کی وجہ سے واقعات کا تسلسل ٹوٹ گیا اور کچھ اختلافات پیدا ہو گئے جو کوک و شبہات دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ مورخین کے لحاظ سے جناب عمرؓ کو خلافت کے بعد سب سے پہلے جس فتح کی خوشخبری ملی وہ یرموک کی فتح تھی۔ بے شک بات بالکل صحیح ہے۔ لیکن یہ یرموک کی پہلی جنگ تھی جو جب تیرہ ہجری میں ہوئی نہ کہ یرموک کی دوسری اور بڑی جنگ جو جب پندرہ ہجری میں ہوئی۔

۲۔ فحل کا محاصرہ دمشق سے پہلے ہوا (طبری) بے شک ہم اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ یرموک کی پہلی جنگ کے بعد، دمشق کی طرف پیش قدمی سے پہلے فحل کے علاقے میں کچھ کارروائی ضروری تھی۔ اور وہ کی گئی۔

۳۔ سب مورخین کے لحاظ سے فحل ذی قعد تیرہ ہجری میں فتح ہوا۔ بے شک ہم اس کو صحیح مانتے ہیں کہ یرموک کی پہلی جنگ کے بعد مسلمان کچھ عرصہ وہاں پڑک گئے۔ خلیفہ دوم سے ہدایات لیں۔ اور پھر فحل کا محاصرہ کیا۔ ہم اس کو فحل کی پہلی جنگ کہیں گے۔ فحل کے علاقے میں بعد کی کارروائی کو ہم فحل کی دوسری جنگ کہیں گے اور اس کا ذکر بعد میں کریں گے۔

۴۔ عراق سے آئی ہوئی فوج کو جنگ یرموک کے بعد عراق واپس کیا گیا۔ یہ رائے چند مورخین نے دی ہے، ہم اس کو بھی صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ یہ یرموک کی پہلی جنگ کے بعد ہوا کہ اس جنگ کے ڈیڑھ ماہ بعد جس کی جنگ میں جناب ابو عبیدہ ثقفی شہید ہوئے۔ لیکن یہ رضا کارانہ کارروائی تھی۔ اور دمشق کی فتح کے بعد پوری عراقی فوج کو واپس عراق بھیج دیا گیا۔ تو جن مورخین نے یہ کہا تھا۔ کہ عراق کی فوج دو مرحلوں میں عراق واپس گئی وہ بھی صحیح ثابت ہوئے۔ ہاں یرموک کی دوسری جنگ جو جنگ قادسیہ کے بعد ہوئی اس کو اگر کسی نے بیچ میں شامل کر دیا ہے تو یہ غلط ہے۔

۵۔ جناب خالد بن ولید کو سپہ سالار اعظم کے رتبہ سے ہٹانے کی کارروائی یرموک کی مقام پر ہوئی۔ مورخین کا بیان ہے کہ جناب عمر نے خلیفہ بننے کے فوراً بعد یہ کارروائی کی۔ تو پھر یہاں سب حساب کتاب ٹھیک ہو جاتا ہے کہ یرموک کی پہلی جنگ رجب کے وسط میں ہوئی۔ اگر قاصد مدینہ سے جناب عمر کی خلافت کے تیسرے چوتھے دن بھی چلا ہو تو وہ وسط رجب میں یرموک کے مقام پر پہنچ گیا ہو گا تو زماں و مکاں کا معاملہ بھی درست ہو گیا۔

۶۔ واقعہ کی گھاٹی کی جنگ اور یرموک کی پہلی جنگ دراصل دونوں ایک ہی چیز ہیں اور مورخین نے الگ الگ نام لکھ دیئے تو لوگوں نے جگہ دیکھی نہ تھی اس لئے شبہات میں پڑ گئے اس سلسلے میں جنرل گلب کا مطالعہ اور تجزیہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

زماں و مکاں کے تجزیہ پر تبصرہ جن مبصرین نے زماں و مکاں کا حساب لگانے کے

بعد یہ فیصلہ دیا ہے کہ جناب خالد بن ولید کو دمشق کے محاصرے کے دوران سپہ سالار اعظم کے عہدہ سے ہٹایا گیا۔ ان کا حساب کچھ غلط نکلتا ہے۔

ستمبر ۶۶۵ء اور دسمبر ۶۶۱ء کی جنگوں میں ہم نے دیکھ لیا کہ دشمن کے علاقے میں پیش قدمی کرنا بڑا کٹھن کام ہوتا ہے۔ اس لئے جو لوگ زمان و مکان کا مطالعہ نقشوں اور سینٹر ماڈلوں یا تاریخ کے اوراق سے کرتے ہیں، وہ حالات کو صحیح طور پر صرف تب ہی سمجھ سکیں گے کہ نقشے یا تاریخ کے اوراق ان کے تصور میں میدان جنگ بن جائیں۔ کلاسوٹز اور باقی فوجی مبصروں میں یہی بڑا فرق ہے کہ کلاسوٹز عمل لکھتا ہے اور جب بھی کوئی اصول بیان کرتا ہے تو میدان جنگ اُس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ ایک دل بینا رکھنے والے کمانڈر یا مبصر کے سامنے میدان جنگ یا کارروائی والا علاقہ ایک نقشہ کی شکل میں آجاتا ہے۔ پھر اُس پر کارروائی شروع ہو جاتی ہے۔ افواج پیش قدمی کرتی نظر آتی ہیں۔ رگتی ہیں۔ رُکاؤ میں نظر آتی ہیں۔ دشمن کے رد عمل نظر آتے ہیں، غرضیکہ چپہ چپہ زمین اور فوج کا ہر دستہ بول اٹھتا ہے کہ کیا جو با سے اور کیا ہونے والا ہے اور زمان کی گھڑی بھی ساتھ ساتھ ٹپک ٹپک کر رہی ہوتی ہے۔

جنرل گب بڑا متعصب آدمی ہے۔ لیکن اس کے زمان و مکان کے تجزیے کافی صحیح ہیں کہ اُس نے مضمون کے اس پہلو میں اپنا تین من ڈال دیا۔ وہ غیر مسلم ہے اور مسلمانوں نے اُس کو اپنا مشیر بنا لے رکھا۔ لیکن اُس کا اسلام کے خلاف تعصب نہ گیا، اسلام کو سمجھنے کی کوشش ضرور کی، لیکن اُس کے تاپ تول کے پیمانے متعصب ہی رہے۔ زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں کی ان کہانیوں پر تجزیے اور کتابیں یورپ میں تو موجود ہیں۔ لیکن ہمارے ان ایسی کوشش نہیں ہو رہی۔

چنانچہ اس کتاب کے بارہویں باب میں خلفائے راشدین کے زمانے کے فتوحات عراق و ایران اور شام و فلسطین کو زمان و مکان کے لحاظ سے احتصار کے ساتھ الگ بیان کر کے ایک جائزہ کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ ہمیں اپنے آبا کی اندرونی قوت یا مرکزیت کا اندازہ ہو سکے کہ وہ چند سالوں میں کیا کچھ کر گئے۔

چٹاباب

دمشق کا محاصرہ اور فتح

اجنادین سے دمشق تک کا ہوائی راستے سے فاصلہ تقریباً ایک سو ساٹھ میل کے قریب بنتا ہے زمین پر اگر فلسطین کے اندر والا راستہ اختیار کیا جائے کہ جوادی کی پہاڑیوں سے ہوتے ہوئے بحیرہ مردار کے شمال سے گزر کر پہلے واقوصہ کی گھاٹی اور یرموک کی وادی میں داخل ہوں۔ اور پھر نزدیک ترین راستہ مرج الصفر والا اختیار کیا جائے تو دمشق تک فاصلہ کوئی دو سو میل بنتا ہے اور ہم نے جائزہ پیش کر دیا ہے کہ حالات یہ راستہ استعمال نہ کرتے دیتے تھے۔ ہمارے خیال کے مطابق وہی راستہ استعمال کیا گیا۔ جس راستے سے اسلامی لشکر وادی یرموک سے اجنادین گئے تھے۔ یہ راستہ دمشق تک کوئی اڑھائی سو میل بنتا ہے۔ یہ راستہ لمبا ضرور تھا۔ لیکن پرخطر بھی نہ تھا۔ اور راستے میں کوئی تنگ گھاٹی بھی نہ تھی۔ نہ دریا کو عبور کرنا پڑتا تھا۔ اور نہ کوئی زیادہ پہاڑیاں تھیں۔

بہر حال دونوں راستوں سے دمشق پہنچنے کے لئے کم از کم ایک ماہ کا وقت ضرور خرچ ہونا کہ اگر صرف سفر ہی کرنا پڑتا تو اس کے لئے دس یا بارہ دن لگتے۔ لیکن یہاں تو اندرونی راستہ اختیار کرنے کے لئے اندر فلسطین میں بھی جھڑپیں ہوتیں اور پھر آگے دونوں راستے جہاں سے مل جاتے تو ایک جنگ واقوصہ کی گھاٹی میں دوسری فصل کے علاقہ میں اور تیسری مرج الصفر میں تو کم از کم ان جنگوں میں پندرہ بیس دن لگتے۔ اس لئے مشکل سے رجب یا شعبان تیرہ ہجری میں دمشق پہنچ سکتے۔ کہ اجنادین سے لشکر جمادی الثانی کے دوسرے ہفتے سے پہلے نہ چل سکتا تھا۔ دمشق کا محاصرہ چونکہ کم از کم چھ ماہ رہا۔ اس لئے دمشق رجب تیرہ ہجری میں فتح نہیں ہو سکتا تھا۔ اور خود واقوسی، اور طبریؑ محمد بن اسحاق کے حوالے سے تسلیم کرتے ہیں کہ دمشق رجب چودہ ہجری میں فتح ہوا۔

جنرل اکرم نے بڑی محنت کر کے زماں و مکاں کا حساب سے اور جناب خالدؑ کی جگہ جناب ابو عبیدہ کے تقرر کو مد نظر رکھتے ہوئے دمشق کی فتح کا وقت رجب تیرہ ہجری مقرر کیا ہے اور آگے وضاحت آتی ہے کہ

ہم ان کے اس جائزہ کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے۔ چنانچہ یہاں پر ہم جنرل گلک کے جائزہ کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔

فرق البتہ وہاں جا کر پڑتا ہے جہاں واقعی کے لحاظ سے دمشق کا محاصرہ دو دفعہ کیا گیا اول اس وقت جب جناب خالد بن عراق کے محاذ سے شام کی سرحد میں داخل ہوئے۔ اور ہمارے لحاظ سے اس وقت انہوں نے سیئات العقاب پر جھنڈا گاڑا دوسرے محاصرے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ واقعہ البتہ دمشق کے پہلے محاصرے کے وقت مرج الراس کے مقام پر جناب خالد کی رومیوں کے ساتھ ایک جنگ کے واقعات کو بھی تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ گھن ایک مشہور انگریز مورخ، واقعہ کے ان بیانات کو صحیح تسلیم کرتا ہے۔ لیکن ہمارے لحاظ سے دمشق کے شمال مشرق میں کوئی جھڑپ یا تصادم ہو سکتا تھا اور ہم تیسرے باب میں اس کی وضاحت اور جنرل گلک کے تجزیہ پر تبصرہ بھی کر چکے ہیں کہ جناب خالد کے سامنے اس زمانے میں بڑا مقصد یہ تھا کہ وہ جلدی سے اسلامی لشکروں کی کمانڈ سنبھال لیں۔ بہر حال جنرل اکرم بھی واقعہ کے دمشق کے پہلے محاصرہ کو رد کر دیتے ہیں۔ البتہ مرج الراس کی جنگ کو وہ مرج الصفر کی جنگ کے طور پر پیش کرتے ہیں جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

دمشق کا محاصرہ

تمام مورخین نے دمشق کے محاصرہ کی مدت ایک سال سے چھ ماہ تک بتائی ہے البتہ بعض نے یہ اضافہ کیا کہ زور دار محاصرہ صرف چار ماہ یا ستر دن رہا۔ یہ بڑی اصولی بات، اور صحیح تجزیہ ہے۔ محاصرے کی کئی قسمیں ہوتی ہیں اور کلا سوتلر نے اپنی چھٹی اور ساتویں کتاب میں اس پہلو کی خوب تر وضاحت کی ہے کہ محاصرے کی کئی قسمیں ہوتی ہیں کہ دیکھ بھال والا محاصرہ گلک کے راستے مسدود کرنے والا محاصرہ اور فتح کے لئے محاصرہ وغیرہ۔

اس وضاحت کے بعد ہم یہ آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ مورخین نے محاصرہ کے لئے جو مدت بتائی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ مدت چھ ماہ سے ایک سال تک تھی۔ یعنی تیرہ ہجری میں محاصرہ ہوا اور چودہ ہجری میں دمشق فتح ہوا! ذوالحجہ تیرہ ہجری سے رجب چودہ ہجری تک محاصرہ رہا جو تقریباً کم از کم چھ ماہ تھا اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ماہ۔ جنرل اکرم نے البتہ دمشق کے محاصرہ کی مدت ایک ماہ کر دی ہے

اس سلسلہ میں ان کا خیال ہے کہ جناب خالد رضی نے چونکہ دمشق کے معاہدہ پر سپہ سالار اعظم کے طور دستخط کئے اور جناب عمر رضی نے جناب خالد رضی کو خلیفہ بننے ہی سپہ سالار اعظم کے رتبہ سے ہٹا دیا تو دمشق ضرور رجب تیرہ ہجری میں فتح ہوا ہوگا۔

ہمارا اس سلسلے میں تجزیہ یہ ہے کہ زماں و مکاں کے لحاظ سے دمشق میں لشکر اتنے جلدی نہیں پہنچ سکتے اور محاصرہ کی مدت کو بھی اتنا کم نہیں کیا جاسکتا۔ جناب خالد رضی نے شاید جناب ابو عبیدہ رضی کے نمائندہ کے طور پر دستخط کئے ہوں اور پھر جناب ابو عبیدہ رضی نے ان دستخطوں کے ثبوت میں دستخط کئے ہوں یا واقعہ نے معاہدہ پڑھنے میں غلطی کی اور پھر یہ معاہدہ تو تھا ہی نہیں یہ مسلمانوں کے ذمہوں کے لئے احکام تھے۔ اور سن ہجری کا تعین بھی اُس وقت تک نہیں ہوا تھا اور معاہدہ پر سال نہیں لکھا گیا تھا۔

جنرل اکرم کا یہ خیال بھی ہے کہ دمشق رجب تیرہ ہجری میں ضرور فتح ہوا ہوگا کہ دمشق سے واپس ہو کر فعل کو قاعد تیرہ ہجری میں فتح کیا گیا۔ ہمارا تجزیہ ہے کہ فعل، دمشق کے جنوب میں ہے اور دمشق سے پہلے بھی اس کی فتح ممکن ہو سکتی تھی اور خود جنرل اکرم کے مطابق دمشق کی فتح سے پہلے وہاں پر جناب ابی الدغور رضی کو دیکھ بھال کے لئے چھوڑا گیا۔ اس لئے فعل کی بھی دو جنگیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی ذی قعد تیرہ ہجری اور دوسری ذی قعد چودہ ہجری میں لیکن فعل کے واقعات سے دمشق کی فتح کو ایک سال پہلے تصور کر لینے کے کوئی فوجی وجوہات موجود نہیں ہیں۔

اہل قلم کی کشش کے مرکز

یہ تجزیہ یا ابتدایہ واقعاتی تھا کہ تجزیہ کی کوئی بنیاد بھی ہو۔ دوسرا اور، ایک اہم پہلو بھی ہے، کہ واقعات سے الگ قلم بھی معاملات کو کچھ دائیں بائیں کر دیتا ہے کہ ہر اہل قلم کی کشش کے کچھ مرکز ہوتے ہیں۔ اور ہر اہل قلم کسی ہیرو یا بڑے آدمی کی تلاش میں ہوتا ہے، کہ اُس کو اپنی تحریر کی کشش کا مرکز بنائے اہل قلم حضرات میرے سمیت خود بہادر یا با اصول ہوں یا نہ ہوں یہ الگ مسئلہ ہے۔ کیونکہ اہل قلم کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ کچھ دل کی آواز لکھتے ہیں۔ اور اس دل کی آواز کی بھی کئی قسمیں ہیں، کچھ ادب برائے ادب لکھتے ہیں۔ کچھ حسن بیان یا الفاظی سے لطف اُٹھاتے ہیں اور اہل قلم کو حصوں میں بانٹنا از خود ایک بہت بڑا معنوں ہے لیکن اہل قلم اگر متعصب نہ بھی ہوں تو ”ترجیحات“ کا معاملہ ضرور ہوگا اور ان ”ترجیحات“ کے سلسلے

سے شاید ہی کوئی انسان خالی ہو۔

صحابہ کرام کی ترجیحات

صحابہ کرامؓ خود ان ترجیحات کو ملتے تھے اور کئی عظیم صحابہؓ نے اپنے بیٹوں کے نام رکھنے سے اپنی ترجیحات کو تسلیم کیا۔ مثال کے طور پر جناب علیؓ کو اللہ وجہ نے اپنے بیٹوں کے نام حضور پاکؐ کے ہمرازوں اور یارانِ نبیؐ جناب ابوبکرؓ، جناب عمرؓ اور جناب عثمانؓ کے ناموں پر رکھے جس کا ذکر حصہ اول میں ہو چکے ہے امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے نام مبارک تو خود حضور پاکؐ نے رکھے حضور پاکؐ کی وفات کے بعد جناب علیؓ کا جو پہلا بیٹا ہوا اُس کا نام آپ نے محمدؐ رکھا جو محمد بن حنیف کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ایک بیٹے کا نام حضرت یحییٰؑ پیمبر کے نام پر رکھا۔ ایک کا حضور پاکؐ کے والد سیدنا عبداللہؓ کے نام پر ایک کا اپنے چچا عباسؓ کے نام پر اور ایک کا اپنے شہید بھائی جعفر طیارؓ کے نام پر وغیرہ۔ جناب طلحہؓ بن عبید اللہ اپنے بیٹوں کا نام پیمبروں کے نام پر رکھتے۔ آپ کے ایک بیٹے محمدؓ تھے جو جنگِ جمل میں شہید ہوئے اور سیاہ ٹوپی والے کے نام سے مشہور تھے۔ باقی بیٹوں کے نام عمرانؓ، موسیٰؓ، یعقوبؓ، عیسیٰؓ، ابراہیمؓ اور صالحؓ وغیرہ تھے، جناب زبیر بن عوام نے بیٹوں کے نام شہداء کے نام پر رکھے۔ مدینہ میں ہجرت کے بعد مہاجرین کے ہاں سب سے پہلے جو جناب زبیرؓ کا ماں جو بیٹا پیدا ہوا آپ نے اُس کا نام شہدائے احد جناب عبداللہؓ بن جحش اور عبداللہؓ بن صبیح کے نام پر رکھا۔ اور آپ تاریخ اسلام کی ایک مشہور بستی ہیں۔ دوسرے بیٹے کا نام حضور پاکؐ کے علمبردار جناب مصعبؓ بن عمیر شہید کے نام پر رکھا اور جناب مصعبؓ بن زبیرؓ کا قلع تَمِیح اور باقی کام بھی تاریخ اسلام کا حصہ ہے۔ جناب زبیرؓ نے تیسرے بیٹے کا نام جناب عروہؓ بن مسعود ثقفی کے نام پر رکھا اور جناب عروہؓ ایک عظیم مورخ اور محدث تھے۔ جناب زبیرؓ کے باقی بیٹوں کے نام بھی جناب حمزہؓ بن عبدالمطلبؓ، جناب عبیدہؓ بن حارث اور جناب جعفر طیارؓ کے ناموں پر رکھے۔ جناب عبدالرحمنؓ بن عوف کے بیٹوں کے نام محمدؓ، عروہؓ، ابوبکرؓ عبداللہؓ، مصعبؓ اور عثمانؓ تھے۔ جناب سعد بن ابی وقاصؓ کے بیٹوں کے نام عمرؓ، عامرؓ، اصغرؓ، اسماعیلؓ اسحقؓ، ابراہیمؓ، موسیٰؓ، صالحؓ، عبداللہؓ، عثمانؓ اور مصعبؓ تھے۔ ان ترجیحات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان کسی شخصیتوں سے متاثر ہوتا ہے اور راقم نے خود بیٹوں اور بھتیجیوں کے نام خالد، فاروق، شبیر، مرتضیٰ اور یوسف طاہر رکھے اور بیٹی کا نام فاطمہ رکھا حالانکہ بیوی کا نام بھی فاطمہ ہے۔ لیکن بیٹی کے نام کے لئے

فاطمہ کے بغیر کوئی اور نام سامنے آتا ہی نہ تھا۔

اس لئے ہماری بھی کچھ ترجیحات ہو سکتی ہیں اور ڈریہ ہے ہمارا قلم کہیں جناب خالد رضہ کو ہر معاملہ میں جناب امین الامت ابو عبیدہؓ پر ترجیح نہ دیتا رہے۔ کیونکہ جناب خالد رضہ کے سپہ سالار اعظم کے رتبہ سے ہٹ جانے کے بعد ہر موڑ خنہ نے عملی طور پر سپہ سالار اعظم جناب خالد رضہ ہی کو بتایا۔ اہل قلم کا اس میں کوئی قصور نہیں قارئین نے دیکھا ہو گا کہ سلسلہ اول میں جنگ قادسیہ کے دوران جیسے ہی جناب قعقاع بن عمرو لڑائی کے دوسرے دن میدان جنگ میں داخل ہوئے تو تمام اہل قلم کا رخ آپ کی طرف ہو گیا یہاں بھی یہی بات ہے کہ جناب خالد رضہ جو کارنامے انجام دے چکے تھے ان کی وجہ سے کوئی اہل قلم اپنے قلم کا رخ ان سے ہٹانے کو تیار نہیں میرے لحاظ سے، جناب ابو عبیدہؓ بن جراح کو اپنا مقام ملنا چاہیے۔

ہمارے لئے حصہ اول میں جناب مثنیٰ بن عمارؓ کا مسئلہ تھا اور ان کو ان کا مقام دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہاں دعلبے کہ ہمارا قلم جناب ابو عبیدہؓ بن جراح کے قدموں پر قربان ہو جائے۔

دشمن کا شہر

دشمن کے بارے میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ دنیا کا ایک بہت پرانا شہر ہے، اور دنیا کے موجودہ آباد شہروں میں شاید سب سے پرانا ہے، اور اس کے پاروں طرف پرانے زمانے کے شہروں کی طرح پلید و بیماری تھی۔ شمال کی طرف ایک چھوٹا سا دریا بھی ہے۔ لیکن وہ کوئی بڑی رکاوٹ نہ پیدا کرتا تھا۔ اُس زمانے میں شہر تقریباً ایک میل لمبے اور آدھے میل چوڑے علاقے میں پھیلا ہوا تھا شہر کے چھ دروازے تھے، جو مشرقی دروازہ، جنوبی دروازہ، کبسان کا دروازہ، تھامس کا دروازہ، فرادیک کا دروازہ اور چھوٹا دروازہ کے ناموں سے موسوم تھے۔ اس علاقے کا فوجی گورنر جنرل تھا جو قیصر روم کا داماد بھی تھا اس کے ماتحت دو اور جنرل حمزہ مس اور عزازیر بھی تھے۔ ہر قتل خود اجنادین کی جنگ تک تو حمص میں تھا اور اکثر مورخین نے حمص ہی کو اس کا ایشیائی دار الخلافہ بتایا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اجنادین کی شکست کے بعد ہر قتل نے اپنا دار الخلافہ انطاکیہ (ANTIOCH) بنالیا۔ جو موجودہ ترکی میں ہے۔ بعض مبصرین کا خیال ہے کہ قیصر روم کا دار الخلافہ ہمیشہ ہی سے انطاکیہ ہی رہا۔ اور حمص صوبے کا نام بھی تھا اور شہر کا نام بھی، اور اس زمانے میں انطاکیہ صوبہ حمص کا ایک شہر تھا۔



دمشق کا دفاع

اہل روم نے دمشق کے دفاع کے لئے بہت بڑے پیمانے پر دفاعی بندوبست نہیں کئے ہوئے تھے جو شہر کی سیاسی جغرافیائی حالت کے مطابق ضروری ہوتے ہیں۔ اصل میں دمشق کا محل وقوع ایسا تھا کہ سلطنت روم کسی وقت بھی اس شہر کو سمندر یا خشکی کے راستے سے لہذا پہنچا سکتی تھی۔ دمشق کی فوجی اہمیت اتنی زیادہ نہ تھی کہ اس پر قبضہ کر کے دشمن کو کسی علاقے کی تکلیف پہنچا سکتی ہو۔ اور بقول کلا سٹونر فوجی لحاظ سے ایسے مقامات بہت کم ہوتے ہیں کہ ان کو علاقہ کی تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اور اصل اکثر مقامات کی افادیت محدود ہی ہوتی ہے۔ اہم مقامات چند ہی ہوتے ہیں۔ اور اصل اہمیت فوج کی ہوتی ہے کہ وہ کتنی خصوصیات کی حامل ہیں۔ ایرانیوں کے ساتھ جنگ کی صورت میں بھی دمشق کو فوجی لحاظ سے اتنا زیادہ اہمیت نہ دی گئی تھی، ایرانی اگر دمشق پر قبضہ کر بھی لیتے تو وہ کسی بڑی افادیت کا حامل نہ ہوتا۔

اس لئے دمشق کے دفاع کا بندوبست صرف اس طرح کیا گیا تھا کہ اگر کوئی سرب نیندا اٹھ کھڑا ہو یا نزدیک کے قبائل کوئی لشکر یا گروہ تیار کر لیں تو وہ اچانک اسے دمشق میں لودھم نہ مچا دیں اور لوٹ مار نہ شروع کر دیں۔ شہر کے ارد گرد ایک دفاعی چار دیواری تھی اور شہر اس قلعہ نما چار دیواری کے اندر تھا۔ قلعہ کے دروازے لوہے کے تھے۔ جو بند کئے جاسکتے تھے۔ قلعہ کی فصیحوں کے اوپر تیر انداز مقرر کئے جاتے تھے جو حملہ آوروں کو قلعہ کے نزدیک نہ آنے دیتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو توڑنے والوں کے اوپر آگ پھینکی جاتی تھی۔ دمشق میں روزی فوج کی تعداد بارہ سے بیس ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے کافی تعداد میں روزی اجنادین، واقفہ اور فحل سے فرار ہو کر یہاں آگئے تھے۔

جناب ابو عبیدہ کی پیش قدمی

جناب ابو عبیدہ نے دمشق کی طرف کب پیش قدمی شروع کی ہو، زمین نے اس کی صحیح تاریخ نہیں بتائی۔ ہمارا تخمینہ ہے کہ فحل کی کارروائی کے بعد ذی قعد کے آخر یا ذوالحجہ کے شروع میں دمشق کی طرف پیش قدمی شروع کی گئی۔ دمشق کی طرف پیش قدمی سے پہلے عراق سے آئے ہوئے مجاہدین کے بال بچے بھی مجاہدین کے ساتھ آکر شامل ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اجنادین کی جنگ کے بعد ہی آکر مجاہدین سے ملے ہوں گے۔ کیونکہ باقی مجاہدین کے بال

بچے تو پہلے ہی سے اجنادین کی جنگ میں شریک تھے۔ اور اس کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے۔ اجنادین کی فتح کے بعد ان لوگوں کو محاذ شام پر منگوا یا گیا کیونکہ جب جناب خالدؓ عراق سے چلے تو سب مجاہدین کے خاندانوں کو مدینہ منجھج دیا گیا تھا۔ ہمارا اندازہ ہے کہ یہ لوگ مجاہدین کے سابقہ و اتوہد کی گھاٹی یعنی داؤیٰ برموک میں رمضان یا شوال کے مہینہ میں اگر شامل ہو گئے ہوں گے۔

دوسرا پہلو جس کی وضاحت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان بے خطر اپنے خاندانوں کو محاذ جنگ پر رکھتے تھے۔ عورتوں نے جہاد میں حصہ لیا۔ اور میدان جنگ یا جنگ کے محاذوں کے نزدیک ہی عورتیں اپنے چھوٹے بچوں کو جہاد کی لوری دے کر پرورش کرتی تھیں اس وقت بچوں کو "خاکبازی" اور مادیت کے سبق نہیں دیئے جلتے تھے بلکہ ان کو مجاہد بننے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کے ایک ہاتھ میں قرآن ہوتا تھا اور دوسرے میں تلوار۔

دمشق کی طرف روانگی

جناب ابو عبیدہؓ کا شکر دمشق کی طرف رواں تھا۔ جناب خالدؓ ہمیشہ المقدم میں تھے۔ ان کے عراقی لشکر میں کافی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ انہوں نے ایک متحرک دستہ الگ کر کے کافی لوگوں کو خبری کے کام پر مقرر کیا ہوا تھا۔ ان کے ذریعے علاقے اور لوگوں کے حالات، دشمن کے بارے میں خبریں، ان کے ارادے اور متعدد دوسری معلومات اکٹھا کرنا تھا۔ یہ سب لوگ جناب خالدؓ نے اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ جناب ابو عبیدہؓ نے ان تنظیمی معاملات میں کوئی زیادہ دخل اندازی نہ کی تھی۔ وہ اب ایک بلند ترین مقام پر فائز تھے جس کو آج کل سپریم کمانڈر کہا جاتا ہے۔ یعنی پیرس لار اعظم۔ اور حضور پاکؐ کے قریب ترین زناد ہیں۔ سے ہونے کی وجہ سے وہ اس رتبہ کے حق دار بھی تھے اور اہل بھی جناب خالدؓ اپنے دستے کے سالار بھی تھے اور جناب ابو عبیدہؓ کے نائب بھی۔ ویسے ہی جناب ابو عبیدہؓ انہوں کے لئے سراسر جمال ہی جمال کی حیثیت رکھتے تھے اور سورہ فتح کے مطابق "رحمنا میغم" کی ایک عظیم مثال تھے۔ وہ اشد اعداؤں کا کفار بھی تھے۔

مرج الصفر کی جنگ

برموک کی داؤیٰ سے دمشق کوئی متر میل کے قریب ہے۔ اور برموک کی شکست کے بعد رومی فوج صرف دمشق کے دفاع پر لگی ہوئی تھی۔ اور ان کی ایک فوجی چوکی مرج الصفر کے مقام پر بھی جو دمشق سے تقریباً بیس میل جنوب کی

طرف تھی۔ پہلے گزارش کر دی گئی ہے کہ ایک مرتج یعنی مرتج الراحۃ نام کی جگہ بھی تھی جو دمشق سے تقریباً اتنے ہی فاصلہ پر شمال یا شمال مشرق کی طرف تھی۔

واقعی نے مرتج الصفر کے مقام کی بجائے مرتج الراحۃ کے مقام پر ایک بڑی جنگ کا ذکر کیا ہے۔ اور آگے چل کر یہ بھی لکھا کہ مرتج الراحۃ کے مقام پر فتح حاصل کر کے جناب خالدؓ نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے برعکس اللہ کی تلوار کے نصیب جنرل اکرم کا خیال ہے کہ واقعی نے جو مرتج الراحۃ کی جنگ لکھی ہے وہ غلط ہے۔ یہ مرتج الصفر کی جنگ تھی اور مرتج الصفر کی جنگ کے بعد جناب خالدؓ یا سب مسلمانوں نے مل کر دمشق کا محاصرہ کیا تھا۔ ہم بھی جنرل اکرم کی اس تحقیق سے اتفاق کرتے ہیں شاید واقعی دو مقامات کے ناموں کے ساتھ "مرتج" کے لفظ کی وجہ سے غلطی کر لیا ہو۔ مسلمان مورخین میں یعقوبی اور بلاذری بھی دمشق کی فتح سے پہلے مرتج الصفر کی جنگ کا ہی ذکر کرتے ہیں۔ ہم تاریخ کے سلسلے میں جنرل اکرم کے اختلاف کرتے ہیں ہمارے لحاظ سے یہ جنگ درالچی تیرو ہجری میں ہوئی اور جنرل اکرم کے لحاظ سے جمادی الثانی تیرو ہجری میں۔ لیکن ہمارا اتفاق اس بات پر ضرور ہے کہ یہ جنگ دمشق کے محاصرہ سے پہلے ہوئی۔

جنگ کے واقعات

دمشق کا رومی کمانڈر تھا مس تھا اس نے مرتج الصفر کے مقام پر ایک رومی جرنیل قلوک کے ماتحت کچھ فوج رکھی ہوئی تھی۔ جب اس کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر ملی تو اس نے ایک اور رومی جرنیل عزازیر کو اس کی مدد کے لئے بھیج دیا۔ یہ دونوں جرنیل طرے بہادر تھے اور ذاتی جنگ یا مبارزت میں بہت مشہور تھے۔ لیکن ایک دوسرے کے ساتھ ان کے حسد کی بھی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس نے اس جنگ میں رومی کوئی خاطر خواہ کام نہ کر سکے۔ مسلمان لشکر منزل بہ منزل بڑھتے جا رہے تھے۔ اور باقی لشکر سے پہنچنے سے پہلے ہی ان رومی لشکروں کی جناب خالدؓ کے لشکر کے ساتھ جھڑپ ہو گئی۔ پرانے طریقہ پر رومی مبارزت کے لئے آگے نکلے جناب ضرار بن ازہر اور جناب عبدالرحمن بن ابوبکر کا کام تمام کر دیا۔ بلکہ جو رومی پہلے ان آگے نکلے تھے مسلمان مجاہد اس کو داخل جہنم کر دیتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر جناب خالدؓ خود آگے بڑھے اور انہوں نے رومیوں کو پیکار کرنا جو تمہارا سپہ سالار ہے وہ آگے آئے اور میرا مت بل کرے۔ جناب خالدؓ نے یہ رجز بھی پڑھی :-

"میں اسلام کا ایک ستون ہوں۔ میں حضور پاکؐ کا صحابی ہوں۔ میں ایک باعزت جنگجو ہوں اور میرا

نام خالد بن ولید ہے۔

عزازیر نے طعن زنی کر کے قلوں کو آگے نکالا کہ خالد کا کام تمام ہو۔ قلوں نے ان سے آکر طائی رٹنے کی بجائے بناب خالد سے بات چیت کرنا چاہی۔ جناب خالد نے فرمایا کہ بات چیت تو ہر جگہ سنبھل جاؤ اور میرے حارکے لئے تیار ہو جاؤ۔ لیکن قلوں بڑی ہوشیاری سے دونوں دفعہ اپنے آپ کو بچا گیا۔ جناب خالد اس کے نزدیک پہنچ گئے اور دونوں ہاتھوں سے لے کر دن سے پکڑ کر اور گھوڑے سے اوپر اٹھا کر زمین پر زور سے پٹخ دیا۔ پھر جناب خالد کے اشارے پر دو مجاہد اس کو اٹھا کر لے گئے اور قیدی بنا لیا گیا۔

اب عزازیر آگے آیا۔ وہ ایک لحاظ سے خوش تھا کہ اس کا رقیب قلوں مسلمانوں کا قیدی بن گیا اور وہ جلد اس کو قتل کر دیں گے۔ اور اپنے بارے میں اس کو خیال تھا کہ وہ جناب خالد کا کسی وقت بھی کام تمام کر دیگا۔ وہ آگے آ کر کہنے لگا اے عرب دوست۔ ذرا نزدیک آؤ کہ میں کچھ سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ جناب خالد نے فرمایا "اے اللہ کے دشمن۔ تم نزدیک آؤ کہ تمہارا سر کاٹ دیا جائے۔ عزازیر نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا اور کہنے لگا "کے عرب رفیق تم خود کیوں آگے ہو۔ اگر تم مارے گئے تو تمہارے لشکر کا امیر کون ہوگا؟"

جناب خالد نے "اے اللہ کے دشمن۔ تم نے معاشرہ نہیں دیکھا کہ ہمارے جاہلوں نے تمہارے پہلوؤں کا کیا حشر کیا۔ اگر میں ان کو اجازت دوں تو چند لمحوں میں وہ تمہارے لشکر کو نہس نہس کر دیں گے۔ کیونکہ میرے ساتھ ایسے مجاہدین ہیں جو موت کو ایک تھنہ سمجھتے ہیں اور زندگی کے ساتھ انہیں کوئی پیار نہیں۔

ہاں! یہ تو بتاؤ کہ تم ہو کون؟"

عزازیر۔ "اچھا آپ کو نہیں پتہ۔ میں پورے شام کا عظیم ترین پہلوان ہوں۔ میں نے ایرانیوں کو تہس نہس کیا اور ترکمان نوجوں کو پامال کیا۔"

جناب خالد نے آخر تمہارا نام کیا ہے؟"

عزازیر۔ میرا نام ملک الموت کے نام پر ہے۔ میں عزازیر ہوں۔"

جناب خالد مسکرا دیے اور فرمایا کہ عزرائیل فرشتہ کو آج تمہاری ہی تلاش ہے کہ وہ جلدی سے تمہیں

دوزخ میں لے جانا چاہتا ہے۔"

عزازیر۔ قلوں کا کیا بنا؟"

جناب خالد نے "وہ قیدی ہے۔"

عزازیر۔ "اس کو قتل کیوں نہیں کرتے وہ بڑا مکار ہے۔"

جناب خالدؓ۔ "میرا ارادہ ہے کہ تم دونوں کو اکٹھا ہی قتل کروں۔"

عزازیر۔ "اگر آپ اس کو قتل کر دیں تو میں آپ کو ایک ہزار سونے کے سکے، دس غلینیں اور پانچ گھوڑے انعام میں دوں۔"

خالدؓ۔ "یہ تو اس کی قیمت ہوتی، تم اپنے بچاؤ کے لئے کیا دو گے؟"

عزازیر۔ "آپ کیا چاہتے ہیں؟"

خالدؓ۔ "جزیہ"

اب عزازیر کو غصہ آ گیا کہنے لگا۔ "خبردار میرے دار کے لئے تیار ہو جاؤ" لیکن اس کے دار سے پہلے جناب خالدؓ نے وار کر دیا مگر عزازیر بچاؤ کر گیا یہی نہیں بلکہ جناب خالدؓ کے کئی وار خطا گئے اور نہ صرف جناب خالدؓ حیران رہ گئے بلکہ مسلمان مجاہدین بھی ایک رومی کے یوں داؤ سے بچے اور اس کے طرف جنگ کی داد دینے بغیر نہ رہ سکے اور عزازیر نے کہا: "کہ یسوع مسیح کی قسم میں تو کسی وقت بھی آپ کو ختم کر سکتا ہوں۔ لیکن آپ کو زندہ پکڑ کر اس شرط پر چھوڑنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگ ہمارے ملک سے چلے جائیں۔"

اب جناب خالدؓ نے غصہ میں نزدیک سے وار کیا لیکن عزازیر وار بچا کر بھاگ کھڑا ہوا اور جب اندازہ لگایا کہ جناب خالدؓ کا گھوڑا اس کا پیچھا کرتے ہوئے ٹھک چکا ہو گا تو وہ رک گیا کہ اچانک جناب خالدؓ پر وار ہوئے۔ لیکن جناب خالدؓ نے اس پر کنارہ کشی کی اور گھوڑے سے اتر کر اس کی طرف چل دیئے۔ اور جیسے ہی اس کے نزدیک پہنچے عزازیر نے وار کر دیا جناب خالدؓ نے سر کو نیچے کر کے وار کو بھی بچایا اور اس کے گھوڑے کی کانچیں کاٹ دیں اور عزازیر وہ مقام سے نیچے گر گیا وہ اٹھ کر بھاگنے لگا کہ جناب خالدؓ نے اس کو گردن سے پکڑ کر اس زور سے زمین پر پٹخا کہ وہ اُدھ مریا ہو گیا پھر اس کو پکڑ کر جناب خالدؓ واپس اپنے لشکر کی طرف چل پڑے۔ اب تلوس اور عزازیر دونوں اکٹھے ہو گئے تھے۔

اسی دوران اسلامی لشکر کے باقی دو دستے بھی پہنچ گئے اور جناب خالدؓ کی تجویز کے تحت مسلمانوں نے رومی فوج پر بھروسہ کر دیا۔ رومی فوج نے کوئی ایک دو گھنٹے بہادری سے مقابل کیا۔ لیکن کمانڈروں کے بغیر وہ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے۔ اور سخت نقصان اٹھانے کے بعد بڑی افراتفری کی حالت میں بھاگے۔ رومی فوج کے کچھ جوان دستہ پہنچ گئے اور تھامس کو حالات سے آگاہ کیا چنانچہ مسلمان افواج کے دمشق پہنچنے سے پہلے تھامس نے دمشق کے

دروازے بند کر دیئے۔

دمشق کا محاصرہ

چنانچہ متعدد پرانے مورخوں اور نگاروں کے تجزیہ سے اتفاق کرتے ہوئے ہمارے لحاظ سے بھی دمشق کا محاصرہ ذوالحجہ ۱۰۰۰ ہجری یا چودہ ہجری کے شروع میں ہو گیا طبری کی مطابق سپہ سالار امام جناب ابو عبیدہ نے اپنا بیڈ گوارا شہر کے جنوب مغرب میں اس راستے پر بنایا جس سے مسلمان پیش قدمی کر کے آئے تھے۔ یعنی جابیہ، مرج الصفر والا راستہ کہ سپہ سالار اعظم مدینہ شریف سے آگے والے راستے پر پہلے سے ہی ہو۔ جناب خالد کو مشرقی دروازے کی طرف مامور کیا جہاں عیسائیوں کی ایک خانقاہ بھی تھی جناب یزید شہر کی اس طرف تھے جہاں سے وہ فلسطین سے آنے والے راستوں کی ناک بندی کر سکیں۔ اور بیروت کی طرف سے بھی راستہ اسی طرف سے آتا تھا جناب ذوالکلاخ کو حص کی طرف سے آنے والے راستے پر مقرر فرمایا۔ شہر کی چار دیواری کے باقی حصے جناب عمرو بن ماس اور جناب شریکل کے دستوں میں بانٹ دیئے گئے جو محرم دستے جناب خالد کے ساتھ ہی ریزو میں رہے۔

طبری کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ محاصرہ شروع میں زیادہ تر دیکھ و بھال اور ناک بندی کے معاملات تک محدود تھا۔ دراصل محاصرہ کی کارروائی بڑی مشکل جنگ ہوتی ہے یہی وجہ تھی کہ مسلمان محاصرہ کے ساتھ شروع میں پوری طرح نہ الجھے تھے اور آخری دنوں میں سخت کارروائی کی تو مورخین نے محاصرہ کی میعادوں میں اختلاف کیا۔ کسی نے سخت قسم کے محاصرہ کو ہی محاصرہ کا نام دیا اور کسی نے سارے عرصہ کو دوسرا پہلو یہ ہے کہ مسلمان ساکن جنگ کے عادی نہ تھے۔ اور دمشق کا محاصرہ وہ عجوبہ کی تخت کر رہے تھے کہ اس کے بغیر چارہ نہ تھا کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ خود جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے چشمہ پر مقیم تھے اور ایران میں فیصلہ کن جنگ کی تیاری ہو رہی تھی۔ اس لئے شام میں زیادہ کمک بھی نہ بھیجی جاسکتی تھی کہ مسلمان دمشق کے گرد کچھ دستے چھوڑ کر شمالی شام کی طرف روانہ ہو جائیں۔ اور نہ ہی مسلمانوں کے پاس محاصرہ توڑنے والے ہتھیار تھے یعنی ان کے پاس وہ ذرائع موجود نہ تھے کہ تلخ کو تھس نہس کر دیتے۔ ویسے پلٹنے والے میں اکثر لڑائیاں محاصرہ کی شکل اختیار کرنے کے بعد ساکن ہو جاتی تھیں۔

محاصرہ کے شروع کے ایام

اسلامی فوج کی کل نفری پچیس سے تیس ہزار کے قریب تھی۔ ہمارے حساب سے اجنادین کی جنگ کے سبب

ہزار سے ایک ہزار کے قریب شہید اور ناکارہ و زخمی ہوئے ہوں گے۔ اور کچھ مجاہدین کو اجنادین، یرموک اور فحل کے ملاقاتوں میں پھوڑا گیا ہو گا۔ اس نے تعداد تیس ہزار کے قریب ہی باقی رہ گئی ہوگی۔ محاصرہ کے ابتدائی ایام میں زیادہ فکریہ تھی کہ رومی محاصرہ کو توڑنے یا محاصرین کو امداد پہنچانے کی کوشش کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

طبری کے مطابق رومیوں کا بارہ ہزار کا ایک لشکر حمص کی طرف سے دمشق کے محاصرین کی مدد کے لئے آیا۔ ہرقل کا مدعا یہ تھا کہ اس طرح محاصرہ کرنے والے اندر اور باہر دونوں طرف سے الجھ جائیں۔ رومیوں کی پیش قدمی کی خبر ملتے ہی جناب ضرار بن ادور کو پانچ ہزار متحرک دستوں کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔

جناب ضرار دشمن کی قید میں

واقعی کے مطابق جناب ضرار نے دشمن پر نیست العتاب کے مقام پر گھات لگانے کی کوشش کی اور دشمن پر بے خبری میں حملہ کر کے اس کو سخت نقصان پہنچایا لیکن خود بھی دشمن کے گھیرے میں آگئے اور دشمن نے ان کو گرفتار کر لیا۔ ان کے بعد مسلمانوں کی کمانڈ جناب رافع بن عمر نے سنبھال لی اور دمشق میں جناب ابو سعیدؓ کو آگاہ کیا جنہوں نے جناب خالدؓ کو فوراً امداد کے لئے بھیجا۔ بے شک جناب ضرار کا دشمن کے ہاتھوں میں چلا جانا ایک بہت بڑا نقصان تھا کہ ان کا نام کئی ہزار شہسواروں کے برابر تھا اور ان کی شہرت کی وجہ سے ان کو دشمنوں کے ہاتھوں سے بچنا ضروری تھا۔ چنانچہ جناب خالدؓ چار ہزار کی نفری کے ساتھ رومیوں کے میدان میں پہنچ گئے۔ اور جلتے ہی ایسے زوردار حملے کئے کہ جلد رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمان مجاہدین میں جناب ضرارؓ کی بہن حضرت خولہؓ بھی تھیں جنہوں نے مردوں کے پیرے پیسے نغے اور اپنی پہچان پر پردہ ڈالا۔ ہوائی انہوں نے اس قدر زوردار حملے کئے کہ مسلمان مجاہدین حیرانہ نغے کہ ان کے درمیان کوئی ایسا شاہسوار لہی موجود ہے جو اتنا بہادر ہے۔ لیکن وہ اس کو جانتے ہی نہیں کہ وہ کون ہے۔ اور جب جناب خالدؓ سمیت مسلمان مجاہدین کو معلوم ہوا کہ یہ اسلام کے ایک عظیم فرزند کی عظیم بہن ہے تو ان پر رقت طاری ہو گئی۔

جناب ضرارؓ کی بازیابی

رومیوں کی شکست کے باوجود جناب خالدؓ فکر مند تھے۔ رومیوں کو شکست دے دینا تو معمولی بات تھی۔ اسلی یہ سب سے بڑی کوشش تھی کہ رومی جناب ضرارؓ کو شہید نہ کریں یا اپنے ساتھ حمص لے جائیں۔ جناب خالدؓ کا دل بنا بنا پ

چکا تھا کہ جناب ضرار رومیوں کے پاس میدان جنگ میں موجود نہیں۔ اور جلد خبروں سے بھی اطلاع مل گئی کہ رومی سپاہی سے بھی بہت پہلے جناب ضرار کو ایک گھوڑے پہ بانڈھ کر حمص لے جا رہے تھے۔ جناب ضرار کو چھڑانا ضروری تھا اور اس کام کے لئے جناب خالد کی نظر ریگستانی راستے کے رہنما جناب رافع بن عیسوی پر پڑی۔ النبی جناب ضرار کی بہن حضرت حولہ کا ساتھ ہونا ضروری سمجھا گیا۔

خبروں سے ایک چھوٹے راستے کا پتہ چلایا گیا اور جناب رافع ایک بوٹھسواروں کے دستہ کو لے کر تیزی سے روانہ ہو گئے۔ خطرہ یہ تھا کہ رومیوں کو اگر اپنے تعاقب کا پتہ چل گیا تو وہ جناب ضرار کو شہید کر دیں گے اس لئے جناب رافع نے تیزی سے آگے بڑھ کر ایک جگہ جا کر گھات لگائی اور جناب ضرار کو دشمن کے پنجہ سے چھڑانے میں کامیاب ہو گئے۔ قارئین اسلام کے ان دو عظیم بھائی، بہن کو دمشق سے حمص جلنے والے راستے میں ایک دوسرے کو ملتے ہوئے دیکھ کر کس مجاہد کی آنکھیں نمناک نہ ہوتی ہوں گی۔

رومی ملک کا تعاقب

اہل روم کی یہ ملک بڑی تیز تیز حالت میں بنا گیا۔ یہی تھی لیکن مسلمانوں کے تمام لشکر نے ان کا تعاقب نہ کیا۔ صرف جناب صامت بن الاسود کو تعاقب کے لئے بھیجا اور واقفی کے مطابق انہوں نے حمص تک دشمنوں کا تعاقب کیا۔ جہاں وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، حمص، دمشق سے تقریباً سو میل دور ہے ممکن ہے مسلمان کا تعاقب والا دستہ شاید حمص کے صوبہ کے حدود میں داخل ہوا جو دمشق سے تقریباً چالیس میل کے بعد شروع ہو جاتی ہے ویسے یہ اصول ہمیشہ یاد رہے اور یہ اصول آج بھی اتنا ہی اہم ہے کہ محاصرہ میں گھرے ہوئے دشمن کے لئے باہر سے دشمن کی جو کمک آئے، اُس کو بہت دور روکا جائے ورنہ، اگر گھیرنے والوں کو کسی کمک کی خبر مل گئی تو وہ بہر حالت میں گھیر لوڑنے کی کوشش کریں گے۔ محاصرہ میں زندگی اور موت کے علاوہ، عزت کی جنگ بھی لڑ رہے ہوتے ہیں۔ کہ وہ دشمن کا قیدی نہ بننا چاہیں گے۔ راقم اور اُس کے ساتھیوں کو ستمبر ۱۹۶۵ء میں اس چیز کا ذاتی تجربہ ہے کہ اپنی ایک بکتر بند گاڑی دیکھ کر ہم نے دشمن کے محاصرہ کو توڑ دیا۔

محاصرے کا دوسرا مرحلہ محاصرے کا دوسرا مرحلہ کب شروع ہوا۔ صحیح طور پر دو حالتوں کو

الگ الگ کرنا مشکل ہو گا ہے۔ بہر حال رومیوں کی کمک کے بھاگ جانے کے بعد مسلمان اب تسلی میں تھے کہ ان کو دور دور تک دمشق کی طرف آنے والے راستوں کو مسدود کرنے کے لئے زیادہ نفری کی ضرورت باقی نہ رہی اور زیادہ نفری کو دمشق کی دیواروں کے نزدیک لایا گیا۔

ادھر اس زلزلے میں یعنی صفر چودہ ہجری میں جناب منشی بن عارث اپنے زخموں کے باوجود ایرانیوں کو بویہ کے مقام پر شکست دے چکے تھے اور جناب سعد بن ابی وقاص کو ایران کا سپہ سالار اعظم منتخب کر دیا گیا تھا جس نے عمرہ مدینہ واپس جا چکے تھے اور جناب سعد بن ایران کی فتوحات کے لئے مجاہدین کا ایک لشکر جہاد تیار کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

بے شک جناب ابو عبیدہ بڑے ٹھنڈے مزاج کے تھے اور بلند بازی میں وہ اپنے مجاہدین کو خواہ مخواہ مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ بہر حال اندازہ کیا جاتا ہے کہ ان تسلی بخش حالات کی وجہ سے دمشق کے محاصرہ کا دوسرا مرحلہ ربیع الاول یا ربیع الثانی چودہ ہجری میں شروع ہوا ہو گا۔

محاصرین کے حالات

دمشق شہر کی حالت یہ تھی کہ کچھ تو اسی علاقے کے باشندے تھے جن کو لڑائی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے علاوہ رومی فوج تھی جس کی نفری کوئی چودہ سے پندرہ ہزار بتائی جاتی ہے۔ اجنادین کے مقام پر نوے ہزار رومی فوج مسلمانوں کے ہاتھوں سے شکست کھا چکی تھی یہ چودہ یا پندرہ ہزار رومی مسلمانوں کے سامنے کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ یہ صرف دمشق کی دیواریں نہیں جو ان کی حفاظت کر رہی تھیں جب مسلمانوں نے محاصرہ شروع کیا یعنی ذوالحجہ تیرہ ہجری میں تو یہ سزویوں کا موسم تھا اور فوری ماتح میں اس علاقے میں سرد ہوا میں چلتی ہیں، اس لئے اہل روم کا خیال یہ تھا کہ مسلمان سردی کی وجہ سے زیادہ عرصہ محاصرہ جاری نہ رکھ سکیں گے۔ مگر جب سردی کا موسم بھی گزر گیا اور موسم بہار آ گیا۔ تو رومی فوج کا کمانڈر تھا مس فکر مند ہو گیا، کہ وہ کسی طرح محاصرہ توڑ کر اپنا ساز و سامان لے کر اپنے خاندانوں کے لوگوں سمیت حمص کی طرف فرار اختیار کرنا چاہتا تھا، ہمارے بعض مورخین نے دمشق کے محاصرے کے دوران، محاصرین اور مسلمانوں کے درمیان کئی بڑی بھڑپور لڑائیوں کا ذکر کیا ہے۔ بے شک محاصرہ توڑنے کے لئے بڑی بھڑپور لڑائی لڑنا پڑتی ہیں مگر فتح تب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ باہر سے بھی کچھ امدادی دستے جہیا ہوں ماسی لئے یہ تمام لڑائیاں دراصل

محاصرہ توڑ کر بھاگ نکلنے کی کوششیں ہی تھیں۔ ایسی کوششیں کئی دفعہ دن کے وقت کی گئیں پھر رات کے وقت بھی ایک آدھ دفعہ محاصرہ توڑنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔ اس وجہ سے محاصرہ طویل پکڑنا گیا کہ باہر سے کوئی بھرپور امداد نہ پہنچ سکی۔

پادری کی کہانی

مسلمانوں نے آخر میں جا کر رجب چودہ ہجری میں دمشق کو فتح کیا۔ اس سلسلہ میں متعدد کہانیاں مشہور ہیں۔ ایک پادری کی کہانی ہے کہ اُس کے ساتھ جناب خالد بن ولیدؓ اُس وقت رابطہ قائم کر گئے تھے، جب عراق سے شام میں داخل ہونے کے بعد (سنیات العقاب) پر جھنڈا لہرایا تھا۔ یہ ایک کہانی ہی معلوم ہوتی ہے، البتہ پادری کے ساتھ رابطہ بعد میں بھی قائم ہو سکتا تھا۔ یہ رابطہ اتنا پُرانا اس لئے بنایا گیا کہ قلعہ بند ہو جانے کے بعد شاید کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ سخت قسم کے محاصرہ کے دوران تو شاید ایسا ہو۔ لیکن پہلے مرحلہ کے دوران جو محاصرہ تھا اُس زمانے میں اکاؤنٹ کا اور چوری چھپے لوگ قلعہ سے ضرور باہر آتے رہتے ہوں گے اور یہ رابطہ اُس وقت قائم کیا گیا ہو گا۔ بہر حال اُس پادری کے بارے میں مشہور ہے کہ اُس کی مدد سے چند مجاہدین قلعہ کے اندر چلے گئے اور انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔

یونس کی کہانی

ایک اور رومانی قسم کی عشق و محبت کی کہانی بھی سننے میں آتی ہے۔ اور اہل قلم حضرات ایسی کہانیاں میں رنگ بھی بھر دیتے ہیں۔ اور خاص کر ہمارا تو گزارہ انہی باتوں پر چلتا ہے۔

ہند کے شاعر و صورت گرد افسانہ نویس

آہ! بے چاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار (اقبال)

تو کہتے ہیں کہ ایک یونس نامی عیسائی عرب اپنی محبوبہ کو جو اس کے نکاح میں بھی آچکی تھی، حاصل کرنے میں ناکام ہو گیا تھا۔ اُس نے ایک رات باہر نکل کر مسلمان اہل شکر سے رابطہ قائم کیا کہ اگر مسلمان دمشق کی فتح کے بعد اُس کی محبوبہ اُسے دلانے کا بندوبست کر دیں تو وہ مسلمانوں کے لئے ادھر سے کچھ رستے پھینکے گا اور مسلمان ان رستوں کی مدد سے اندر داخل ہو کر قلعہ کے دروازے کھول لیں ایسی کہانی تسلیم کی جاسکتی ہے

کہ عشق و محبت والے لوگ جنگ کے زملے میں ایسے کاموں میں بڑے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ بلکہ فوج کی جنگی مشقوں میں بھی جہاں دو ملکوں کی لڑائی کے لئے پہلے جھگڑے کی کوئی صورت پیدا کی جاتی ہے تو اکثر ”جھگڑا“ پر تھوڑی راج اور سبوتا کے سوئبہ کی قسم کی کسی کہانی سے شروع کیا جاتا ہے۔ کہ سپاہی کو ایسی چیزوں کے ساتھ دلچسپی ہوتی ہے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ اللہ کی فوج کے سپاہیوں کے لئے ایسی چیزیں کچھ معنی نہیں رکھتیں لیکن داؤ کے طور پر کوئی چیز حاصل ہو جائے تو اس کو ضرور استعمال کیا جائے اس لئے پادری اور یونس کی امداد کو منظور کر لینے میں کوئی دغا بازی والی بات نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک داؤ کا استعمال تھا جس کی اسلام اجازت دیتا ہے۔

بہر حال دمشق کی فتح کے سلسلہ میں ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ایک طرف رومی تنگ آچکے تھے کہ وہ دمشق چھو کر بھاگنا چاہتے تھے۔ اور دوسری طرف دمشق کے اصلی باشندے بھی چاہتے تھے کہ محاصرہ کہیں ختم ہو۔ اس لئے اگر دمشق کی کسی سمت سے پادری اور یونس کی مدد سے مسلمان مجاہدین داخل ہو گئے اور دوسری طرف تھا مس بھی جناب ابو عبیدہ کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کر چکا ہو اور دونوں واقعات ایک ہی دن ہوئے ہوں تو اس میں کسی اچھنبھے کی بات نہیں۔ لڑائیوں میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ مورخین کا یہ بیان کہ ایک طرف جناب خالد کا لشکر زور کر صبح سحری کے وقت دمشق میں داخل ہو گیا اور دوسری طرف جناب ابو عبیدہ کے ساتھ صلح کر کے تھا مس نے دروازے کھول دیئے اور جناب ابو عبیدہ اور جناب خالد کی ملاقات شہر کے وسط میں ہوئی یہ سب کچھ ممکنات میں شامل ہے۔

مبصرین اور مورخین کی لفاظی

لیکن کچھ مورخین نے سارے واقعہ کو رنگ ہی عجیب و غریب دے دیا ہے۔ ایک مبصر کے لحاظ سے تو سپہ سالارِ عظیم ہی جناب خالد تھے اور گو جناب ابو عبیدہ کو حضرت عمرؓ کا خط مل چکا تھا لیکن انہوں نے اس وقت تک جناب خالد کو خط کے مضمون سے آگاہ نہ کیا تھا اس لئے بد مزگی ضرور پیدا ہوئی کہ جناب خالد کا لشکر اپنے زور بازو سے دمشق میں داخل ہوا تھا۔ اور رومیوں کو مسلمانوں کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے تھے لیکن جناب ابو عبیدہ نے کچھ رعایتوں پر سمجھوتہ کر لیا جس کی وجہ سے رومی اپنا سارا ساز و سامان لے کر دمشق سے جا سکتے تھے اور یونس کی محبوبہ کو بھی لے جا سکتے۔ اس وجہ سے جناب خالد کو جناب ابو عبیدہ

کے طریق کار پر افسوس ضرور ہوا جو مورخین جناب ابو عبیدہؓ کو سپہ سالارِ اعظم مانتے ہیں، اُن کے خیال کے مطابق بھی جناب ابو عبیدہؓ نے رعایتیں کچھ زیادہ دے دیں اور جناب خالدؓ کو حالات سے باخبر نہ رکھا گیا تھا۔ بلکہ آگے یہاں تک بھی جاتے ہیں کہ جناب خالدؓ نے تین دن کے بعد ایک لشکر کے ذریعے بھاگتے ہوئے رومیوں پر ایک چھوٹے سے راستے سے جا کر حملہ کر دیا اور تمام ماں و دولت چھین لیا۔ لیکن یونس کی محبوبہ نے خودکشی کر لی۔ جناب خالدؓ نے اس لڑکی کی بجائے یونس کو ایک اور خوبصورت رومی لڑکی پیش کر دی۔ لیکن وہ لڑکی ہرقل کی بیٹی تھی۔ اور ہرقل کے قاصد نے جناب خالدؓ سے رحم کی بھیک مانگی، تو جناب خالدؓ نے ہرقل کی بیٹی کو آزاد کر دیا۔ یونس البتہ مسلمان ہو گیا اور بعد میں بہادری سے لڑتے ہوئے ایک اور جنگ میں شہید ہو گیا۔

تبصرہ

ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ ہم اس کہانی کو غلط کہیں اور نہ ہی کوئی ناپ تول کا ایسا پیمانہ ہے جس کی مدد سے ایسی کہانی کو غلط ثابت کریں۔ کہانی سبق آموز بھی ہے۔ یونس مسلمانوں میں شامل ہونے کے بعد مسلمانوں کے کردار سے متاثر ہو کر پکا مسلمان ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو شہادت نصیب کی۔ جناب خالدؓ کی ہرقل کی لڑکی کو آزاد کر دینے والی بات بھی اسلامی کردار کی بلندی کا مظاہرہ ہے اور ایسی کہانیوں کو تاریخ سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ نسیم حجازی نے تاریخی کہانیوں میں ایسے رنگ بھر کر لوگوں کے لئے تاریخ میں دلچسپی پیدا کی ہے۔ ایسی کہانی جہاں مسلمانوں کے اعلیٰ کردار کا ثبوت ملتا ہے، وہ نقصان دہ نہیں ہوتی۔ البتہ جناب ابو عبیدہؓ کے جناب خالدؓ کو باخبر نہ رکھنے کے بارے میں بیانات بے معنی ہیں۔ لڑائی میں ہر بات نیچے تک پہنچانی مشکل ہوتی ہے اور جناب خالدؓ جو کارروائی کر رہے تھے اس میں وہ بھی موقع سے فائدہ اٹھا رہے تھے، اور شاید دونوں عظیم صحابہؓ نے ایک دوسرے کو خبر دی بھی ہو۔ لیکن خبر پہنچنے سے پہلے دونوں اپنی اپنی کارروائیوں میں مصروف ہو کر قلعہ کے اندر چلے گئے ہوں جہاں تک فرار ہونے والے رومیوں کے مال و دولت کی بات ہے، کہ حملہ اس لئے کیا گیا کہ تمام ماں و دولت چھین لیا جائے یہ کسی مورخ کی ذہنی اختراع معلوم ہوتی ہے۔ ہم پانچویں باب میں جناب عمرؓ کے جناب ابو عبیدہؓ کے نام خط کے اقتسابات پیش کر چکے ہیں جس میں خلیفہ دوم نے فرمایا کہ کسی مال غنیمت کے لالچ میں

مسلمانوں کو کسی مشکل میں نہ ڈال دینا۔ اس لئے مال و دولت والی تو بات ہی غلط ہے اور پھر ٹونس کو بھی اپنی محبوبہ نہ ملی۔ خیر ہم حصہ اول میں فریاد کا ذکر کر آئے ہیں کہ اس کو شیریں نہ ملی اور ہماری ایسی پیار و محبت کی کہانیوں میں رانجھا، بہر نہ لے سکا اور مہینوں مومہنی کو لینے میں کامیاب نہ ہو سکا شاید مجازی عشق میں ہر جگہ ناکامی ہی ہوتی ہے۔ اور شاید پیام عشق ہی کے سلسلے میں علامہ اقبال یہ اشارہ کر گئے ہیں۔

وجودِ افسردہ کا مجازی ہے ہستی تو ہم ہے حقیقی

خدا ہو ملت پر یعنی آتش زنِ طلسم حجاز ہو جا

دشمن کی فتح

دشمن جب چودہ سبزی میں فتح ہوا۔ تمام مورخین اس تاریخ پر متفق ہیں اور خوشی کی بات ہے کہ زماں و مکاں کے حساب اور واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد ہم بھی یہاں مورخین کے ساتھ متفق ہیں اور وقت کے بارے میں ہمیں اپنے تجزیہ میں کوئی بناوٹی سہارا نہ لینا پڑا تمام مورخین اس بات پر بھی متفق ہیں کہ فتح کے بعد صلح نامہ جناب ابو عبیدہ کی طے شدہ شرائط پر ہوا۔ واقدی بھی یہی کہتا ہے، وہ صرف اماناً یہ کرتا ہے کہ معاہدہ پر دستخط جناب خالد رضی کے تھے، کہ معاہدہ ان کی طرف سے ہے۔ اب معاہدہ یا صلح نامہ ڈیڑھ دو سال تک سنبھال کر رکھا گیا۔ یا یہ اس کی نقل تھی یا کسی کی ذہنی اختراع۔ بات یہ ہے کہ اس معاہدہ کا فائدہ تورومیوں کا تھا۔ اور وہ دشمن کو چھوڑ کر اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ اہل دشمن تو مسلمانوں کے باجگزار بن گئے تھے اور ان کے لئے تو شرائط وہی تھیں جو باقی لوگوں کے لئے ہوتی تھیں اور جہاں بھی مسلمان جاتے تھے ان کے احکام ایک جیسے ہوتے تھے۔ بہر حال دشمن کی فتح ایسے زمانے میں ہوئی کہ جناب سعد بن ابی وقاص بناج والے راستے سے زرد پہنچ چکے تھے اور جناب منیٰ شراف میں ان کا انتظار کرتے ہوئے وفات پا چکے تھے۔ خلیفہ دوم نے ایران کے محاذ پر فیصلہ کن جنگ کی ابھی اجازت نہ دی تھی۔ دشمن کی فتح کی خبر سننے کے بعد جناب عمر رضی نے حضرت سعد کو شراف جانے کی اجازت دے دی اور اس محاذ پر قادیسیہ کی جنگ کی تیاریوں پر زیادہ توجہ شروع کر دی گئی۔

روایت ہے کہ دشمن کی فتح کے بعد جناب خالد نے جن بھاگتے ہوئے رومیوں کو راستے میں جالی

اُن میں رومی فوج کا کمانڈر تھا مس بھی تھا اور وہ لڑائی میں مارا گیا اور جناب خالدؓ جب وہاں سے واپس آئے تھے تو انطاکیہ سے ایک دستہ ایک رومی سفیر کو لے کر آیا جس نے ہرقل کی طرف سے درخواست کی کہ رحم کے نام پر جناب خالدؓ اُس کی لڑکی اور تھامس کی بیوہ کو آزاد کر دیں۔ دمشق سے انطاکیہ تقریباً ایک سو اسی سے لیکر دو سو میل بنتا ہے۔ یعنی کم از کم ہفتہ دس دن کا سفر ہے جناب خالدؓ نے رومیوں پر تین دن کے سفر کے بعد چھاپہ مارا تو وہ تقریباً آدھا یا اُس سے کم سفر طے کر چکے ہوں گے اور انطاکیہ تک چار دن کا سفر باقی تھا۔ کیا ہرقل کو خبر مل جانے کے بعد کہ اُس کی بیٹی کے ساتھ کیا ہوا، ہرقل کا سفیر جناب خالدؓ کو ایسے وقت مل گیا جب وہ دمشق نہ پہنچے تھے؟ زماں و مکاں سے یہ کہانی بھی صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ جناب خالدؓ نے ہرقل کی بیٹی کو رومی لشکر کی منت پر آزاد کر دیا ہوگا۔ پھر یزدجرد کی بیٹی کو تو مدینہ بھیج دیا گیا، ہرقل کی بیٹی کو آزاد کر دیا گیا، تو کوئی خاص وجہ ضرور ہوگی۔ یزدجرد جگہ جگہ ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ بیٹی کو کیا سنبھالتا۔ قیصر روم کی بیٹی بیوہ ہوئی تھی اور قیصر اُس کو اپنے دار الحکومت میں عزت کے ساتھ رکھ سکتا تھا۔

دمشق پر قبضہ

واقعی کے مطابق دمشق پر قبضہ کے تقریباً ایک دو ہفتے بعد شعبان چودہ ہجری میں ایک عیسائی عرب نے جناب ابو عبیدہؓ کو بتایا کہ چند دنوں تک عبد القدوس کے مقام پر ایک بہت بڑا میلہ لگے گا اور اگر مسلمانوں کو اور مالِ غنیمت کی ضرورت ہے تو اُس کے لئے بڑا اچھا موقع ہے۔ یہ عیسائی مسلمانوں سے کچھ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اور حالات کچھ ایسے بیان کئے کہ ابو عبیدہؓ وہاں پر چھاپہ مارنے کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ نے مسلمانوں سے پوچھا کہ کون ایسے چھاپہ کے لئے تیار ہے تو نوجوان عبد اللہ بن جعفر طیار شہیدؓ نے رضا کارانہ طور پر اس چھاپہ پر جانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا اور بزرگ صحابی جناب ابو ذر غفاریؓ جیسے لوگ بھی تیار ہو گئے۔ اُن کو ٹوٹ مار سے غرض تو نہ تھی البتہ وہ شہادت کے طالب رہتے تھے۔ چنانچہ جناب ابو عبیدہؓ نے پانچ سو سواروں کے لشکر کے ساتھ یہ لشکر عبد القدوس روانہ کر دیا۔ گبن نے اپنی تاریخ میں اس جگہ کو ایلہ کہا ہے۔ اور ابلہ کے نام سے ایک ایسی جگہ دمشق سے بلبک کی طرف جاتے ہوئے تیس میل کے بعد آتی ہے۔ آگے واقعی لکھتا ہے کہ وہاں پر پانچ ہزار کار رومی لشکر تھا جس نے مسلمانوں کو گھیر

میں لے لیا۔ اور ایک مسلمان بچ کر واپس آیا جس نے سپہ سالار کو حالات سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد جناب ابو عبیدہ نے جناب خالدؓ کو مسلمان مجاہدین کو بچانے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے بڑی بہادری کے ساتھ نہ صرف رومیوں کا قلع قمع کیا۔ بلکہ کافی زیادہ مال غنیمت بھی ساتھ لے آئے اور خود جناب خالدؓ زخمی ہوئے۔ جناب ابو عبیدہ نے جناب خالدؓ کی اس کارروائی کی تعریف کی اور خلیفہ دوم کو آگاہ کیا کہ جناب خالدؓ نے کس بہادری سے مسلمان مجاہدین کو بچانے کا کام کیا۔

تبصرہ ۹ :۔ واقعی کے حوالے سے کچھ مبصرین اور نگین نے سارے واقعہ کو ایسا رنگ دیا ہے کہ کہانی پر یقین نہیں آتا۔ بلکہ دمشق سے تقریباً چالیس میل دور ہے اور مسلمان مجاہدین کا رومیوں کے علاقے میں کسی چھاپہ پر وہاں چلا جانا تو فوجی حکمت عملی کے تحت صحیح تھا۔ لیکن خلیفہ دوم کی ہدایات کے باوجود اور جناب ابو عبیدہ کے ضمیر کو سمجھتے ہوئے ہمیں تو ساری کہانی میں کوئی بناوٹ ہی نظر آتی ہے۔ بلکہ ہمارے ایک مبصر نے جس رنگ میں اس ساری کہانی کو اپنی کتاب میں لکھا ہے وہ الفاظ جناب ابو عبیدہ اور جناب عمرؓ کی شان کے شایان نہیں۔

لیکن واقعی نے ایسی کہانی کیوں لکھی؟ اس میں جناب عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی کارروائی پر بھی حیرت آتا ہے کہ سوچے سمجھے بغیر رومیوں کے اندر پھنس گئے۔

بناوٹیں اور اضافے

حضور پاکؐ کی وفات کے بعد متعدد جنگوں یا لڑائیوں کا ذکر ہو چکا ہے لیکن کسی جنگ میں کسی سطح پر حضور پاکؐ کے دادا اشم کی اولاد سے کبھی کسی مجاہد کا نام اس طرح ادھر نہ آیا کہ انہوں نے فلاں دسے کی کمانڈ کی۔ یا فلاں کا نامہ انجام دیا۔ پہلی دفعہ جناب عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالبؓ کا ذکر آیا، تو کارروائی میں ناکامی کی کہانی ہے۔ یہ پہلو تہمیز طلب ہے۔ اور سوال یہ ہے کہ کیا حضور پاکؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے خاندان کے لوگوں نے جنگ میں شرکت نہ کی؟ یا خلافت کے دعویدار دوسرے لوگوں کی وجہ سے یا ان کے ڈر کی وجہ سے مورخین نے بنو اشم کی بہادری یا جنگ میں شمولت والی بات تاریخ سے کاٹ دی، ہماری پرانی تاریخوں میں تو پھر بھی جناب امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی افریقہ اور ایران کی جنگوں میں شرکت کا ذکر ملتا ہے اور امام حسینؓ کی تسلفظیہ کی جنگ میں شرکت کا ذکر بھی ہے۔ لیکن آجکل کے زمانے کی تاریخوں میں سے یہ بیانات

مسلمانوں کی فتح کی صورت میں ختم ہو چکی تھی اس لئے مسلمان مجاہدین نے شام کے علاقوں میں تسلی کے ساتھ اپنے دستے پھر شمال میں طبرستان کے مقام تک بھیج دیئے۔

برقل کی بھرپور تیاری

بہر حال ربیع الاول اور ربیع الثانی پندرہ ہجری میں معلوم ہوا کہ اہل روم مسلمانوں کو شام سے نکلنے کے لئے ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں اور بوروبہ، اناطولیہ، آرمینیا اور شام کے بچے کھچے و فادار لوگوں کے لاؤ لشکر تیار کئے جا رہے ہیں اور مقصد صرف مسلمانوں کو شام و فلسطین سے باہر پھینکے گا ہے۔ بلکہ مسلمانوں کو مکمل طور پر ختم کر کے مکہ و مدینہ کو تاخت و تاراج کرنا بھی ہے اور اس سلسلے میں مسلمانوں کے رد عمل کو ہم اگلے باب میں زیر بحث لائیں گے لیکن یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ مدینہ میں خلیفہ دوم شام میں اس قسم کے حالات کے ظہور پذیر ہونے سے بے خبر نہ تھے۔ ان کو اندازہ تھا کہ ایسے حالات ضرور پیدا ہوں گے جناب سعد بن ابی وقاص خرم پندرہ ہجری میں قادسیہ کے مقام پر ایرانیوں کے خلاف ایک عظیم الشان فتح حاصل کر چکے تھے لیکن جناب عمر فاروقؓ نے انہیں مدائن کی طرف پیش قدمی سے روکا ہوا تھا اور حکم دیا ہوا تھا کہ ایران میں تب تک کوئی بھرپور کارروائی نہ ہوگی جب تک شام میں حالات مکمل طور پر تسلی بخش نہیں ہو جاتے چنانچہ یرموک کی دوسری جنگ رجب پندرہ ہجری میں ہوئی اور اس فتح کے بعد ذی قعد پندرہ ہجری میں جناب سعد بن ابی وقاص دریائے فرات کو پار کر کے بابل کے مقام تک پہنچے اور مدائن صفر سولہ ہجری میں جا کر فتح ہوا۔ آنے والے واقعات پر پہلے سے زمان و مکاں کا تبصرہ کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ خلفاء راشدین دونوں محاذوں پر زماں و مکاں کے حساب سے فتوحات حاصل کر رہے تھے اور جب ایک محاذ پر کوئی مشکل یا بھرپور کارروائی ہو رہی ہوتی، تو دوسرے محاذ پر معاملات دیکھ کر بحال تک محدود رہتے تھے یہی وجہ ہے کہ بارہویں باب میں فتوحات کو تسلسل کے ساتھ اور وقت کا حوالہ دے کر بیان کیا جائے گا، کہ مسلمانوں نے دنیا ایسے آسانی سے فتح نہیں کر لی تھی جس طرح ہمارے مورخین فتوحات کا بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ بعض دفعہ فتوحات کو بڑھا چڑھا بھی دیتے ہیں اور جب کوئی مشکل گھڑی آجاتی ہے تو چند لوگوں پر الزام لگا دیتے ہیں۔ یہ بات یہ نہیں ہے۔ جنگ میں سب کچھ ہوتا ہے اور وہاں سب

بر۔ اس کا سب تفصیل پہلی کتاب کے بیسویں باب میں موجود ہے۔



کچھ حکمتِ عملی کے تحت یا باقاعدہ جائزوں کی مدد سے چوریا تھا۔

نتائج و اسباق و خلاصہ

۱۔ یہ باب نتائج کے لحاظ سے بہت اہم ہے اور اسباقِ عسکری مدبروں کے لئے عظیم مثالیں ہیں۔ ویسے تو برفتح کے اثرات مختلف ہوتے ہیں اور گو برفتح کے "عطیات و ثمرات" بھی ہوتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ یہ عطیات و ثمرات یکے کے ہوں۔ بعض دفعہ یہ ثمرات پہنگے بھی پڑتے ہیں۔ اس لئے اپنی فتوحات کو قائم رکھنا پڑتا ہے کہ ثمرات یکے ہوں۔ علامہ اقبال بھی اس طرف اشارہ کر گئے ہیں:-

نخلِ اسلام نمونہ ہے بروندی کا

پھل ہے سینکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

۲۔ ویسے دمشق کی فتح پر بہت کچھ "خرچ" کرنا پڑ گیا۔ محاصرہ ملبا ہو گیا۔ گو دمشق کا شہر ضرور بڑا تھا۔ لیکن عسکری لحاظ سے اتنا اہم نہ تھا۔ یہاں پر دشمن کی فوج کو اس طرح تہس نہس نہ کیا جاسکا جس طرح اجنادین میں کیا گیا۔ یہی چیز جموں میں ہوئی البتہ قحط کی فتح کے ثمرات زیادہ تھے اپنا عقب بھی دشمن سے پاک ہوا۔ اور نچلے علاقوں میں فتوحات کو بھی آگے بڑھایا جاسکا اور دشمن کی فوج کا بھی بے پناہ نقصان ہوا۔

۳۔ فوجی حکمتِ عملی کے لحاظ سے بہترین تجویز وہ ہوتی ہے کہ ایک ہی دار سے اہم زمین پر بھی قبضہ کر لیا جائے اور دشمن کی فوج کو بھی تہس اور نہس کر دیا جائے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دشمن بھی اہم زمین کے بچاؤ کے لئے اپنی تمام تر قوت کو جنگ میں جو تک دیتا ہے اور اسی کو فوجی مبصروں نے "مقناطیس" کا نام دیا ہے کہ افواج ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ دراصل بات ضرورت ہی کی ہوتی ہے۔ بہر حال اگر یہ دونوں مدعا ایک ہی دار میں حاصل ہو جائیں تو فیہما۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر جو کچھ مل جائے۔ اگر دشمن کی فوج کو تہس نہس کر سکیں تو بہتر ورنہ اہم زمین پر قبضہ ہی ہو جائے تو ٹھیک ہے۔

۴۔ دمشق کی فتح میں یہ دونوں چیزیں حاصل نہ ہو سکیں، کیونکہ دمشق نہ تو اہم مقام تھا اور نہ دشمن کو برباد کر سکے۔ تو پھر ثمرات حاصل کرنے کی بجائے فتوحات کو آگے بڑھانا پڑا۔ اور اس طرح جنوبی علاقوں یعنی اردن اور فلسطین میں بھی فتوحات حاصل کرنا پڑیں۔ اور شمالی شام تک اسلام کو بھی پھیلا دیا گیا۔ بلکہ ایران میں ملک بھی بھیج دی گئی۔ لیکن اب ان فتوحات کو قائم رکھنے کی ضرورت تھی۔

۵۔ یہ فتوحات شمال میں قائم نہ رکھی جاسکیں اور اگلے باب میں ان علاقوں سے پسپائی کا ذکر ہوگا۔ بلکہ دمشق کو بھی چھوڑنا پڑا۔ تو کیا ان فتوحات کو حاصل کرنے کی کارروائی غلط تھی کہ ان فتوحات کو قائم نہ رکھا جاسکا؟ نہیں بات یہ نہیں۔ ایران میں بھی مسلمان حیرہ کب کا فتح کر چکے تھے اور دریائے فرات کو پار کر کے دشمن کو سکسر اور بابل کے مقامات پر شکست دے چکے تھے لیکن آخری فتح انہوں نے قادسیہ کے مقام پر حاصل کی اور قادسیہ میں اکٹھا ہوتے وقت پہلے کے فتح شدہ علاقے چھوڑ آئے۔ مسلمانوں کا یہ ایک طرز جنگ تھا۔ وہ فتوحات حاصل کرتے تھے اور اپنے آپ کو آگے صرف اتنا بڑھاتے تھے کہ جس حد تک وہ اپنے آپ کو پھینچ سکتے تھے۔ پھر جب دشمن کا آگے سے زور پڑتا تھا تو وہ اپنے آپ کو سپرنگ کی طرح سکیر لیتے تھے۔ اور جب دشمن اس بنیان المرصوم کے ساتھ ٹکریں مار مار کر تھک جاتا تو وہ مٹھک ہو کر دشمن کو تہس نہس کر دیتے تھے۔

۶۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان میں ہم بھی کسی ایسی طرز جنگ کو اپنائیں؟ تو یہ ایک مشکل سوال ہے ۱۹۷۱ء میں سیالکوٹ کے محاذ پر ہم نے ایسا کیا اور نقصان اٹھایا اور موجودہ حالات میں ہم ایسی کارروائی نہیں کر سکتے۔ ایسی کارروائی دشمن کے علاقے میں کی جاسکتی ہے اور وہ بھی محدود، حد تک اور ایسی کارروائی کے لئے ہمیں اس فلسفہ حیات پر مکمل طور پر عمل کرنا ہوگا جس پر وہ مسلمان عمل کرتے تھے کہ جب اذان کی صدا بلند کرتے تھے تو پہاڑوں کے دل ہل جاتے تھے:-

۷۔ ناگاہ فضا بانگِ اذان سے ہوئی لبریز

وہ نعرہ کہ ہل جاتا ہے جس سے دل کھار (اقبال)

۷۔ تو اب سوال یہ تھا کہ کیا مسلمان جو کچھ حاصل کر چکے تھے اس کو کھو دینے کے بعد دشمن خاموش ہونے لگے؟ ان کا متبرک مقام بھی بیت المقدس تھا اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش والی جگہ بھی فلسطین ہی میں تھی۔ مسلمانوں نے حکمت عملی کے طور پر بیت المقدس پر قبضہ تو نہ کر لیا تھا، لیکن اس کے چاروں طرف اور بہت اوپر تک سبب شام و فلسطین پر اسلامی لشکر چھائے ہوئے تھے اور بیت المقدس کسی وقت بھی ان کی قبولی میں گر سکتا تھا۔ اگر اہل روم ایشیا سے خاموشی کے ساتھ دم دبا کر بھاگ جاتے اور قسطنطنیہ (استنبول) میں جا کر پناہ گزیں ہوتے، تو مسلمانوں کا سیلاب اس طرف بڑھتا جاتا۔ چنانچہ ہر قتل جیسے مدبر آدمی کے لئے ضروری تھا کہ کم از کم وہ ایک بھر پور کوشش ضرور کرے۔ اور مسلمان یہ جانتے تھے۔ تو تب ہی وہ یوں

کے محاذ پر خاموش ہو چکے تھے۔

۸۔ اہل یورپ کے جنگی ماہرین اسی وجہ سے فتح کا اختتامی مقام نہیں تلاش کر سکے کہ ان کے پاس فلسفے باطل ہیں۔ بامقصد جنگ کی تیاری کے لئے زمان و مکان اور ذرائع کو ایک اعلیٰ ترین حکمتِ عملی کے تحت شیرو شکر کیا جاتا ہے اور تب ہی مسلمانوں نے یہ فتوحات حاصل کیں۔۔

س چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے

رفعت شان رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے۔ (اقبال)

آٹھواں باب

یرموک کی جنگ کے لئے طرفین کی تیاری

تاریخی لحاظ سے یرموک کی جنگ، دنیا کی ایک عظیم ترین جنگ ہے حضور پاکؐ کے زمانے سے جب آپؐ نے ہرقل کو اسلام کی دعوت دی اور عیسائی سردار شرجیل نے مسلمان سفیر جناب حارثؓ کو شہید کر دیا بعد میں جنگ موتہ ہوئی، پھر یرموک کی مہم اور جناب اسامہؓ بن زیدؓ کے لشکر کے عربی مظاہرے ہوئے۔ یا اب تک ان سات ابواب میں جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے، ان سب کارروائیوں کے نتیجے کے طور پر یرموک کے میدان میں پندرہ ہجری کے وسط میں ایک بھرپور کارروائی ہوئی جو اس صدی کی تو بلاشبہ بہت بڑی فیصلہ کن جنگ تھی، لیکن دراصل ایسی فیصلہ کن جنگیں تاریخ میں خال خال نظر آتی ہیں۔

مورخین کے تبصرے

اہل یورپ سمیت دنیا کے تمام مورخین اور مبصرین نے اس جنگ کو دنیا کی ایک عظیم اور فیصلہ کن جنگ قرار دیا ہے جس نے تاریخ کے دھارے ہی تبدیل کر کے رکھ دیئے۔ میجر جنرل فلر جیسا متعصب مبصر بھی اپنی کتاب میں اس جنگ پر ایک پیرا گراف لکھ ہی چھوڑتا ہے۔ لیکن یہاں بھی اُس کے ذہن میں سازش و شرارت ہے جنگ کا ذکر کرنا تو اُس کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ اہل روم یا بقول اہل یورپ بارنٹینی لوگوں نے اس جنگ کے بعد ایشیا کو الوداعی سلام کہا اور چند سال بعد اگر مسلمان ایک طرف آجائے باسفورس کے قریب خیمہ زن تھے تو دوسری طرف افریقہ سے اہل روم کو نکال چکے تھے اور پھر اُس کے چند سال بعد سپین کے راستے یورپ میں داخل ہو گئے۔ جنگ یرموک ایک دروازہ تھا جس کے کواڑ زبردستی کھولنے کے بعد کئی سو سال تک مسلمان مجاہدین کو روکنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ تو جنرل فلر کو مجبوراً اس جنگ کا ذکر کرنا پڑا، ہاں! شرارت کے طور پر مسلمانوں کی اس عظیم فتح کے لئے فلر نے ساری جنگ کی سطح کو کم تر کرنے کی کوشش بھی کی۔

اس جنگ میں وہ رومیوں کی تعداد پچاس ہزار بتاتا ہے اور مسلمانوں کی کم تعداد کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ وہ صرف پچیس ہزار تھے آگے جناب خالدؓ کے منور اور حرکتی چال کو بھی تسلیم کرتا ہے لیکن رومیوں



کی شکست کی وجہ تمام تران کے خراب نظام حکومت کے سر قھوپ دیتا ہے کہ وہ ایشیائی علاقوں کے لوگوں کے ساتھ اچھی طرح پیش نہ آتے تھے۔ لیکن یہ بھول جاتا ہے کہ لوگ تو لڑائی میں حصہ نہ لے رہے تھے اور علاقے کے جو لوگ جیلہ سمیت رومیوں کے ساتھ تھے وہ جنگ کے کئی سال بعد بھی رومیوں کے وفادار رہے اور کچھ لوگ یورپ میں جا کر آباد بھی ہو گئے۔ لیکن اصلی بات یہ ہے کہ لشکر میں ۹۰ فوٹے فیصلہ لوگ آرمینیا، یونان اور باقی بلقان کے علاقوں سے تھے، انہوں نے صلیبیں اٹھائی ہوئی تھیں اور جنگ کو مذہبی رنگ دیا جا رہا تھا۔ تو پھر لوگوں پر خراب حکومت نے میدان جنگ پر کیا اثرات ڈالے؟ ہاں البتہ جنرل فلر کو اصلی بات معلوم نہ تھی۔۔

۵ مٹایا قبصر و کسرے کے استبداد کو جس نے

وہ کیا تھا؟ زور حیدر، فقر پوزر، صدق سلمانی رضہ۔ (اقبال)

اہل یورپ کا تعصب

کیمبرج یونیورسٹی کی تاریخی کتابوں کا متعصب مصنف پروفیسر بیکر بھی تسلیم کرتا ہے کہ اہل روم کی فوج کی تعداد یرموک کی جنگ میں مسلمانوں کی تعداد سے زیادہ تھی۔ اور جنرل گلب بھی تسلیم کرتا ہے کہ سرزمین شام پر اس سے پہلے اہل روم کا آنا بڑا لشکر دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ لیکن یہ دونوں تعداد تے بارے میں خاموش ہیں۔ مشہور مورخ گین بھی رومیوں کی برتر تعداد کو تسلیم کرتا ہے۔ اور پھر یہ سارے مورخ جنگ کے آخری دن آنے والی ایک آندھی کو شکست کی وجہ قرار دے دیتے ہیں۔ لیکن آندھی کی وجہ سے رومی یرموک سے بھاگ کر دمشق یا حمص یا بیروت وغیرہ میں ٹھہر جاتے۔ آخر ایشیا کو الوداعی سلام کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ وہ ضرورت تو صرف اس لئے پیش آئی کہ اہل روم کو یرموک کے میدان میں ستر ہزار لاشیں چھوڑ کر بھاگن پڑا تھا مسلمانوں نے یہ لاشیں بعد میں گنیں کہ اُس دن فوری تعاقب پر نہ جاسکے کہ رات پڑ گئی تھی۔ دوسرے دن محدود تعاقب کے ذریعے صرف رومی سپہ سالار اعظم کا سر کاٹنے کی ضرورت تھی جو مجاہدین نے کاٹ لیا۔ بہر حال غیرو کا تعصب اپنی جگہ پر ہم حرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ جنگ بہت ہی زیادہ فیصلہ کن تھی اور یہ ذرا فیصلہ کنی سو سال ہمارے ترازو کے پلڑے میں رہا۔ لیکن حق اور باطل کی یہ جنگ جاری و ساری ہے اس لئے جنگ یرموک کو اگر پہلی صلیبی جنگ کا نام دے دیں تو کوئی ہرج نہیں کہ بعد کی صلیبی جنگوں میں بھی وہی صلیبی جھنڈے اُٹھانے کا طریقہ اپنایا گیا، جو یرموک کی جنگ میں اپنایا گیا تھا۔ وہی صلیبیں، وہی پادری، وہی یورپ سے لگ

اور علاقے کی نصرانی آبادی کے جذبات کو بھڑکانا جیسے اُس وقت شروع کیا ویسے ہی اُس کو صلیبی جنگوں میں بھی دہرایلیا اور آج اسرائیل یا لبنانی عیسائیوں سے وہی کچھ کرایا جا رہا ہے۔ اور کمک اب بھی آرہی ہے اور کمک دینے والے دوسری دنیا کے یورپین ہیں۔

جنگ یرموک کا عسکری پہلو

اس تاریخی پہلو کے علاوہ، فوجی لحاظ سے یرموک کی جنگ نہ صرف اہم ہے اور اس سے اہم نتائج نکلے بلکہ اس کا مطالعہ عسکری تاریخ کے جو مطالعے فوج میں بحشد کے ذریعے کئے جاتے ہیں اُن کے لئے کافی مواد موجود ہے اور معاملات کو زیر بحث لانے کے لئے حربی پہلو، ذرائع، زمین، صف بندی، طرز جنگ وغیرہ کی یہاں طرح بچان چھک ٹھیک ہو سکتی ہے کہ دنیا کی دوسری جنگوں میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی، یہ مقابلہ اُس زمانے کی دو تین صدی سے تسلیم شدہ حکمت عملی کے دو ملنے ہوئے ماہروں کے درمیان تھا۔ ایک طرف ہرقل تھا جو دنیاوی لحاظ سے اپنے زمانے کا ماہر مدبر تھا۔ وہ ایسی کامیابیاں حاصل کر چکا تھا جن کی مثال عام تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔ کہ جب ایران کی فوج نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو وہ چپکے سے ایک طرف سے نکلا اور فوج اکٹھی کر کے ایرانی دارالحکومت مدائن کے دروازے کھٹکھٹانے شروع کر دیئے اور جنگ کاٹھ ہی تبدیل کر کے رکھ دیا۔ دوسری طرف صحرائے عرب کے بوریانین اور حضور پاک کے غلام جناب فاروق اعظمؓ تھے۔ وہ وہی کچھ کرتے تھے جو انہوں نے اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰؐ سے سیکھا تھا اور اپنے عظیم رفیق، یارِ غازی کی بنائی ہوئی حکمت عملی کو پروان چڑھا رہے تھے۔ میدان جنگ میں ایک طرف اگر ہرقل کے بیٹے خاندان کے تمام عظیم جرنیل، یورپ کے جنگجو اور صلیبوں کے جھنڈے تلے لڑنے والے نصرانی تھے، تو ان کے مقابلے میں امین اللہ اللہ کی تلوار، وحی کے کئی کاتب، اسلام کے عظیم عالم حضور پاک کے عاشق و غلام، قرآن پاک کے حافظ اور اللہ کے ذکر سے روحانی غذا حاصل کرنے والے مجاہدین تھے جو صرف اللہ اور رسولؐ کے لئے لڑتے تھے۔

۵ مسلم التی سیندرا از آرزو آباد دار — ہر زمان پیش نظر لا یخلف المیعاد دار (اقبال)

طرفین کے تجزیے

ہرقل کا رد عمل بڑا مدبرانہ تھا۔ اور مسلمان افواج اس زمانے میں جس طرح پوری سرزمین شام

پر پھیل ہوئی تھیں۔ پچھلے ابواب میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

اگر ہر لشکر و میوں کے بھر پور دار کا الگ الگ مقابلہ کرتا تو حالات کو سنبھالا دینا مشکل ہو جاتا۔ اس لئے برقل کے رد عمل کے خلاف مسلمانوں کا مزید رد عمل یہ تھا کہ انہوں نے اپنی فراست کو استعمال کیا۔ اور اپنی طاقت کو منتشر نہ ہونے دیا یہ سبق ان کو حضور پاکؐ پڑھا گئے تھے۔ اب مسلمانوں کے لئے سوال یہ تھا کہ دشمن کے ساتھ مقابلہ کس جگہ کیا جائے۔ اہل روم کا دوست سمندر مغرب میں تھا۔ مسلمانوں کا دوست ریگستان مشرق میں تھا۔ جو تمس سے یکر و دوسمۃ الجندل تک پھیلا ہوا تھا۔ مسلمان اگر دمشق سے اوپر کسی جگہ اہل روم کا مقابلہ کرتے تو ریگستان مسلمانوں کی مدد کر ہی رہا تھا۔ لیکن وہ ایسی جگہ پر مقابلہ کرنا چاہتے تھے کہ ریگستان تو مسلمانوں کی مدد کرے لیکن رومی سمندر سے مکمل فائدہ نہ اٹھا سکیں پھر مسلمان حکمت عملی کے طور پر بھی دشمن کے خلاف حیران کن کارروائی کرنا چاہتے تھے۔ کہ اُس کے ساز پر نچنے کی بجائے اُس کو اپنے ساز پر نچائیں۔

جنرل گلب کا تعصب

جنگ یرموک فوجی لحاظ سے ایک دلچسپ مطالعہ جتنا کرتی ہے اور اس ساری تمہید کا مقصد یہ بھی ہے کہ عسکری تاریخ کے طالبان علم پوری جنگ کے ایک ایک واقعہ کا مطالعہ ان نکتوں کے تحت کریں جو پہلے سے واضح کئے جا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر اہل روم حکمت عملی میں کچھ کم تدبیر کے مالک نہ تھے۔ بے شک اُن کے پاس مسلمان مجاہدین والی فراست نہ تھی مگر حربی تدبیر ضرور تھا۔ لیکن وہ حیران اس وجہ سے تھے کہ اُن کا کس قوم کے ساتھ واسطہ ہے کہ وہ ہر جنگ میں کسی نئی طرز یا تدبیرات کا مظاہرہ کرتے ہیں چنانچہ ہمارے لئے جنگ کی تیاری کے واقعات میں جانا بہت ضروری ہے تاکہ ہم تیاری کے ذریعے جنگ کے واقعات میں داخل ہوں اور پھر ان واقعات سے نتائج اور اسباق اس مطالعہ کی مدد سے نکال سکیں۔ جنرل گلب بھی ایسے مطالعوں کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن جب وہ اہل روم کے ساتھ مسلمانوں کی جنگوں کے ذکر کی طرف آتا ہے تو ایک عجیب و غریب تعصب سے کام لیتا ہے اور اب اس کے بیانات میں وہ صفائی

علا تفضیل کے لئے جلال مسطفیٰ کے دوسرے باب خصوصاً صفحہ ۸۴ سے استفادہ کریں۔

نہیں رہتی، جو اُس نے مسلمانوں کی عراق کی فتوحات کے سلسلہ میں دکھائی۔ جنگ یرموک کے واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے :-

”عرب تاریخ دان، اس کی کوئی وجہ نہیں بیان کر سکے، کہ مسلمان اتنا جنوب کی طرف کیوں پسپا ہو گئے، وہ کسی بھی جگہ ریگستان کا استعمال کر سکتے تھے۔ اور ہر قتل بھی مسلمانوں کی اس پسپائی سے خوش ہو گیا ہو گا، کہ اس کے بعد مسلمان شمالی یا اوپر والے شام پر حملہ آور نہ ہو سکیں گے اس لئے اُس کی فوج بھی صف بندی کر کے اور پوزیشن لے کر یرموک کے میدان جنگ میں ٹھہر گئی۔ اور جب آندھی چلی تو اُس سے مسلمانوں کو فائدہ ہوا۔ کہ رومیوں کے منہ پر ریت کے پھینٹے پڑ رہے تھے اور مسلمانوں نے کچھ تجویز ضرور بنائی تھی کہ کہ اُن کے دستے دائیں اور بائیں سے بڑھ کر رومیوں کے پیچھے پہنچ گئے پھر اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر رومیوں کو شکست فاش دے دی۔“

یہ پڑھ کر ہنسی ضرور آتی ہے کہ مسلمانوں نے بھی کچھ تجویز ”بنائی تھی۔ اور جنرل گلب کے اس سوال کا جواب بھی جنگ کے نتائج میں موجود ہے۔ کہ مسلمان اتنا جنوب اس لئے آئے تھے، کہ قیصر روم ایشیا کو الوداعی سلام کہہ دے۔ ہم مسلمان کافی سادہ ہیں کہ جنرل گلب، اردن والوں کا مشیر بن کر مسلمانوں کے اتحاد میں جو روٹے اٹکا مارا وہ تو الگ بات ہے لیکن ایک کتاب لکھ کر ہماری تاریخ کو بھی خراب کر گیا۔ ظاہر ہے وہ بھی بالفرد کے اعلان کو پروان چڑھانے کے لئے آیا تھا۔

جہلتا ہے مگر شام و فلسطین پر مراد ل تدبیر سے کھلتا نہیں یہ عقدہ دشوار !!
ترکان جفا پیشہ کے پنچہ سے نکل کر بے چارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار (اقبال)

بہر قتل کا تجزیہ

اب ہم جنگ یرموک کی کہانی کی طرف واپس آتے ہیں۔ بہر قتل کے تدبیر میں کوئی شک نہ تھا۔ جنادین کی شکست کے بعد اُس نے دمشق کے محاصرہ کے سلسلہ میں مسلمانوں کو کافی عرصہ روکا۔ علاوہ دمشق پر مسلمانوں کے قبضہ کے بعد بہر قتل نے فعل کے مقام پر اجنادین کی قسم کی کارروائی کی لیکن مسلمان مجاہدین نے وہاں پر بھی اس کی فوجوں کو شکست دی۔ مسلمان ابھی فعل سے نکل کر طبریہ وغیرہ کے علاقوں میں مصروف تھے، تو بہر قتل نے ایک دھاوا کر کے دمشق پر اچانک قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن جناب ابو عبیدہ



اور جناب خالد بن ولید نے ہر قتل کی یہ شمش بھی پھیل دلا سکی اور رومیوں کا اتنا سخت نقصان ہوا کہ جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ نے نہ صرف محسن پر آسانی سے قبضہ کر لیا بلکہ وہاں سے آگے تک پیش قدمی کر گئے۔ لیکن ہر قتل نے حوصلہ نہ مارا۔ وہ پُر امید تھا اور اس نے ایک بڑا لاکھ لشکر تیار کیا، جس کی تعداد بعض مورخین نے دو لاکھ بتائی ہے اور بعض نے ڈیڑھ لاکھ۔ اس فوج کا سپہ سالار اعظم کچھ مورخین کے لحاظ سے باہان تھا۔ اور کچھ کے لحاظ سے تو ذرا لیکن باہان والی بات زیادہ صحیح ہے کہ تو ذرا مروج الروم کی جنگ میں مارا گیا تھا۔

رومیوں کے لشکر اور تجویز

باہان آرمینیا کا باجگزار بادشاہ بھی تھا۔ وہ آرمینیا سے ایک لشکر تیار کر کے لے آیا تھا۔ دوسرا لشکر قزاغیر کا تھا جو بلقان کے علاقے کی سلاد قوم کا شہزادہ تھا۔ تیسرا لشکر گریگوری کا تھا جو یونانی تھا۔ اور چوتھا لشکر دیرجان کا تھا جس میں ملی ملی قومیتوں کے لوگ تھے۔ ایک پانچواں لشکر بھی تھا لیکن اس کے جوانوں کو اکثر دوسرے لشکروں میں بانٹ دیتے تھے۔ اس لشکر میں زیادہ تر ایشیا کے عرب نسل عیسائی تھے، جس میں زیادہ تعداد قبیلہ عسنان کی تھی اور لشکر کا کمانڈر جبار تھا، جو شرجیل کے بعد عسنانی علاقے کا باجگزار بادشاہ تھا۔ یہ تمام لشکر اناطولیہ اور شمالی شام کے علاقوں میں اکٹھے کئے جا رہے تھے اور ہر لشکر کی نفری تقریباً تیس ہزار کے قریب مافی جاتی ہے۔

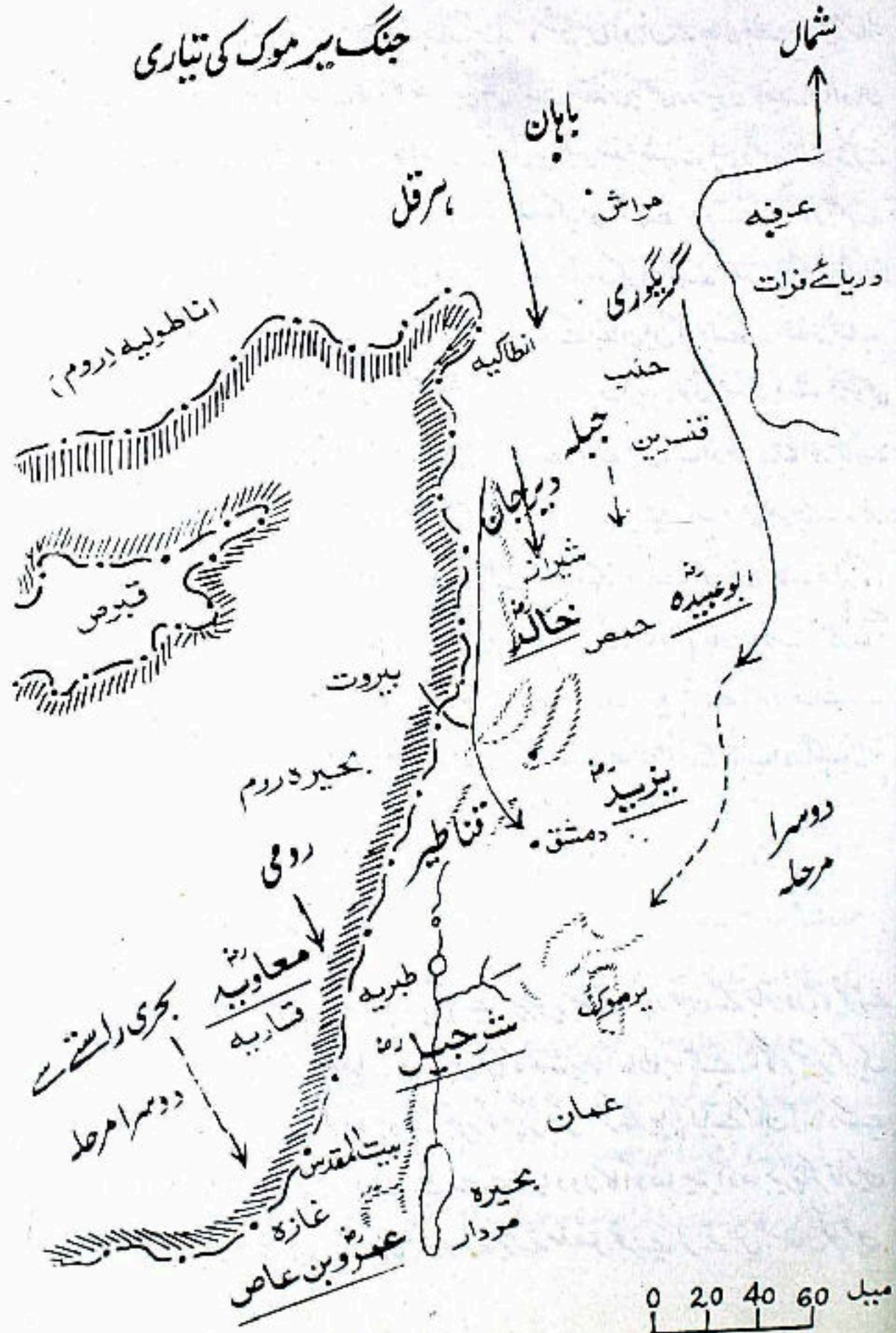
اس طرح رومی لشکر کی تعداد تقریباً ایک لاکھ میں ہزار بنتی ہے۔ لیکن اہل روم کا ایک لشکر جس کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ قساریہ کا دفاع کر رہا تھا۔ وہاں پر اپنے بھائی یزیدؓ کے حکم کے تحت جناب معاویہؓ قساریہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے لیکن جب دونوں بھائیوں کو پسا ہو کر ہر سوک جانے کے حکم ملے تو قساریہ کا لشکر یا اس کا کچھ حصہ بھی ضرور باقی رومی لشکر میں شامل ہو گیا ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ مورخین میں لشکر کی تعداد میں تھوڑے سے اختلافات ہیں۔ بہر حال ہر قتل کی تجویز یہ تھی کہ جیسے ہی جگہ جگہ پر مسلمان لشکر منتشر ہیں ان کو قسریہ کے ساتھ کتر کر رکھا دیا جائے۔ اور جب کوئی لشکر آگے یا پیچھے ملاپ کرنا چاہے تو درمیان یا عقب میں رومی اہم زمین پر قبضہ کر چکے ہوں۔ اس لئے اب اسلامی لشکروں کی تعیناتی اور رد عملوں کا جائزہ ضروری ہے۔

اسلامی لشکروں کی پوزیشن اور جناب ابو عبیدہؓ کا رد عمل نقشہ سیارہم کا مطالعہ کریں

نقشہ پنجم۔ بصرہ کی شام سے مسلمانوں کو نکالنے کے لئے

کھریوڑ کارروائی اور

جنگ یرموک کی تیاری



0 20 40 60 میل

شیزار کے مقام پر مسلمانوں کے آگے والے دستوں کو خیر ملی کہ اہل روم بے پناہ انسانوں کا ہجوم اکٹھا کر چکے تھے۔ اور ایک طوفان کے ریلے کی طرح تمام اسلامی لشکروں پر چھا جانا چاہتے تھے۔ اُس وقت جناب ابو عبیدہ اور جناب خالد بن ولید کے گرد و نواح میں تھے۔ جناب یزید بن مثنیٰ دمشق میں اور ان کے بھائی جناب معاویہ قسارہ میں۔ جناب شرجیل بن اردن میں اور جناب عمرو بن فلسطین میں۔ بیت المقدس پر بھی رومیوں کا قبضہ تھا اور ان کی فوج کا ایک منہ ط دستہ وہاں موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ مسلمان ایسی منتشر صورت میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھے۔ جناب ابو عبیدہ نے جناب خالد بن ولید کے ساتھ مشورہ کیا اور پورے محاذ کے سپہ سالار اعظم کے طور پر حکمت عملی کے مطابق ایک تجویز بنائی کہ ان حالات میں تمام لشکروں کو دمشق کے عقب میں کسی جگہ اکٹھا کیا جائے اور پھر حالات کے مطابق صف بندی اپنے کسی چھنے ہوئے میدان میں کی جائے، وہ علاقہ جناب یزید بن ابوسفیان کا تھا۔ اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کسی مورخ یا مبصر کو یہاں کوئی اختلافی بات نہ سوجھی کہ یہاں پر سپہ سالاری جناب یزید کے حوالے کر دیتے، جیسے فعل کے علاقے میں ایک آدھ مورخ اور ہمارے ایک مبصر کے سپہ سالاری کے فرائض جناب شرجیل بن ولید کو دے دیئے اور اس پر پہلے تبصرہ بھی ہو چکا ہے۔ البتہ اکثر مورخین نے جناب ابو عبیدہ اور جناب خالد بن ولید کے مشورہ کے بعد اپنے قلم کا رخ جناب خالد کی طرف کر دیا کہ عملی طور پر جناب خالد ہی مسلمانوں کے سپہ سالار اعظم بن گئے۔ یا تمام تجاویز جناب خالد بن ولید کے تھے۔ اور جناب ابو عبیدہ تمام احکام خالد سے دلاتے تھے۔ وغیرہ۔ یہ زیادتی ہے۔ ہم واقعات سے ثابت کریں گے کہ سب کام جناب ابو عبیدہ کر رہے تھے۔ اور جناب خالد ان کے نائب اور ایک دستہ کے کمانڈر تھے۔

برقل کی تجویز و تدبیرات

برقل کی تجویز کا نقشہ پنجم میں کچھ اظہار کیا گیا ہے۔ یہ تجویز متعدد مورخین کے جائزوں کا نچوڑ ہے کہ وہ نقشے نہ بناتے تھے، جو تجاویز کامیاب ہو جائیں ان کا نقشہ بنانا آسان ہو سکتا ہے۔ ناکام تجویز کو ایک مفروضہ ہی سمجھیں۔ اہل یورپ نے تور و میوں کی تجویز کو "پگڈمگہ" کر کے بیان کیا ہے۔ ان کی عادت ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جہاں ناکامی ہو، وہاں پہلے سے ہی ارادوں کا آدھا تیترا آدھا بٹیر بنا کر قارئین کو بھول بھلیوں میں ڈال دیتے ہیں۔ لیکن اپنی جنگوں کے بڑے مفصل تجزیے کرتے ہیں۔ مسلمان مورخین

نے اپنے آپ کو صرف واقعات تک محدود رکھا۔ حکمت عملی اور تہجدیر کو زیادہ زیر بحث نہ لاتے تھے۔ واقعات میں دشمن کی ناکامی کی گہرائی میں بھی نہ جاتے تھے۔ اس لئے ہم ہر قتل کی جو تجویز بیان کر رہے ہیں وہ واقعات کے نچوڑ سے بنائی گئی ہے اور ہم اس سلسلہ میں مفصل تبصرہ نہ کر سکیں گے کہ کچھ مفروضے بھی بیچ میں شامل ہیں ہر قتل کو زیادہ فکر جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ کی تھی کہ وہ کافی شمال میں جا چکے تھے۔ اس لئے ہر قتل ان کے خلاف کوئی حیران کن کارروائی کرنا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں وہ اسلام کے ان دونوں عظیم فرزندوں کے لشکر کے اوپر ایک "جال" پھینکنے کی کوشش میں تھا۔ اس کا طریق کار کچھ ایسا تھا کہ مسلمانوں کے سامنے جبکہ اپنے ایشیائی نصرانی لشکر کے ساتھ پیش قدمی کرے گا۔ اور جناب خالدؓ اور جناب ابو عبیدہؓ دونوں کو الجھا کر رکھ دے گا اور الجھے ہوئے مسلمانوں کے بائیں بازو یعنی مغرب کی طرف سے دیرجان پیش قدمی کرے گا اور شمال مشرق کی طرف سے مسلمانوں کے دائیں بازو پر گرگیوری حملہ کرے گا تو اس طرح تقریباً ستر اسی ہزار کے یہ تین لشکر پہلے مرحلے میں جناب خالدؓ اور جناب ابو عبیدہؓ کے چودہ ہند ہ ہزار کے لشکر کا ایسا سفایا کر دیں گے کہ ان میں سے کوئی آدمی بچ کر نہ جائے گا۔

دوسرے مرحلے میں قناطیر بیروت سے آگے بڑھ کر جناب یزیدؓ کو الجھا رکھے گا اور اوپر والے تین لشکر یعنی جبکہ، گرگیوری، اور دیرجان حمص کے علاقے میں مسلمانوں کا سفایا کرنے کے بعد قناطیر کی مدد کے لئے آ پہنچیں گے جناب یزیدؓ اگر تساریہ کے محاصرہ کو ختم کر کے اپنی ساری فوج کو دمشق میں اکٹھا کر لیں گے تو اہل روم کے چار لشکروں کے سامنے جناب یزیدؓ کے آٹھ دس ہزار آدمی زیادہ دن ڈھکھریں گے۔

تیسرے مرحلے کے لئے باہان دمشق میں پہنچ کر احکام دے گا کہ باقی ماندہ مسلمانوں کے دو لشکروں یعنی جناب شرجیلؓ اور جناب عمروؓ کے ساتھ کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ بلکہ یہ دو لشکر دہریوں کے لئے ترنوالہ ہوں گے۔ ان حالات میں ہر قتل نے جو تجویز بنائی تھی اس سے بہتر کوئی اور تجویز تیسرے میں لانی مشکل ہے۔ اس نے بھرپور تیاری کی۔ تمام لشکر تیار کر کے ان کو باقاعدہ تجویز کے ساتھ محاذ جنگ پر کارروائی کا حکم دے دیا۔

جبکہ جو ایشیائی نصرانی تھا، اُس کو کچھ یہ شہ بھی دی گئی کہ لوہا، لوہے کو کاٹتا ہے۔ غزوں کے طریق جنگ سے جبکہ اور اُس کے لشکر والے زیادہ واقف ہیں، اس لئے اُس کو سب سے پہلے پیش قدمی کا حکم تھا۔ علاوہ اپنے یورپین لاؤ لشکر کو چھپانا بھی مقصود تھا، اور یہ پہلا مرحلہ تھا۔ دوسرے مرحلے کو ہم نے ٹوٹی ہوئی لکیروں سے نقشہ پنجم پر ظاہر کیا ہے۔ تیسرا مرحلہ کسی حد تک صحیح مفروضہ ہے کہ گویا زمین پر تونہ ہوا، لیکن اہل روم

کے پہلے دوسروں میں فتح کے بعد یہ ثمرات ان کو ضرور بر ضرور حاصل ہو جاتے۔

ایک جائزہ

جنرل گل کہتا ہے کہ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ مسلمان اتنے مضبوط تھے، کہ یرموک کے میدان میں انہوں نے رومیوں کو شکستِ فاش دے دی تو پھر انہوں نے یرموک تک پسپائی کیوں اختیار کی۔ اس سوال کا جواب زیادہ تر تو جنگ کی کارروائی سے ملے گا کہ مسلمانوں نے کتنی محنت اعلیٰ تدبیرات، جذبہ جہاد، حربی حربوں کی مدد سے فتح حاصل کی لیکن یہاں پر حکمتِ عملی کے پہلو کی وضاحت ضروری ہے۔ کہ یہ سب کچھ حکمتِ عملی کے تحت تھا۔ کلاسوٹز نے اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اور وہ اس کو اعلیٰ حکمتِ عملی کہتا ہے کہ اندرونِ ملک پسپائی اختیار کر کے دشمن کو اپنی چوٹی جہتی زمین پر شکست دی جائے۔ وہ ۱۸۱۲ء میں نپولین کے سامنے روسیوں کی پسپائی کا ذکر کرتا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کی تجویز روسیوں سے بھی ہزار درجے بہتر تھی کہ روسیوں نے خوب مار کھائی اور چونکہ نپولین اپنے آپ کو بہت زیادہ کھینچ چکا تھا اس لئے مار کھائی۔ لیکن یہاں پر تو مسلمانوں نے کمال ہی کر دی اور گل جو عسکری تاریخوں کا طالب علم ہے، اس کو مسلمانوں کی کارروائی پر عرشِ عرش کرنا چاہیے تھا۔ کہ مسلمانوں کو زمین اور حالات ایسا کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ اور ہم یہ فالتو تبصرہ بھی کریں گے کہ یہ ہوں ہر ملک کو لاگو نہیں اور ہم پاکستان میں ایسا نہیں کر سکتے۔ کلاسوٹز کے کتابوں کے ترجمہ کے وقت ہم نے اس پہلو کو بہتر طور پر واضح کر دیا ہے۔

جنرل گل اور مغربی مبصر واقعات کو جان بوجھ کر بیان نہیں کرتے اور پوری جنگ کی حیثیت کو کم تر بنانے کے لئے تعصب سے بھرا ہوا ایک تبصرہ کر دیتے ہیں کہ مسلمان پتہ نہیں کہ پسپائیوں ہو گئے؟ اس کا جواب یہ بھی ہے کہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرات عطا کر دی تھی اور ہمارے آقا کے فرمان کے مطابق وہ ایمان کے نور سے دیکھتے تھے اور وہ ایمان کے اس درجہ تک پہنچ چکے تھے کہ تمام علم ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ نہ صرف میدانِ جنگ کے فیصلہ شناس بن چکے تھے بلکہ حالات اور حکمتِ عملی کو جاننے کا اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ملکہ عطا کر دیا تھا جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا انہوں نے اپنی روشن ضمیری پر

علیٰ کلاسوٹز اور جنگِ حند سوم، پچیسواں باب، خاص کر صفحہ ۳۱۸ اور ۳۲۶ سے استفادہ کریں۔

جان بوجھ کر پردے ڈالے ہوئے تھے۔ لیکن افسوس کہ ہم اس فقیری کو کھو بیٹھے ہیں۔۔۔
 ۵ آہ کہ بے کھو گیا تجھ سے فقیری کا راز

در شبے مال فقیر سلطنتِ روم و شام (اقبال)

مسلمانوں کی تجویز

مسلمانوں کے طریق کار اپنی قسم کے تھے۔ اجنادین کی جنگ سے پہلے جناب عمرؓ بن عاص کو چھوڑ کر تمام اسلامی لشکر جابیه کے مقام پر وادی یرموک میں اکٹھے رہ چکے تھے۔ پھر اجنادین کی جنگ کے بعد اسی جگہ کے نزدیک بلکہ جابیه سے تھوڑا جنوب کی طرف واقوصہ کی گھاٹی میں مسلمان مجاہد رومیوں کے ساتھ ایک جنگ لڑ چکے تھے، جس کو یرموک کی پہلی جنگ کا نام دے چکے ہیں۔ میدان جنگ میں سے اگر کسی حکمتِ عملی کے تحت پسپائی کرنا پڑ جائے یا کسی ایسی جگہ پر قبضہ کرنا ہو جہاں پہلے قبضہ نہ ہو چکا ہو۔ تو بہتر یہی ہوتا ہے کہ جو سپاہی یا جو یونٹس جس جگہ پر روکے ہو، ان کو اسی علاقے کی ذمہ داری دی جائے یا ان کا اسی علاقے میں تعین کیا جائے جس کو وہ جانتے ہوں۔ اس طرح احکام دینے سے اور ان پر عمل پیرا ہونا بھی آسان ہوتا ہے۔ کہ آدمی سے زیادہ معاملات خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جناب ابو عبیدہؓ نے وادی یرموک کو پسند فرمایا اور چونکہ علاقہ دیکھا ہوا تھا، اس لئے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اُس جگہ پر جارجانہ دفاع کے لئے صف بندی کی تجویز اپنے ذہن میں بنالی۔

حکمتِ عملی کی پسپائی اور مسلمانوں کا اخلاق

جناب ابو عبیدہؓ، جناب یزیدؓ اور اردن و فلسطین میں جناب شرجیلؓ اور جناب عمروؓ کو اطلاع دے چکے تھے کہ جابیه کے علاقے میں اکٹھے ہو گا۔ جناب یزیدؓ کے لئے احکام یہ تھے کہ وہ جناب ابو عبیدہؓ کا انتظار کریں اور نچلے علاقوں سے چونکہ مجاہدین کو آگے آنا تھا، ان کو پیش قدمی کی ہدایات جلد ہی دی گئیں۔ پسپائی خواہ حکمتِ عملی کے تحت اختیار کی جائے خواہ مجبوری کے تحت جنگ کا ایک مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے۔ ہر پسپائی بے گندہ کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ اخلاقی توتوں کو دھکا لگتا ہے۔ چھوٹے دل والے لوگ افواہیں پھیلاتے ہیں۔ لیکن مسلمان مجاہدین ان باتوں سے بالاتر ہو چکے تھے ان کی ہر حرکت میں کوئی



راز ہوتا تھا۔ وہ انفرادی سطح پر بھی جمبھٹ پلٹ کر لڑنے کے عادی تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کارروائی کو سپائی کا نام ہی نہ دیا۔ پہلے وہ یرموک سے اجنادین یا دمشق سے نکل جا چکے تھے اب بھی جنوب کی طرف حرکت کر رہے تھے اور حرکت میں ان کے لئے برکت تھی کہ دین فطرت متحرک نظریہ حیات ہے۔ مسلمان امرائے حمص اور باقی اہم مقامات کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ جنگی حالات کچھ ایسی صورت اختیار کر گئے ہیں کہ وہ چند ماہ تک ان علاقوں کی شاید حفاظت نہ کر سکیں، اس لئے جو رقم انہوں نے جزیہ یا ٹیکس کے طور پر لی ہے اس کو واپس کرتے ہیں۔ انشاء اللہ جلد عملی ایسی آجائیں گے اور ضرورت کے تحت پھر جزیہ لے سکتے ہیں لیکن سین دین اور ناپ تول کے پیمانوں میں اللہ تعالیٰ نے سخت احکام دیئے ہیں اس لئے فی الحال ساری رقم واپس کی جاتی ہے۔ لوگ ویسے بھی مسلمانوں کے سردار سے بہت متاثر ہو چکے تھے۔ انہوں نے یہ باتیں سن کر زار و قطار رونا شروع کر دیا اور بار بار پوچھتے تھے کہ مسلمان کب واپس آئیں گے اور اکثر نے رقم واپس لینے سے انکار کر دیا۔ لیکن مجاہدین نے پیسہ پیسہ لوگوں کو واپس کر دیا۔

تیسرہ

یہاں پر ایک تبصرہ کی سخت ضرورت ہے کہ مسلمان مجاہدین تو کئی سالوں سے لڑائیوں میں مصروف تھے۔ وہ قتل کرتے تھے اور قتل کئے جاتے تھے۔ ان کو تو "ظالم" ہونا چاہیے تھا۔ انہوں نے یہ اخلاق کہاں سے سیکھا۔ اس کا جواب ہمارے ان دانشوروں سے پوچھا جائے جو سپاہیوں کو اکھڑا اور جاہل کہتے ہیں اور پوری قوم کو "امن پسندی" کی لوری دے کر فن سپہ گری سے نفرت دلاتے ہیں۔ اسلام تلوار سے پھیلا یا نہ پھیلا۔ یہ بحث فضول ہے لیکن کیا ہم اس چیز سے انکار کر سکتے ہیں کہ اکثر جگہوں میں اسلام ایسے پھیلا کہ تلوار والے جہاں بھی گئے، ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔ اسلام سپاہیوں اور غیرت مند لوگوں کا مذہب ہے۔ مسلمان اللہ کی فوج ہیں وہ ربط و نسبت میں باندھے ہوئے ہوتے ہیں اور سپاہیانہ اوصاف ان میں اخلاق کوٹ کوٹ کر بھر دیتے ہیں۔

بڑا بدو دو سو سال کی غلامی کا کہ ہمیں سپاہیانہ اوصاف اور فن سپہ گری سے بھی نفرت ہو گئی ہمیں یہ یاد نہیں رہتا کہ ۱۹۴۷ء میں سپاہیوں نے کس طرح مہاجرین کے بچوں کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے فاقوں کی حفاظت کی وہ سب ہماری تاریخ کا سنہری باب ہے لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ آج کل مسلمان سپاہی جب ملک

بھی خارج ہوتے جاتے ہیں۔

اسی طرح خلفائے راشدین کے زمانے کے بعد جناب صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، جناب ابو عبیدہؓ، جناب خالدؓ اور متعدد عظیم صحابہ کی اولاد میں سے بہت کم لوگوں کا تاریخ میں ذکر ہے۔ اب پہلے حضور پاکؐ کے خاندان کو لیں کہ حضور پاکؐ کے چچا حضرت عباسؓ کے چار بیٹوں میں سے جناب فضلؓ اور عبداللہؓ نے متعدد جنگوں میں حصہ لیا۔ لیکن ان کی بہادری پر پردہ ڈالا گیا آپ کے باقی دو بیٹوں معبدؓ اور عبید اللہؓ، جناب حمزہؓ کے چار بیٹوں عمارہ، فضل، عقیل اور علیؓ میں سے کسی کا ذکر نہیں ملتا کہ انہوں نے کسی جنگ میں شرکت کی۔ علاوہ حضور پاکؐ کے چچیرے بھائی طفیلؓ، حصینؓ اور ابوسفیانؓ جو عبیدہ بن حارث شہید بدر کے سگے بھائی تھے۔ وہ حضور پاکؐ کے زمانے میں فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے۔ بلکہ آپ کے چچا ابولہب اور زبیر کے بھی بیٹے اسلام لے آئے تو ان میں سے کسی کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ وغیرہ۔ ہمارے لحاظ سے اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ کی کتابیں چونکہ زیادہ تر بنو امیہ کے زمانے میں لکھی گئیں تو یا بنو امیہ کے حکمرانوں نے جان بوجھ کر ایسا کرایا، یا مورخین نے بنو امیہ کے ڈر سے یا بنو امیہ کے لوگوں کو خوش رکھنے کے لئے حضور پاکؐ اور عظیم صحابہؓ کے خاندان کے لوگوں کے بہادری کے کارناموں کو تاریخ کا حصہ نہ بنایا جب بنو عباس کا زمانہ آیا تو ان کے اپنے خاندان کے لوگوں کو تو تاریخ میں واپس لاکر بحال کر دیا لیکن باقی ہاشمیوں یا علویوں، یا صدیقی خاندان وغیرہ کے بارے میں ایسا نہ ہو سکا اسی دوران ایک اور گردہ پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضور پاکؐ کے خاندان کے لوگ حکمرانوں کو ناپسند کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے جنگوں میں شرکت ہی نہیں کی۔ یہ سب بناوٹیں یا اضافے ہیں اور اس سلسلہ میں ہماری تاریخ کی ریسرچ بہت ضروری ہے۔ چنانچہ ہماری کوشش یہ ہوگی کہ ہم ایسے واقعات کا یا توچکان بن زیادہ کریں گے یا جہاں پردے پڑے ہوئے ہیں، وہاں سے پردے ہٹائے جائیں گے۔

جناب عبداللہ بن جعفرؓ کا واقعہ کسی گشتی دستہ کی کارروائی تھی، جو کسی جگہ پھنس گئی اور سالارِ اعظم چونکہ جو کنا تھے تو جناب خالدؓ کو امداد کے لئے بھیج دیا۔ باقی رنگ آمیزی اہل قلم کی اپنی ہے۔

دشمن پر قبضے کے نتائج، اسباق

۱۔ دشمن پر قبضہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اول تو خلیفہ اول کے تعین کئے ہوئے احکام کے تحت چاروں لشکروں نے کارروائی کرنا تھی۔ جناب یزیدؓ نے دمشق رہنا تھا۔ جناب ابو عبیدہؓ نے حمص جانا تھا اور جناب

عمر بن عاص اور جناب شرجیل نے اردن اور فلسطین کی طرف واپس مڑنا تھا۔

۲۔ دمشق کا نام تو بڑا تھا۔ اور آبادی کے لحاظ سے بھی بڑا پرانا شہر تھا، اور یہی اس کی اہمیت تھی لیکن حکمت عملی یا فوجی لحاظ سے یہ شہر اتنا اہم نہ تھا۔ اہل روم نے بھی اس جگہ کا کوئی دوہرا دفاع نہیں اپنایا جو اتنا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس شہر کا خاطر خواہ دفاع نہ کر سکے۔ مسلمانوں کے لئے بھی دمشق پر حملہ کر لینا یا قبضہ کر لینا تو کچھ آسان تھا، گو محاصرہ میں کافی دن لگے، لیکن قبضہ کو قائم رکھنے کے لئے افواج کی ضرورت تھی۔ اور متحرک مسلمان مجاہدین نے دمشق پہنچ کر کچھ عجیب حالات محسوس کئے اس شہر کے دفاع کے لئے قلعہ بند ہونا ان کے طریق جنگ میں نہ آتا تھا۔ اور تمام راستوں کی حفاظت یا ناکہ بندی کے لئے کافی لشکروں کی ضرورت تھی۔ پھر شہر کی زندگی کے معاشرتی معاملات نے افواج کو الجھا کر رکھ دیا سادہ اور کم ضروریات والے مجاہدین شہر کی زندگی کے مسائل دیکھ کر حیران رہ گئے، تو ان کو تب کچھ سمجھ آئی کہ خلیفہ اول نے عراق و ایران کے محاذ پر حیرہ کی فتح کے بعد مدائن کی طرف پیش قدمی کی اس وقت اجازت کیوں نہ دی تھی۔ تو معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین جانتے تھے کہ شہروں میں کشش ہے۔ بھلاؤ ہے لالچ ہے زندگی کی ہر چیز جھیا ہے۔ اور یہ شہر ہی قوموں کو بے شک علم اور اخلاق تو ضرور سکھلاتے ہیں لیکن ساتھ ہی آرام پسندی، حرص اور لالچ بھی بڑھا دیتے ہیں۔ اور تہذیب کے پردہ کے نیچے پتہ نہیں کیا جوتا رہتا ہے۔

۳۔ پردہ تہذیب میں غارت گرمی، آدم کشی

کل روار رکھی تھی تم نے، میں روار کھتا ہوں آج

(مسولینی کا خیال علامہ اقبال کے الفاظ میں)

۳۔ دمشق کی فتح کے بعد سب سے پہلا اثر یہ ہوا کہ جناب یزید رضا کا لشکر دمشق کے بندوبست کے لئے بندھ کر رہ گیا۔ اور اسلامی لشکر کی متحرک کاروائیوں میں پچیس فیصد کمی واقع ہو گئی۔

۴۔ اہل روم کے لئے دمشق خالی کرنے میں فوجی لحاظ سے ان کی طاقت پر کوئی زیادہ اثر نہ پڑا۔ جموں سے ہٹ کر انہوں نے انطاکیہ میں لشکر اکٹھے کرنے شروع کر دیئے۔ دوسری طرف فلسطین میں اجنادین سے لے کر بیت المقدس کے علاقے میں اپنی چھاؤنیوں کو خوب مضبوط کیا۔ لیکن رومی زیادہ توجہ فحل کے علاقے کو دے رہے تھے اور فحل کے مغرب میں دریائے اردن کے پار بمیان اور طبرہ کے مقامات پر انہوں نے کافی زیادہ فوج اکٹھا کرنا شروع کر دی تھی مقصد یہ تھا کہ وہ فوج کے ساتھ دریائے اردن کو کسی وقت پار کر کے اور فحل سے

پیش قدمی کر کے واقفہ کی گھاٹی پر مسلمانوں کے عقب میں قبضہ کر لیں گے۔

۵۔ ساتھ ہی اہل روم اپنی سمندری طاقت میں اضافہ کرنے لگ گئے۔ اور فلسطین کے علاقوں میں تمام ملک سمندری راستوں سے آنا شروع ہو گئی۔

۶۔ دمشق دفاعی لحاظ سے اچھا مقام نہ تھا کہ وہاں آرام سے بیٹھ کر شمال یا شمال مغرب کے کسی حملے کے خلاف اچھا دفاع اختیار کر لیا جاتا۔ دمشق ہر وقت خطروں سے دوچار تھا اور اس کے دفاع کے لئے بہت زیادہ فوج کی ضرورت تھی۔ لیکن سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ جو مجاہد دمشق پہنچ گئے وہ وہاں کی خوبصورتی سے بُری طرح متاثر ہو رہے تھے کہ وہ نہ صرف وہاں آباد ہونا پسند کرنے لگے بلکہ انہوں نے وہاں شادیاں کرنی بھی شروع کر دیں۔

۷۔ تاریخ کے با مقصد مطالعہ کے لئے۔ امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ کے پایہ کے بزرگوں کی ضرورت ہے۔ جو لوگ ہماری تاریخ کو صحیح رنگ میں پیش کریں اور تمام بناوٹوں، اضافوں، اور تعصیوں کو دور کریں۔

اسباق حسب ذیل ہیں :-

۱۔ مسلمانوں کی بجائے کوئی اور فوج ہوتی تو وہ لوگ دمشق جیسے شہر میں وہی کچھ کرتے، جس کو علامہ اقبالؒ نے مسولینی کی زبان میں بیان کیا۔ لیکن مسلمانوں نے وہاں پر تھوڑی فوج رکھی اور اپنے مقصد کی طرف روانہ ہو گئے کہ ہر جگہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا نام بلند کرنا تھا۔

۲۔ کسی بڑے شہر پر قبضہ رکھنے کے لئے دُور دُور تک کے علاقہ کی صفائی کرنا پڑتی ہے اور ہمارے مجاہدین شہر کو چھوڑ کر بیابانوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

گماں آباد مستی میں یقین مرد مسلمان کا

بیابان کی شب تاریک میں تخیل ربانی - و اقبالؒ

ساتواں باب

فحل جمص اور باقی علاقوں میں فوجی کارروائیاں

پچھلے دو ابواب میں فحل کا ذکر ہو چکا ہے۔ نقشہ چہارم پر فحل کا محل وقوع دیکھنے سے فحل کی فوجی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بہر حال ہر مقام کی فوجی اہمیت حالات اور مہمات سے وابستہ ہوتی ہے اگر مسلمان پورے فلسطین پر پہلے قبضہ کر لیتے تو فحل فلسطین اور اردن کے درمیان ایک پل کا ایک سرا ہی تھا۔ اور اُس کی وادی یا اُس کے گرد پہاڑ یا اُس کا نچلا میدانی علاقہ اتنی اہمیت کا حامل نہ ہوتا لیکن مسلمان ایک طرف دریائے اردن کو اپنے بائیں بازو کی حفاظت کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ تو دوسری طرف اپنے دوست ریگستان کو دائیں بازو پر رکھے ہوئے تھے۔ لیکن اب وہ شمال میں اتنے دور جا چکے تھے، کہ دریائے اردن کے دونوں کناروں پر قبضے کی ضرورت تھی اور فحل سے دریا کو پار کر کے دریا کے مغربی کنارے پر قبضہ ضروری ہو گیا تھا

فحل کی اہمیت

قاریبن کریم کو یاد ہو گا کہ دمشق کی طرف پیش قدمی کرنے سے پہلے مسلمان مجاہدین فحل گئے تھے۔ اور وہاں پر جناب ابی الامور سلمیٰ کے ماتحت کچھ دیکو بھال والے دستے بھی چھوڑ گئے تھے۔ اور اس وقت صرف آٹھ کچھری کرنے کی ضرورت تھی اور آسانی ہو سکتا تھا۔ فحل کے علاقے پر مکمل قبضے کے لئے دریا کے پار بیسان اور طبریہ پر بھی قبضہ ضروری تھا اور اگر مسلمان اس وقت یعنی ذی قعدہ تیرہ ہجری میں کوئی ایسی کارروائی کرتے تو اس کا بیانیہ کو قائم رکھنے کے لئے وہاں پر کافی فوج رکھنا پڑتی۔

الندمشق پر قبضہ ہو جانے کے بعد اب اہل روم کے لئے بھی آسان ہو گیا تھا کہ فلسطین کی فوج کو دمشق لے جانے کی بجائے وہ کسی وقت بھی فحل سے آگے بڑھ کر مسلمانوں کے عقب میں یرموک کے سارے علاقے پر قبضہ کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کے ذرائع آمد و رفت اب لمبے ہوتے جاتے تھے۔ اور جب ذرائع آمد و رفت زیادہ طول پکڑ جائیں تو فوج کا اختتامی مقام آجاتا ہے کہ جیسے آگے بڑھتے جائیں گے تو عقب کی حفاظت کے معاملات بھی بتدریج بڑھتے رہیں گے۔ مسلمان اس سلسلہ میں بڑے چوکے تھے اور بروقت کارروائیاں کرتے تھے۔

لیکن بر قس کوئی معمولی آدمی نہ تھا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ وہ بڑا مدبر اور سمجھدار آدمی تھا۔ دمشق کے علاقے میں مسلمانوں کے ساتھ سر بھیڑنے کی بجائے نخل کے مقام پر، وہ اجنادین کی طرح کا ایک جنگجو ٹہر کر مسلمانوں کے عقب کے لئے خطرات پیدا کر سکتا تھا اور اس کے رد عمل کے طور پر اگر اسلامی لشکروں پر اجنادین کی طرز کا کوئی اجتماع کرتے تو یہ بھی رومیوں کی خواہش کے مطابق تھا۔ کیونکہ اجنادین تو کھلمیڈان تھا اور مسلمان اپنے متحرک طرز جنگ کی وجہ سے فتح حاصل کر سکے لیکن نخل کی دادی میں تنگ گھٹی تھی۔

دریا تھا۔ دلدل بنائی جا سکتی تھی۔ سطح سمندر سے پچھلے علاقے تھے اور رومی زمین کے چپے چپے۔ پانی کے بہاؤ یا پانیاب کے علاقوں سے واقف تھے۔ اور ایسے کچھ پروالے تنگ علاقے میں مسلمانوں کی کارروائیاں محدود ہو کر رہ جاتیں۔ اس نے دمشق کی شکست کے بعد رومیوں نے اپنی تمام تر توجہ طبریہ، بیسان اور نخل کے علاقوں کی طرف کر لی۔

رومی فوج

چنانچہ مغربوں سے مسلمانوں جو اطلاعات موصول ہوئیں وہ یہ تھیں کہ اہل روم جزیرہ آرمینیا شمالی نام بلدیونان اور یورپ کے علاقوں سے لوگوں کو نعتی کر کے ایک لاکھ لشکر تیار کر رہے ہیں۔ اس لشکر کا کمانڈر سقلار بن مخراق تھا۔ اور جب اس لشکر کی نفری کوئی اسی ہزار کے قریب ہو گئی تو اسے نخل، طبریہ اور بیسان کے علاقوں میں بیٹھ دیا گیا۔ بلکہ ملک کے طور پر قساریہ میں بھی کچھ فوج رکھی گئی کہ ضرورت پڑنے پر بھی سقلار کی مدد کرے۔ دمشق رجب چودہ ہجری میں فتح ہوا تھا۔ شعبان اور رمضان کے مہینے بندوبست اور دور دور تک حربی مظاہرے کرنے میں گزر گئے۔ اور آخر شوال کے مہینے میں جناب ابو عبیدہؓ نے دمشق کی عملداری جناب زیند بن ابوسعیان کو سونپ دی اور خود باقی لشکروں سمیت نخل کی طرف روانہ ہو گئے۔

نخل کی دوسری جنگ

اس کارروائی کی جملہ ضرورت تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ کچھ مورخین نے اس جنگ کی تاریخ ذی قعدہ تیسرے ہجری لکھی اور کچھ نے ذی قعدہ چودہ ہجری اور کچھ نے معاملات بین بین چھوڑ دیئے۔ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ دونوں قسم کے مورخین صحیح ہیں۔ کیونکہ نخل کے مقام پر دو جنگیں ہوئیں۔ پہلی جنگ دمشق کی طرف پیش قدمی سے پہلے ہوئی، اور مسلمانوں نے دریا کو پار نہ کیا، اور وہاں کے مشرق کے علاقہ پر قبضہ کر کے جناب ابی الدعور کو

وہاں پر چھوڑ گئے کہ دریا کے مغربی کنارے سے دشمن آگے بڑھ کر مسلمانوں کے ذرائع آمد و رفت کو نہ کاٹ دے۔ یہ واقعہ ذی قعد تیرہ ہجری کا ہے اور دوسری لڑائی کا ہم اب ذکر کر رہے ہیں جو ذی قعد چودہ ہجری میں ہوئی تو زماں و مکاں کا معاملہ بھی صحیح ہو گیا اور اختلاف بھی ختم ہو گیا یہ علاقہ جناب شہر جنیل کی ذمہ داری کا تھا اور کئی مبصرین نے اس کا ردائی کے بارے میں یہ بھی لکھ دیا کہ تمام لشکروں کی کمانڈ جناب شہر جنیل پر کر رہے تھے۔ یہ سب غلط ہے۔ کمانڈ جناب ابو عبیدہ ہی کے ہاتھ میں تھی۔

تبصرہ

اصل بات یہ ہے کہ اسلام اللہ کی امریت ہے اور ہر وقت ہر جگہ ایک اولی الامر کی ضرورت ہوتی ہے تب ہی حضور پاک کا فرمان ہے کہ اگر تم دو ہو، تو ایک کو اپنا امیر مقرر کر لو۔ اس لئے، اصول یہ ہے کہ ہر جگہ ہر وقت ایک امیر موجود ہو اور اس کے احکام کی پابندی کی جائے، تاکہ ربط و ضبط رہے۔ اسلام کے لحاظ سے کام فوجی نوعیت کا ہو یا سولین۔ ایک امیر کا ہونا لازمی ہے۔ اس لئے حقدہ اول میں یہ بات واضح کی گئی تھی کہ مرتدین کی مہم کے دوران جن امرا کے غنائے نزدیک نزدیک تھے ان کے اکٹھا ہونے کی صورت میں جس کا علاقہ ہوگا وہی امیر ہوگا۔ اور جناب خذیفہ و جناب عرفجہ رضی اللہ عنہما کے سلسلے میں یہ پہلو واضح کیا گیا تھا۔ یہاں بھی خلیفہ اول رضی اللہ عنہما اسی قسم کے تھے لیکن وہ باقی امرا کے لئے تھے۔ جب سب اکٹھے ہوتے تھے تو پھر سپہ سالار اعظم جناب ابو عبیدہ ہی ہوتے تھے۔ اور پہلے جناب خالد تھے۔ ویسے تو اجنادین جناب عمرو بن عاص کا علاقہ تھا، اور دمشق جناب یزید کا۔ لیکن کمانڈ سپہ سالار اعظم کے پاس ہی رہی۔

چنانچہ دمشق سے فحل کی طرف کوچ کے وقت جناب خالد ہی کے دستے جیش المقدم کا کام کر رہے تھے اور جناب ابو عبیدہ سپہ سالار اعظم تھے اور جناب یزید کے دستوں کو چھوڑ کر باقی سارے لشکر فحل پہنچ گئے مسلمان دستے دریا کو پار کر کے بیسان پر دھاوا بولنے کی تیاری کر رہے تھے کہ اہل روم نے دریا کے پانی کو بند کے ذریعے باندھ دیا اور فحل کے تمام علاقے کو زیر آب کر دیا اور مسلمان اُدھر ہی رگ گئے۔ اہل روم یہ بھی جانتے تھے کہ کہ دلدل میں سے کون سے راستے موجود تھے اور کہاں سے گذر کر وہ مسلمانوں پر حملہ کر سکتے تھے، مسلمان کچھ فکر مند ضرور تھے کہ دلدل اور کچھ ان کے لئے ناپسندیدہ چیز تھی۔ اور سقتلار کچھ زیادہ ہی غلط فہمی میں تھا۔ اور وہ یہ سمجھا کہ مسلمان حملہ کرنے آئے تھے، اُس میں ناکام ہوئے۔ اب وہ بے فکر ہو کر بیٹھ گئے ہوں گے اُس نے

خاموشی سے دریا اور دلدل کو پار کیا اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

دلدل اور کچھڑ میں لڑائی

مسلمانوں نے رومیوں پر ایسی جوابی کارروائی کی کہ دلدل اور کچھڑ کی لڑائی رومیوں کو بہت مہنگی ٹپری اور سقلاریت کوئی دس ہزار رومی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ مسلمان پہلے تو دلدل کے بار میں ٹکر مند تھے جب انہوں نے دیکھا کہ رومیوں کے مقابلے میں وہ کچھڑ اور دلدل میں بھی بہتر جنگجو ہیں تو انہوں نے پیشقدمی شروع کر دی اور رومیوں کو دریا پار جانے سے روک دیا۔ بلکہ طبری کے مطابق اسی ہزار کے رومن لشکر سے سرف چند ہزار دریا کے پار جانے کے خیر ممکن ہے کہ اتنا سخت نقصان نہ ہوا ہو۔ لیکن بعد کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ اس شکست کے بعد رومی کسی کھلے میدان میں مسلمانوں کا سامنا نہ کر سکے۔

دریائے اردن کے مغربی علاقے

مخل کی اس کہانی کے بعد جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ تو دریا کے مشرق میں ہی رہ گئے اور انہوں نے جناب شریک بن جہیلؓ اور جناب عمرو بن عاصؓ کے لشکروں کو دریا پار کر کے مغربی علاقے کے مقامات کو سر کرنے کے لئے بھیج دیا۔ اس کارروائی میں احکام کے مطابق جناب شریک بن جہیلؓ نے اپنے سالار نضہ کے ان کا علاقہ تھا، جن کو مورخین نے غلطی سے شروع ہی سے سپہ سالار بنا دیا۔ اب تجویز یہ تھی کہ اگر جناب شریک بن جہیلؓ دو لشکروں کے ساتھ اپنی عملداری میں دشمن کا قلع قمع کر سکتے ہیں تو پھر جناب ابو عبیدہؓ اور خالدؓ حصص کی طرف چلے جائیں گے کہ وہاں پر جناب ذوالکلاعؓ دمشق سے صرف تیس چالیس میل دور شمالی علاقوں کی دیکھ بھال کے کام پر مامور تھے۔ دریا کو پار کرنے کے بعد مسلمانوں کو خبر ملی کہ رومی بیسان اور طبریہ میں قلعہ بند ہو چکے ہیں۔ اس لئے ان شہروں کا محاصرہ کرنا پڑا اور ان کو فتح کرنے میں دیر ضرور لگی۔ آخر کار یہ شہر بھی دمشق کی صلح کی شرائط پر مسلمانوں کے ہاجگذا رہن گئے جناب ابو عبیدہؓ کو جب تسلی ہو گئی کہ جناب شریک بن جہیلؓ اور جناب عمرو بن جہیلؓ اور جناب شریک بن جہیلؓ کے علاقے کے بچے کچھ رومی قلعوں کو بغیر کسی مدد کے سر کر لیں گے تو وہ جناب خالدؓ کو ساقلدے کے دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔

جناب شرجیل اور جناب عمرو کی کارروائیاں

اردن اور فلسطین کے علاقوں میں جناب شرجیل اور جناب عمرو کی کارروائیوں کو نہ تو مورخین نے کسی تسلسل سے بیان کیا ہے اور نہ ہی فوجی نقطہ نگاہ سے۔ سب مورخین کے مطابق ان دونوں سالاروں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر فلسطین اور اردن کی تمام چھاؤنیوں اور فوجی چوکیوں پر قبضہ کر لیا۔ بلکہ مورخین اجماعاً دین کی درہری جنگ کا بھی ذکر کرتے ہیں، اگر عمرو بن عاص کی کمانڈ میں دونوں سالاروں نے اجماعاً دین کے مقام پر ایک اور جنگ بھی لڑی کیونکہ سمند کے راستے اہل روم، فلسطین کے علاقے کے کئی مقامات پر نئی فوج لے آئے تھے تو اس کا بھی قلع قمع کرنا پڑا۔ مورخین دونوں سالاروں کے رُخ اور راستہ کے بارے میں خاموش ہیں۔

کہ آیا سمندر کے ساحل والا راستہ اختیار کیا یا طبریہ سے واپس آ کر دریائے اردن کے مغربی کنارے سے ہوتے ہوئے بحیرہ مردار سے گذر کر اجماعاً دین تک گئے کہ آگے مورخین غازہ اور عقرہ کے علاقوں تک ہر قبضہ کا ذکر کرتے ہیں۔ دراصل پرنے زمانے میں بھی بڑے لشکروں کا قبضہ شہروں تک محدود ہوتا تھا۔ اور بارود کی ایجاد کے بعد بیسویں صدی کے نصف تک معاملات تبدیل ہو گئے کہ چند ہتھیار بند دستوں کی مدد سے بڑے بڑے علاقوں پر قبضہ رکھا جاسکتا تھا۔ لیکن اب پھر حالات ایسے ہو رہے ہیں کہ سوئین لوگوں کے پاس بھی چھوٹے ہتھیار ہوتے ہیں اور غیر ملکوں پر قبضہ مشکل ہوتا جاتا ہے۔ تو اس زمانے میں بھی مسلمانوں کے دونوں لشکر قساریہ کو چھوڑ کر تقریباً تمام اردن اور فلسطین کے شہروں پر قابض ہو چکے تھے۔ البتہ بیت المقدس پر قبضہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کی گئی جس میں خاص حکمت عملی تھی اور اس کی وضاحت دسویں باب میں ہو گی کہ اپنے درمیان میں اس جگہ پر کیوں قبضہ نہ کیا گیا۔

قساریہ کی کارروائی

پرانے زمانے کے مورخین جب لشکروں کی فتوحات کا ذکر کرتے ہیں تو فتوحات کو ذرا زیادہ ہی وسعت دے دیتے ہیں۔ ہمارے مورخین نے جہاں شرجیل اور عمرو بن عاص کی فلسطین و اردن کی فتوحات اور جناب ابو عبیدہ اور جناب خالد کی تمص کی فتوحات کا ذکر کیا تو درمیان میں جناب یزید بن ابوسفیان کی فتوحات کو بھی یہ وسعت دے دی کہ انہوں نے بیروت تک تمام ساحلی علاقے فتح کر ڈالے۔ یہ علاقے فتح ضرور ہوئے لیکن یرموک کی

دوسری اور بڑی جنگ کے بعد نہ کہ، اس وقت جیسا کہ بعض مورخین اور مبصرین لکھ گئے ہیں۔ اول تو جب تک جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ اردن میں تھے اس زمانے میں جناب یزیدؓ بڑی مشکل کے ساتھ دمشق کے دفاع کا بندوبست کر رہے تھے۔ اور ذی قعدہ ذوالحجہ چودہ ہجری میں جب یہ دونوں عظیم ساناں دمشق سے شمال کی طرف چلے گئے تب جناب یزیدؓ کسی طرف کوئی کارروائی کرنے کے قابل بنے اور ان کو جناب ابو عبیدہؓ کے احکام کے تحت قساریہ کی رومی فوج کی سرکوبی کے لئے کچھ کارروائی کرنا پڑی۔ جناب یزیدؓ کے پاس اتنا لشکر تھا کہ وہ ایک طرف قساریہ میں بھی کارروائی کرتے اور دوسری طرف شمال میں ہیرت بھی چلے جاتے۔ قساریہ دراصل فلسطین میں تھا اور جیسا کہ نقشہ سوم اور چہارم سے ظاہر ہے یہ بندرگاہ عرض بلد کے حساب سے طبریہ سے بھی جنوب کی طرف ہے لیکن قساریہ میں رومیوں کی کافی فوج رہتی تھی۔ جناب یزیدؓ نے وہاں فوجی دستے بھیجے مگر قساریہ فتح نہ کر سکے۔ گو جناب یزیدؓ کا لشکر قساریہ کا خشکی کی طرف سے محاصرہ کئے ہوئے تھا لیکن سمندر کی طرف کھلی تھی اور مسلمانوں کو قساریہ فتح کرنے میں بالکل کامیابی نہ ہوئی بلکہ چند ماہ بعد جب مسلمانوں کے دستوں نے حمص وغیرہ سے سپاہ کو کریم کوک میں پوزیشن اختیار کی تو قساریہ کا محاصرہ بھی اٹھانا پڑا۔

جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ کی کارروائی

فصل کی دوسری جنگ ذی قعدہ چودہ ہجری میں ختم ہوئی۔ جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ نے کچھ دیر وہاں انتظار کیا کہ جناب شرجیلؓ اور جناب عمرو بن عاصؓ اردن اور فلسطین کے معاملات پر جاری ہو جائیں۔ اور جب انہوں نے حالات کو سمجھا لیا تو ذوالحجہ چودہ ہجری میں جناب ابو عبیدہؓ دونوں لشکروں کے ساتھ شمالی علاقوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔ انہیں دمشق کے پاس سے گزرنا تھا اور اس لئے انہوں نے دمشق کو ایک طرف چھوڑ دیا لیکن جیسے ہی وہ مرج الروم کے مقام پر پہنچے تو آگے سے دو رومی لشکر ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کو تیار تھے۔

رومیوں کی دمشق فتح کرنے کی کوشش

ہر قتل فوجی تدبیر کے لحاظ سے بڑا برآمدی تھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اسلامی لشکر فلسطین میں الجھے ہوئے تھے اور دمشق کے علاقے میں مرشد یزیدؓ بن ابوسفیانؓ کوئی آٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ موجود تھے۔ اس نے

اس نے جنرل قھیوڈس (تو ذرا) کے ماتحت ایک لشکر تیار کیا جس کو حکم دیا کہ بیروت والے راستے سے تیزی سے اگے بڑھ کر دمشق پر حملہ کرے۔ دراصل یہ لشکر انطاکیہ میں تیار کیا گیا تھا اور اس کا کام جناب یزیدؓ کو بے خبری میں آینا تھا۔ لیکن اس لشکر کو روانہ کرنے کے بعد ہرقل کو پتہ چلا کہ جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ بھی اردن سے چل پڑے ہیں اور وہ شمال کی طرف حرکت کر رہے ہیں۔ اب وہ فکر مند ہوا۔ اور اس نے حمص کی انواج کو منکم دیا کہ وہ جلدی سے حرکت کر کے تو ذرا کی مدد کو پہنچیں۔ چنانچہ وہاں سے ایک لشکر جنرل شمشس کی کمانڈ میں دمشق کی طرف چل پڑا۔

ذبحی نقادوں اور مبصروں میں ایک اصطلاح مشہور ہے کہ متحارب لشکر ایک دوسرے کو مقناطیں کی طرح کھینچتے ہیں۔ اصطلاح از خود بڑی پر معنی ہے اور کلاموں نے اس پہلو پر اپنی کتابوں میں ایک پورا باب لکھ ڈالا ہے۔ دراصل یہ سب ضرورت کے تحت ہوتا ہے، اور امید کی جھلک دونوں طرفین کو گتھم گتھا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بہر حال یہاں پر یہ اصطلاح بڑی موزوں رہے گی اور جو لوگ فلسفہ جنگ اور نظریہ جنگ کے مطالعہ میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ موجودہ بیان شدہ حالات میں اس اصطلاح کا ذہنی تجزیہ کر سکتے ہیں کہ ایک طرف جنرل تو ذرا اور جنرل شمشس، مرج الروم کے مقام پر پہنچے تو دوسری طرف جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ بھی وہاں پہنچ گئے۔ گو ظاہر ہے کہ اس کی خبر مسلمانوں نے جناب یزیدؓ کو بھی دے دی ہوگی کہ وہ بھی سکھے ہوئے طریقے کے مطابق دمشق کا باہر سے متحرک دفاع بھی کر رہے تھے۔ اور پھر ایک بیرونی دفاعی لائن بھی بنائی ہوئی تھی۔ لیکن جناب ابو عبیدہؓ نے ان کو آگے نہ طلب کیا۔ اگر جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ ان رومی لشکروں کا قلع قمع کرنے کے قابل نہ ہوتے تو ان کی شمالی شام کی فتوحات کے ارادے کسی جی ٹی حکمت عملی کا نتیجہ نہ تھے۔ یاد رہے کہ مسلمان بڑے باہر تھے اور ان کی تمام تر کارروائیاں ایسی تجویز کے تحت ہوتی تھیں جو محسوس بنیادوں پر بنائی جاتی تھیں۔

طرفین کی نفری اور تیاری

اسلامی لشکر کی نفری کوئی بیس ہزار کے قریب تھی جو دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ جنرل تو ذرا کی نفری بیس پچیس ہزار سے کم نہ ہوگی کہ وہ دمشق فتح کرنے آ رہا تھا۔ اور مانا کہ اہل روم کو غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ مسلمان اردن اور فلسطین میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ لیکن جناب یزیدؓ تو دمشق

میں تھے۔ تو رومی جنرل شنس جو ملک کے طور پر آیا۔ اُس کی تقریب بھی کم از کم دس ہزار ضرور تھی اور انہوں نے دیکھا کہ مسلمان لشکر اُن کے سامنے صف بند تھے۔ تو جنرل شنس، جناب ابو عبیدہ کے سامنے اور جنرل توذرا جناب خالد کے سامنے صف بند ہو گئے لیکن پہلے اس سے کہ کوئی لڑائی ہوتی سورج غروب ہو گیا۔

اہل روم کی حربی چال

رومی جنرل حربی تجویزوں کے ماہر تھے، اور توذرا نے سوچا کہ جب دو اسلامی لشکر دمشق سے آگے پیش قدمی کر چکے تھے، تو ضروری ہے کہ دمشق کے دفاع کے بارے میں جناب یزید کچھ بے فکر ہو چکے ہوں گے اور وہ لوگ آرام کر رہے ہوں گے۔ اس لئے رات کی تاریکی میں ایک طرف ہو کر توذرا اپنے لشکر کو رے دمشق کی طرف چل پڑا اور شنس اکیلا ہی دو لشکروں کے سامنے صف آرا ہو گیا۔ رومیوں کی اس میں ایک حربی چال تھی کہ دمشق پر قبضہ کر لینے کے بعد وہاں قلعہ بند ہو جائیں گے اور مسلمان محاصرے میں الجھ جائیں گے۔ دراصل ہر قتل ایک بہت بڑی جنگ کی تیاری میں ملبوف تھا۔ اور اگلے واقعات میں یرموک کی جنگ انہی تیاریوں کا نتیجہ تھی اس سے آگے اہل روم کی تجویز یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر شنس اکیلے طور پر دو لشکروں کا مقابلہ نہ کر سکا تو وہ کچھ پسپائی اختیار کرے گا اور مسلمان اُس کا تعاقب نہ کریں گے کہ اُن کو دمشق کے بارے میں خبر مل جائے گی اور بے شک ساری تجویز بہت اعلیٰ پایہ کی تھی۔ اور ایسی تیاری کے لئے ہر قتل کی تجویز کچھ اس قسم کی تھی کہ مسلمانوں کو منتشر رکھ کر جگہ جگہ مختلف مقامات کے محاصرے میں الجھا دیا جائے۔ اس لئے جنرل توذرا کی دمشق کی طرف پیش قدمی اسی تجویز کی ایک کڑی تھی۔ اسلام کے دو عظیم سپہ سالاروں نے مشورہ کیا کہ صورت حال سے کیا نپٹا جائے۔ اور فیصلہ کیا گیا کہ جناب ابو عبیدہ ادھر ہی رہیں اور شنس کے لشکر کو الجھائے رکھیں اور جناب خالد اپنے لشکر کے ساتھ دمشق کا چکر لگا ہی لیں کہ توذرا شاید ادھر گیا ہو۔

مسلمانوں کا رد عمل

اسلام کے عظیم فرزندوں کا تجزیہ صحیح تھا۔ پو پھٹنے سے فٹوڑا پہلے توذرا کا لشکر دمشق کے قریب پہنچ گیا لیکن جناب یزید جو کئے تھے اور وہ دمشق کے باہر ہی صف بند ہو گئے، اور توذرا کا مقابلہ شروع کر دیا مسلمان کھلے

میدان کی لڑائی کو پسند کرتے تھے اور وہ خود تو کبھی قلعہ بند ہونا پسند نہ کرتے تھے، بلکہ جب دوسرے لوگ قلعہ بند ہو جاتے تو بھی مسلمانوں کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کس حربی چال کی مدد سے ان لوگوں کو قلعہ سے باہر نکال لیں، اور دو دو ہاتھ اگر کھلے میدان میں ہوں تو بہتر ہے۔ مسلمان مجاہدین کھلے میدانوں میں دشمنوں کو مولیٰ، گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ دیتے تھے۔ تو ذرا جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ سے بھی پچنا چاہتا تھا، اس لئے اس نے دمشق کا رخ کیا اسی کا خیال تھا کہ وہ دمشق پر آسانی سے قبضہ کر کے قلعہ بند ہو جائے گا۔ لیکن وہاں جناب یزیدؓ کے مجاہدوں نے لشکر کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ وہ اور اس کے لشکر والے دمشق کی فتح کے خوابوں کو بھول کر وہاں سے سپانی کی کسی تجویز کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ اتنے میں ان کے عقب میں جناب خالدؓ کے مجاہدین پہنچ گئے۔ رومی فوج بری طرح تھس تھس ہو گئی، اور تو ذرا بھی ہلاک ہو گیا۔ یہاں پشتوں کی کہاوت بڑی موزوں ہو گی، بارانِ دآخندیم، پر نالہ پر شہد شہوہ، یعنی بارش سے بھاگا اور رات پر نالہ کے نیچے گزارنا پڑی۔

داویا حربی چال

جب جناب ابو عبیدہؓ کو تسلی ہو گئی کہ ان کے سامنے جنرل شنفس کا لشکر ہے اور باقی رومی کسین نظر نہیں آ رہے تھے تو انہوں نے ایک بھر پور حملے کا حکم دے دیا اور خود آگے بڑھ کر شنفس کو ہلاک کر دیا۔ مسلمانوں کی کم تعداد کو دیکھتے ہوئے پہلے تو رومی بڑی بہادری سے لڑے لیکن جلد ہی میدان جنگ ان کی لاشوں سے بھر گیا۔ اس لئے انہوں نے دل چھوڑ دیا۔ اور بغیر کسی ترتیب کے سپانی شروع کر دی۔ جناب ابو عبیدہؓ نے ان کا برائے نام تعاقب کیا کہ ابھی دمشق سے حالات کی خبر نہ ملی تھی۔ لیکن شام ایک دو مہینے حالات کی خبر مل گئی کہ رومیوں کی حربی چال ایک دانو تھی جو کایا ب نہ ہو سکی۔ رومیوں کی اس بھر پور شکست کے بعد مسلمانوں نے شمالی شام پر آسانی سے قبضہ کر لیا۔ لیکن مسلمانوں کو کئے تھے، ان کو معلوم تھا کہ اہل روم کیسے فیصلہ کن جنگ ابھی باقی تھی۔

مسلمانوں کی حکمت عملی

مسلمانوں نے دمشق کی فتح کے کسی ماہ بعد حمص کی طرف پیش قدمی کی۔ گو دمشق کی فتح کے بعد وہ کسی وقت بھی حمص تک بڑی آسانی سے جا سکتے تھے لیکن وہ سب کچھ کسی ضرورت کے تحت کرتے تھے۔ پیش قدمی کرتے وقت اپنے

دوست ریگستان کو وہ دائیں بازو پر رکھے ہوئے تھے۔ مسلمان ایک طرف شمال کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے تو دوسری طرف پہاڑی اور زرخیز علاقے میں اور ساحل کے ساتھ ساتھ دشمن کی چوکیوں کا آہستہ آہستہ صفایا کر رہے تھے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جناب عمرؓ اور جناب شریکؓ ایسی کارروائی کے لئے فلسطین کے نچلے علاقوں میں مصروف تھے۔

جیسے ہی جناب ابو عبیدہؓ نے رومی لشکروں کا مزح الروم میں صفایا کیا اور حمص کے لئے پیش قدمی کی تو سافذی جناب یزیدؓ کو حکم دیا کہ نچلے ساحلی علاقوں میں وہ قساریہ کی بندرگاہ پر قبضہ کریں۔ چنانچہ جناب یزیدؓ نے اپنے چھوٹے بھائی جناب معاویہؓ کو اس کارروائی کے لئے ایک دستہ کے ساتھ وہاں بھیج دیا اور اہل قساریہ قلعہ بند ہو گئے۔ کسی مورخ نے اگر اسی زمانے میں جناب یزیدؓ کے ہاتھوں بیروت کی فتح کا ذکر کیا ہے تو وہ صحیح نہیں کہ رومی اس وقت تک بڑے طاقتور تھے۔

جناب ابو عبیدہ اور حمص کی فتح

جناب ابو عبیدہؓ قبلی ان حملات میں زیادہ سے زیادہ حمص تک جا سکتے تھے۔ کیونکہ اس وقت ان کے پاس اتنی زیادہ طاقت نہ تھی اور ایسے کام کے لئے مسلمانوں کو سخت ہموار اپنی چینی ہوئی زمین پر یہ کارروائی کرنا تھی۔ مسلمان لشکر جو جناب ابو عبیدہؓ کے ساتھ تھے ان کی نفی کوئی چودہ ہزار کے قریب باقی رہ گئی تھی ماوراء النہر دور جا کر اپنی فتح کو قائم نہ کر سکتی تھی۔

عراق کی فوج کی واپسی

جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ کی فوج میں نفی کی یہ کمی اس لئے واقع ہو گئی کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ جناب خالدؓ جو فوج عراق سے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ اُس کو واپس کر دیا جائے۔ اور زمان و مکان کے تمام تر جابروں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مرج الروم کی جنگ کے فوراً بعد اور حمص کی فتح سے پہلے ایک شام سے چھ ہزار مجاہدین جناب ہاشمؓ بن عتبہ کی کمانڈ میں ایران چلے گئے۔ اور دو حصوں میں، حسینؓ جنگ قادسیہ کے دوران وہاں پہنچ گئے۔ جس کی تفصیل پہلی کتاب میں موجود ہے۔ کہ یہ واقعہ محرم پندرہ ہجری کا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ لوگ ذوالحجہ چودہ ہجری میں شام سے چلے ہوں گے کہ سفر تقریباً ایک ماہ کا تھا



عسکری تاریخ کے طالب علموں اور فوجی حکمت عملی اور تدبیرات کے ماہرین کے لئے اس کا اردو ادبی میں بہت زیادہ اسباق ہیں کہ اتنے دور بیٹھ کر حلیفہ دوم کا زماں و مکاں کا حساب کتنا ٹھیک تھا۔ اور ملک ایسے وقت بھی گئی کہ ملک شام میں کوئی بھرپور کارروائی نہ ہو رہی تھی۔ ہمارے مورخین نے جو زماں کے اختلافات بیان کئے، صحیح تجزیہ سے یہاں وہ سارے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور نغری کے بارے بھی احکام واضح تھے کہ ساری عراق الی فوج واپس کی جائے۔ یہ فوج اُس وقت نو ہزار تھی اور اب جناب خالد اور جناب ہزار بن ازور وغیرہ متحرک دستوں میں چلے گئے تھے۔ تو باقی نغری کوئی چھ ہزار رہ گئی ہوگی۔ اور ہم ان مورخین سے اتفاق کرتے ہیں جو تعداد چھ ہزار بتاتے ہیں اور یہ ماننے کو تیار نہیں کہ اتنا دور سے صرف ہزار بارہ سو کی کمک گئی۔ علاوہ جناب ابو عبیدہ اور جناب خالد کے لشکروں کی تعداد جو گھٹ کر چودہ۔ پندرہ ہزار رہ گئی تو یہ کلیہ بھی چھ ہزار کی نغری کے حق میں جاتا ہے۔ اسی طرح جن مورخین نے اسلامی فوج کو حمص سے اوپر حلب وغیرہ کے علاقوں تک پیش قدمی کرا دی وہ بھی صحیح نہیں کہ ابھی شام میں اہل روم کے ساتھ ایک بھرپور جنگ ہونا تھی اور مسلمان زیادہ سے زیادہ شیراز تک جاسکے۔

جناب ابو عبیدہ اور جناب خالد کی حمص کی طرف پیش قدمی

اب اسلام کے دونوں عظیم فرزندوں کے پاس تقریباً چودہ پندرہ ہزار فوج تھی، جس کے ساتھ جناب خالد بیدھے حمص کی طرف چلے گئے اور جناب ابو عبیدہ راستے میں بائیں طرف بابک کی طرف ٹرگئے۔ جہاں پر لوگوں نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ بابک میں لڑائی بھی ہوئی لیکن تفصیل کسی نے نہیں بتائی۔

حمص کی فتوحات کے واقعات کچھ عجیب و غریب رنگ میں پیش کئے گئے ہیں، کہ مسلمانوں کے وہاں پہنچنے کے بعد اہل حمص جزیرہ دینے کے لئے تیار ہو گئے تھے اور مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک سال تک شہر بدر حملہ نہ کریں گے لیکن اگر اہل روم کی طرف سے کوئی کمک یا لشکر آ گیا تو پھر مسلمان شہر کا محاصرہ یا بزورِ شمشیر جو کہ کچھ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں اس لئے حمص کے دروازے کھول دیئے گئے اور حمص کو ایک "پرامن" شہر قرار دے دیا گیا اور لوگوں کو اسلام میں شمولیت کی دعوت دی۔ بزرگ دھڑا دھڑا اسلام کے دار سے میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ بعض جگہ لوگوں نے ان خود مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ اہران کے علاقوں کا انتظام سنبھال لیں۔

اور مسلمان دستوں کی دعوتیں بھی کہیں۔ یہ کہانیاں کسی حد تک صحیح ہیں کہ ان علاقوں کے لوگ رومیوں سے بڑے ننگ تھے اور گلب جیسے متعصب مبصر نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ لوگوں کے لئے اسلام میں کشتی تھی۔ مسلمانوں کی طرز زندگی اور فلسفہ حیات کو لوگوں نے پسند کیا۔ لیکن وہ لوگ انجی تک اس سوتل اور تذبذب میں ملے تھے کہ مسلمان اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ انہیں رومیوں سے پکا چھوٹا رامل جلے گا۔ لیکن اس سلسلہ میں معاملات ابھی بن بن ہی تھے۔ مسلمان خود ایسی کوئی تسلی دینے کو تیار نہ تھے۔ کیونکہ اہل روم کے ساتھ ایشیا میں ان کی ایک فیصلہ کن جنگ ہونا باقی تھی۔

رومیوں کا حمص میں چوری چھپے داخلہ

مسلمان دستے حمص اور شیزار کے گرد و نواح میں پھیلے ہوئے تھے اور رومیوں نے چوری چھپے حمص کے اندر اپنی فوج داخل کرنا شروع کر دی۔ جب جناب ابو عبیدہؓ کو پتہ چلا کہ رومی حمص میں اس طرح داخل ہو رہے ہیں تو انہوں نے اپنی تمام تر توجہ حمص کی طرف مبذول کر دی کہ جناب فاروق اعظمؓ کے مطالبہ پر حمص ہی شمالی شام کا اہم شہر تھا۔ کوئی آٹھ ہزار کے قریب رومی فوج حمص میں داخل ہو گئی تھی اور ان کے کمانڈر ہربیس نے اس فوج کے ساتھ اچانک حمص کے دروازے بند کر دیئے۔ مسلمان افواج کی تعداد کوئی پندرہ ہزار کے قریب تھی، لیکن حمص کے قلعہ کو سر کرنا ان کے لئے مشکل تھا کہ شہر ہماہ کی دیواریں دمشق کی دیواریں سے بہتر حالت میں تھیں۔

مسلمانوں کی حربی چال

مسلمانوں کو دمشق کا بڑا تلخ تجربہ ہو چکا تھا کہ محاصرہ بہت لمبے عرصے کے لئے کرنا پڑتا تھا۔ گو سردیوں کا موسم ختم ہونے والا تھا اور مسلمانوں کو معلوم تھا کہ اگر محاصرہ نے طول پکڑا اور گریہوں میں قلعہ سر نہ ہو سکا تو مسلمانوں کو اگلا سردی کا تمام موسم قلعہ کے باہر سرد ہواؤں میں گزارنا پڑے گا۔ مسلمان ویسے بھی محاصرہ کی کارروائی کو پسند نہ کرتے تھے۔ وہ متحرک مجاہد تھے اور جنگ کو متحرک رکھ کر ہی وہ سب کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دائرہ کھیلنا کہ وہ محاصرہ اٹھا کر واپس دمشق جا رہے ہیں۔ ہربیس نے جب یہ دیکھا، تو قلعہ کے اندر سے تقریباً پانچ ہزار جنگ جو سپاہی اکٹھے کر کے مسلمانوں کا تعاقب شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے

کچھ دیر تو سپاہی کی شکل کو ظاہر کیا۔ لیکن تھوڑے ہی وقت کے بعد عظیم صحابی جناب معاذ بن جبل، پہلے کی تجویز کے مطابق، پانچ سو سواروں کے ساتھ آگے سے اچانک پچھلے طرف اور جلدی سے جا کر حصے کے قلعہ کی دیواروں کے پاس پہنچ گئے۔ پہرہ داروں نے دروازے بند کر دیئے، لیکن قلعہ کے باہر کے علاقے پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا مگر دوران آگے سے اسلامی لشکر نے پچھلے طرف ہڑت کر کے لشکر پر دھاوا بول دیا۔ اب رومی چاروں طرف سے گھر چکے تھے اور مسلمانوں نے ان کی تکابوٹی کرنا شروع کر دی۔ جناب خالدؓ ہزیمس کی تلاش میں نئے سے ایک اور دیوثامت رومی جرنیل جناب خالدؓ کے مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔

رومی جرنیل کا حشر

اس دیوثامت رومی جرنیل نے جناب خالدؓ کے ساتھ تلوار سے مقابلہ کیا اور جناب خالدؓ کے وار کو اس طرح روکا کہ جناب خالدؓ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ اب جناب خالدؓ آگے بڑھ کر اس رومی جرنیل کے ساتھ گھم گھم گھٹا ہو گئے۔ اس وقت جناب خالدؓ نے ایک ایسا طریقہ اپنایا کہ رومیوں کو بھی اور اپنے مجاہدوں کو بھی حیران کر دیا۔ جناب خالدؓ نے اس دیوثامت رومی کو اپنی چھاتی کے ساتھ بھینچ لیا۔ اور اس زور سے ہاتھوں اور بدن کے درمیان دبایا کہ اس کی چھاتی کے جوڑے پسلیاں پھینچ پڑے اور پیٹ کے سب حصے بے جان کر دیئے۔ اور جب جناب خالدؓ نے دیکھا کہ اس کی روح پر ناز کر گئی ہے تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر تو یہ رومی جرنیل اپنے پاؤں پر مردہ حالت میں کھڑا رہا، لیکن آخر زمین پر یکدم رٹھک گیا۔ لوگ حیران تھے کہ جناب خالدؓ کو اللہ تعالیٰ نے کتنی قوت بخشی ہے۔ رومیوں میں اب رٹنے کی سکت باقی نہ تھی۔ مشکل ہی سے ان کا کوئی آدمی زندہ بچا ہوا۔

صلح کی درخواست

چنانچہ جو لوگ قلعہ کے اندر تھے انہوں نے رومی لشکر کے باقی چند ہزار آدمیوں کو مجبور کیا کہ قلعہ کے دروازے کھول دیئے جائیں پھر ان لوگوں نے صلح کی درخواست کی اور عند پیش کیا کہ ان کا کوئی تصور نہ تھا۔ جناب ابو عبیدہؓ نے ان تمام لوگوں کو امان دے دی اور رومی فوجیوں نے بھی ہمتا ہو کر اسی علاقے میں رہنا پسند کیا۔ یہ واقعہ صفحہ مندرجہ بھری کا ہے۔ انہی دنوں میں محرم پندرہ ہجری میں ایران میں قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ

میں کسی جگہ شہر پسندوں کا قلع قح کرتے ہیں یا حکومتِ وقت کے کسی حکم کے تحت قانون کے نفاذ کے لئے جب کوئی کارروائی کرتے ہیں تو مادر پدر آزاد لوگ سپاہیوں کے خلاف نفرت کا طوفان برپا کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ سپاہیوں کا کام صرف یہ ہے کہ طغیانی یا کوئی مشکل کام ملک کے اندر ہو تو وہ کریں یا بیرونی خطرے میں ملک کی سرحدوں کی حفاظت کریں یعنی صرف وہی قربانی کے لئے تیار رہیں۔ یہ سارے باطل فلسفے ہیں اور غیروں کی نقالی میں ہم نے فوج الگ اور سول الگ کے راگ الاپنے شروع کر دیئے۔ یاد رکھیں کہ سپاہیانہ اوصاف انسان میں اخلاق پیدا کرتے ہیں اور سپاہی کا دل جس طرح اپنوں کے لئے دھڑکتا ہے ٹھیک اسی طرح اُس کی آنکھ قوم کے غم میں تر ہو جاتی ہے لیکن غیروں کے فلسفہ کے پجاریوں پر کوئی اثرات نہیں ہوتے :-

۵ وہ آنکھ کہ ہے سرمہ افزنگ سے روشن

پُر کار دستخ ساز ہے ! نناک نہیں ہے ! (اقبال)

ردِ عمل کی جنگ

اب دواصل اہل روم اور مسلمانوں کے درمیان ایک دوسرے کے "ردِ عمل" کا مقابلہ شروع ہو چکا تھا اہل روم چپ چاپ حملہ کرنا چاہتے تھے مسلمان بھی چپ چاپ رہے اور پسپائی کی تیاری شروع کر دی لیکن اس کو پسپائی کا نام نہ دیا اور چنانچہ رومی لشکر جب اپنی جگہ گھوم لے اپنے مقصد کی طرف پیش قدمی کر چکے، تو مسلمان مجاہدین نے چپکے سے اپنی پوزیشنوں کو چھوڑ دیا۔ جب سب سے آگے تھے وہ اور اس کے لشکر والے جب حمص پہنچے تو مسلمان جاچکے تھے۔ رومی حیران تھے کہ انہوں نے خاموشی سے اتنی تیز پیش قدمی کی اور پھر بھی مسلمانوں پر اچانک وار نہ کر سکے۔ دائیں بائیں سے جب گریگوری اور دیرجان کے لشکر پہنچے اور خوش ہوئے کہ انہوں نے مسلمانوں پر "جال" پھینک دیا ہے۔ لیکن جب تینوں لشکر والوں نے ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ پیدا کیا تو "جال" خالی تھا کہ اللہ کے شیر ایسے جاہلوں میں نہیں پھنس سکے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے اعلان کر کے اس جگہ کو چھوڑا۔ لوگوں کو اکٹھا کیا لیکن دشمن تک بڑ نہ پہنچ سکی۔ تو یہ بھی خبروں پر ردِ عمل کی حکمت عملی کی ایک چال ہوتی ہے۔ مخبر عام طور پر تمام خبریں بڑے ہیڈ کوارٹروں تک پہنچاتے ہیں۔ چونکہ مسلمانوں نے اپنی پوزیشن اس وقت چھوڑی جب رومی

لشکر پیش قدمی کر چکے تھے یا پیش قدمی شروع کر رہے تھے اس لئے خبر پہلے انطاکیہ پہنچی اور وہاں سے خبر پہنچانے والے نے بھی لشکروں کی طرح "پیش قدمی" کر کے خبر پہنچانی تھی۔ اس لئے اہل لشکر اور "خبر دونوں ایک ہی وقت تمہیں پہنچے۔"

کارروائی کے زمانہ و مکان کے سلسلے میں یہ ایک حربی خیال یا داؤبے جس کو ہر سطح پر اپنایا جاسکتا ہے۔ کہ جب دشمن آپ کے خلاف حیران کن کارروائی کرنا چاہے اور آپ کو وہ جگہ چھوڑ کر کہیں اور چاہے تو اپنی پوزیشن میں اس وقت چھوڑی جائے جب دشمن پیش قدمی شروع کر دے یا حملہ کے لئے پرتول رہا ہو۔ اور جب کسی جگہ پرتول کر ممبر پور حملہ کیا جائے اور یہ امید ہو کہ دشمن کو جا کر تھس نہیں کر دیں گے اور پکڑ لیں گے۔ لیکن اگر وہاں پہنچنے پر دشمن جا چکا ہو تو بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ یاد رکھیں کہ صرف مقامات پر قبضہ کرنے سے دشمن کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا جاسکتا جتنا اس کی فوج کو تھس نہیں کر کے پہنچایا جاسکتا ہے۔

خلیفہ وقت کی تسلی

جناب ابو عبیدہؓ نے تمام لشکروں کو بڑی حکمت عملی کے ساتھ وادئ یرموک میں پہنچا دیا۔ آپ اور جناب خالد شمالی شام کو ذیج الثانی پندرہ ہجری میں خالی کر چکے تھے۔ دشمن کو جہاد اولیٰ الاول میں خالی کیا اور انہی دنوں قساریہ کا محاصرہ بھی اٹھایا گیا جناب شرجیل اور جناب عمرو بن عاص بھی انہی دنوں وادئ یرموک میں پہنچ چکے تھے۔ جناب ابو عبیدہؓ نے قاصد زل کے ذریعے جناب عمر فاروقؓ کو حالات سے آگاہ کر دیا تھا۔ انہی دنوں مشہور صحابی جناب عبداللہ بن مسعود کو بھی مدینہ بھیجا گیا اور انہوں نے خلیفہ دوم کو تمام حالات سے باخبر کیا۔ ہجری کے مطابق حضرت عمرؓ نے خود یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ مسلمانوں کے لئے بہترین دفاعی پوزیشن وادئ یرموک کی گھاٹی، یعنی دریا یرموک کا علاقہ تھا اور انہوں نے از خود مسلمانوں کو اس پوزیشن پر اجتماع کر کے اکٹھے ہو کر رہنے کا مشورہ دیا۔

جناب ابو عبیدہؓ کا امرا اور عظیم صحابہ سے مشورہ

بابہ کے گرد و نواح میں جب تمام لشکر اکٹھے ہو گئے تو جناب ابو عبیدہؓ نے ایک مشاورت طلب

کی، جس میں امراءِ عظیم صحابہ اور جنگ کے ماہرین نے شرکت کی طبری نے کچھ صحابہ کرام اور امراء کے نام لکھے ہیں۔ کچھ کے نام دوسری تاریخوں کے واقعات سے لے لئے گئے ہیں کہ ان کا ذکر کسی واقعہ کے ساتھ وابستہ تھا۔ کچھ ناموں کا ان کی زندگی کے حالات میں ذکر ہے کہ انہوں نے جنگ یرموک میں حصہ لیا اس طرح سے مختلف ذرائع سے جن لوگوں کے نام اکٹھے کر کے ہم یہاں لکھ رہے ہیں یہ ضروری نہیں کہ وہ مشاوری میں بھی شامل ہوں کہ خیال ہے کہ چند صحابہ کرام جنگ سے صرف ایک ہفتہ پہلے پہنچے، اسی طرح سے جن کے بارے ہمارے پاس واضح ثبوت موجود ہے کہ ان کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے ان کے نام ہم الگ لکھ رہے ہیں لیکن اس کے یہ مطلب نہیں کہ باقی امراء صحابی نہ تھے۔ شاید ان میں سے بھی کئی صحابیان کو حضورؐ کی زیارت نصیب ہوئی ہو۔

اسلامی لشکر میں تقریباً ایک ہزار صحابہ کرام شامل تھے۔ عمر سیدہ صحابہ میں سے جن میں ابو سفیان بن حرب بھی تھے کہ آپ کے دونوں بیٹے زیدؓ اور معاویہؓ یہ دستوں کی کمانڈر کر رہے تھے۔ عورتوں میں ان کی بیوی ہندہ بھی تھی جو آج کے دن اللہ اور رسولؐ کی غلامی پر فخر کر رہی تھی۔ علاوہ جناب عکرمہؓ کی بیوی ام حکیمہ اور جناب ضرارؓ کی بہن خولہ قابل ذکر ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے جناب ابو عبیدہؓ کے علاوہ جناب زبیر بن عوام بھی موجود تھے اور ان کی ایک بیوی اور نوجوان بیٹیاً عبد اللہؓ بھی تھے۔ علاوہ ان سے جناب مہاذب بن جبل اور جناب عبد اللہ بن مسعود بھی تھے۔ عاشقوں میں سے جناب ابو ذر غفاریؓ، جناب بلالؓ اور جناب ابو ہریرہؓ بھی تھے۔ جناب خالدؓ کے نوجوان بیٹے عبد الرحمنؓ کے علاوہ کئی عظیم صحابہ کے بیٹے جنگ میں شرکت کر رہے تھے۔ اولین اسلام لانے والوں میں سے جناب خالد بن سعید اور عباس بن غنم بھی تھے۔ جناب خالد کے بچپن کے دوست اور بہنوئی صفوان بن امیہ اور بھتیجے جناب عکرمہؓ بن ابوجبل بھی تھے جو فتح مکہ کے وقت اسلام لے آئے۔ اور جناب عکرمہؓ کا بیٹا عمرؓ بھی تھا۔ حضور پاکؐ کے خاندان سے عبد اللہ بن جعفر طیار اور فضل بن عباسؓ بھی تھے اور صحابیوں میں سے ابی الاغورؓ اور ذوالکلاخؓ بھی تھے اور جناب ضرارؓ بن ازور اور رافعؓ بن عمرہ بھی تھے جو کئی تعارف کے محتاج ہیں۔

عہ حضور پاکؐ کے چھیرے بھائی جن کی وجہ سے آپ کی عظیم والدہ ام فضلؓ کے نام سے مشہور ہیں۔ ام المؤمنین بیورہؓ نے آپ کی سگی بہن تھیں اور حضور پاکؐ جناب ام فضلؓ کو اپنی والدہ کی طرح پیار کرتے تھے۔ آپ اپنے خاوند جناب عباسؓ سے پہلے اسلام لے آئیں۔



امراء

باقی امراء جن کے نام طبری میں موجود ہیں۔ وہ قبیلوں کے سردار تھے۔ ان میں بھی کسی صحابہ کرام میں، اور سب مشہور جنگجو تھے۔ اور جنگوں میں اپنا نام پیدا کر چکے تھے چنانچہ اوپر دیتے ہوئے صحابہ کرام کے علاوہ جو لوگ دستوں تک کمانڈ کر رہے تھے ان میں قابل ذکر امراء یہ تھے۔ مدغور بن عدی، زیاد بن حنظلہ، وحید بن خلیفہ، اور ایتیس، یزید بن نجیس ابن ذی الجحار، عمارہ بن مخنف، حبیب بن مسلمہ، بہیل، عبد اللہ بن قیس، عمرو بن عتبہ، سمط الانود، معاویہ بن خدیج، جندب بن عمرو، لقیط بن عبد القیس، عمرو بن للال، قیس بن عمرو، زید بن عوف، عمار بن عبد اللہ، خوشب، ذؤظلم، مسروق بن حمال، عتبہ بن ربیعہ، جبار بن عبد اللہ اور قیث۔

مشاورت

روایت ہے کہ جناب ابو عبیدہؓ نے مشاورت کے لئے اکثر جنگ کے ماہرین کی رائے طلب کی کہ صفت بندی کس مقام پر کی جائے، ظاہر ہے کہ مسلمان ایک دفاعی جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ اب دفاعی جنگ میں پہلے کاری پنے پاس نہیں رہ جاتی۔ لیکن اگر دشمن کو پہلے کاری کے لئے مجبور کیا جائے تو یہ پہلے کاری رد عمل کے طور پر ہوتی ہے۔ اور مسلمانوں کی یہی کوشش تھی کہ دشمن کو پہلے کاری پر مجبور کیا جائے اور ان کا دفاع ایسا ہو کہ دشمن کا منہ پھیر کر رکھ دیا اور جب دشمن میں حملہ کی سکت ختم ہو جائے تو پھر اپنی طاقت کے مطابق جارحانہ کارروائی کی جائے چنانچہ جابہ یہ کہ تمام ایسا تھا جو مسلمانوں کو ضرورت کے مطابق پھیلانا تو دے سکتا تھا، لیکن اس جگہ پوزیشن لینے میں دو نقص تھے۔ ایک تو بائیں بازو کی حفاظت مشکل تھی۔ اور دوم دشمن عقب میں بھی آسکتا تھا۔ لیکن وہاں سے ہٹ کر یوگ کے میدان میں پوزیشن لینے سے مسلمان اپنے بازوؤں کی نگرانی اور چند دستوں سے اپنے عقب کی حفاظت بھی کر سکتے تھے۔

مسلمانوں کا دفاع جارحانہ قسم کا ہوتا تھا اور یہ چیز جبکہ جگہ واضح کر دی گئی ہے کہ مسلمان کسی سلگن یا انفعالی دفاع کے فائل نہ تھے۔ وہ متحرک دفاع میں یقین رکھتے تھے۔ یہ یوگ کی گھاتی ان کو ایسی زمین مہیا کرتی تھی جہاں پر وہ متحرک دفاع اختیار کر سکتے تھے۔ اس سلسلے میں نقشہ ششم کا مطالعہ مددگار ثابت

ہوگا کہ بازوؤں کی حفاظت بھی ہو رہی تھی کیونکہ ایک طرف دریا اور دوسری طرف لامے کا پہاڑ تھا اور دیرہ کے مقام پر چند دستے رکھ کر اپنے عقب کی حفاظت بھی ہو سکتی تھی۔

طبری کے مطابق جناب خالدؓ کی یہ رائے تھی کہ دفائی جنگ کے لئے یرموک کا میدان ہی بہترین جگہ ہے اور سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ چنانچہ سالار لشکر جناب ابو عبیدہؓ نے تمام اہل لشکر کو یرموک کے مقام پر اجتماع اور صف بندی کا حکم دے دیا اور یہ صف بندی یا اجتماع اس طرح تھا جیسے نقشہ ششم میں دکھایا گیا ہے۔ جناب خالدؓ اپنے دستے کے ساتھ جابیر کے مقام پر ہی ٹھہر گئے اور وہاں انہوں نے آج کل کے زمانے کی اصطلاح کے مطابق، سکرین یا ”پر دے“ کا کام کیا۔ اس زمانے میں سب ایسے دستوں کو حیش المقدم کہتے تھے۔ اسلامی لشکر نے جابیر سے ہٹ کر یرموک کی گھاٹی میں اپنی تقسیم شدہ زمین پر ایسا پڑاؤ اختیار کیا جس کو اشارہ کے ساتھ صف بندی میں تبدیل کیا جاسکے اور اس کا ردوائی کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قساریہ کا ردی لشکر اب فحل کی طرف سے کوئی پیش قدمی نہ کر سکتا، کیونکہ مسلمانوں نے اس سمت کی بھی تقریباً نا کہ بندی کر دی تھی۔

رومیوں کی پیش قدمی اور جناب خالدؓ کی جھپٹ

رومی لشکر حصص کو خالی دیکھ کر تیزی کے ساتھ دمشق کی طرف بڑھے اور ان کا خیال تھا کہ دمشق میں بھر پور لڑائی ہوگی۔ لیکن ان کی حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی جب وہ وہاں پہنچے تو مسلمان دمشق کو بھی خالی کر چکے تھے۔ مسلمانوں نے یہاں بھی جزیہ کی رقم لوگوں کو واپس کی اور اہل دمشق مسلمانوں کے کردار سے بڑے متاثر ہوئے، اور خاموشی سے مسلمانوں نے عارضی طور پر دمشق کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ رومی اپنی کامیابی سے حیران تھے۔ اس نے انہوں نے جابیر کی طرف ہمیشہ قدمی شروع کر دی۔ وہاں پر جناب خالدؓ موجود تھے۔ رومی جو بغیر کسی زہمت کے دو تین سو میل کی پیش قدمی کر چکے تھے، انہوں نے اپنی بھاری بھر کم فوج کو اپنے طریقے اور ڈھیلے پن سے آگے بڑھایا۔ جناب خالدؓ کو ایسا موقع خدا دے! انہوں نے پیش قدمی کرنے والوں کا سامنے سے مقابلہ کرنے کی بجائے ایک بازو سے ایسا جھپٹا مارا کہ رومیوں کے کشتوں کے پستے لگ گئے۔ جناب خالدؓ کا یہ چھاپہ اتنا سخت تھا کہ ہزاروں کی تعداد میں رومی کھیت رہے اور وہ سر پیر پاؤں رکھ کر ایسے بھاگے کہ دمشق تک پہنچنے تک پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ جناب خالدؓ نے اس چھاپے سے دو موقع حاصل کر لئے کہ آئندہ رومی دمشق سے آگے پھونک پھونک کر قدم رکھیں گے اور مسلمانوں کو اپنے چنے ہوئے مقام پر اپنی طرز کی

صف بندی کرنے کا کافی وقت مل جائے گا۔

یرموک کا میدان جنگ

مسلمانوں نے صف بندی کے لئے جو جگہ چینی اسے نقشہ ششم پر دکھایا گیا ہے۔ اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ مسلمانوں کے دائیں بازو پر جبل عرون یعنی لاوسے کے پہاڑ تھے۔ بصری اور جبل الدوز وغیرہ کے مقامات بھی مسلمانوں کے دائیں بازو پر ہی تھے۔ بائیں بازو پر دریائے یرموک کا ایک حصہ یا ایک چھوٹا دریا تھا۔ نقشہ ششم میں شمال کی طرف سے دو راستے آتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک تو وہ راستہ ہے جو دمشق سے جا ہیہ اگر آگے وادی یرموک میں داخل ہوتا ہے۔ دوسرا راستہ شمال مغرب کی طرف سے ساحل علاقوں کی طرف سے دریائے اردن کو بنت یعقوب کے گاؤں کے پاس سے پار کرتا ہے۔ اور آگے جہاں دریائے یرموک کے ایک حصہ کو پار کرتا ہے اس کا نام بھی بل بنت یعقوب ہے اور اس پل سے پار جو علاقہ ہے اس کو وادی رقاقہ کہتے ہیں۔ اس پل کا ذکر جنگ کے آخری دن ایک اہم جگہ کے طور پر آئے گا۔

بہر حال جیسا کہ نقشہ ششم سے ظاہر ہے، یہ دونوں راستے یرموک کی وادی میں آکر مل جاتے ہیں۔ ان راستوں کے مرکز کو، جسے آج کل کی فوجی زبان میں جنگشن پوائنٹ کہیں گے۔ جنگ یرموک میں خاص اہمیت حاصل تھی اور مسلمانوں نے اپنی صف بندی اس طرح کی کہ اس جگہ سے دشمن کو زیادہ آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ مسلمانوں کے عقب میں بھی دریا تھا اور اس کے بعد دریا کے معاون تھے جہاں پر معمولی دستے رکھ کر مسلمان اپنے عقب اور بائیں بازو کی حفاظت کر سکتے تھے۔ دائیں بازو کی مسلمانوں کو نکر نہ تھی کہ اس طرف سے حملہ نہ ہو سکتا تھا لیکن مسلمان اگر متنزہ تر ہو کر کوئی اور چال اختیار کرنا چاہتے تو وہ دائیں والے علاقے کو استعمال کر سکتے تھے۔

فادین کو یاد ہو گا کہ جب رجب بیرہ ہجری میں یعنی جنگ اجنادین کے نو ماہ بعد، اسی مقام پر یوگ کی پہلی جنگ ہوئی۔ تو جناب خالد بن ولید نے اس وقت صف بندی کو کے رد میں کو شکست دی۔ تو اب جناب ابو بکر نے بھی وہی صف بندی قائم رکھی اور مسلمانوں نے پڑا تو یا صف بندی تقریباً گیارہ میل میں کی۔

جو لوگ جناب ابو عبیدہؓ کی شان کو سمجھے ہیں اور ان کی خاموشی اور کم گوئی سے واقف ہیں، ان کو معلوم ہے کہ جناب ابو عبیدہؓ کا میدان جنگ میں موجودگی ہی لاکھوں سپہ سالاروں کی کارروائی کے برابر تھی۔ آپ کی ہلکی سی مسکراہٹ پر لوگ اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ کہ آپ کے دندان مبارک حضور پاکؐ کے بدن مبارک کو جنگ احمد میں چھو چکے تھے۔ کہ آپ نے اپنے دانتوں سے حضور پاکؐ کے بدن مبارک سے خود کے ٹکڑے نکالے تھے۔ اس کے علاوہ گیارہ میل لمبے علاقے میں صف بندی کرنا اور اس پر کمانڈ کرنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ کسی بڑی شخصیت کی موجودگی ہی ایسے وقتوں میں کام آتی ہے۔ اول لشکر کے چار بڑے حصے کئے۔ اور ان میں سے ہر حصہ دس حصوں میں بٹا ہوا تھا، لیکن دیکھ لیتے ہیں یا چالیس یونٹس یا ٹالین تھیں۔ اور ان کی کمانڈ وہ امراء و صحابہ کرام کر رہے تھے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور کچھ تفصیل بعد میں آئے گی کہ سارے صحابہ کرام صرف کمانڈ نہ کر رہے تھے بلکہ جناب عبداللہ بن مسعودؓ بندوبستی افسر تھے اور جناب ابو عبیدہؓ جذبہ بڑھا رہے تھے۔

جناب ابو عبیدہؓ نے جنگ کے تمام ترا حکام پہلے ہی سے جاری کر دیئے اور مسلمانوں کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہر دس کی ٹولی پر ایک امیر ہوتا تھا۔ اور آگے دس امیروں پر ایک امیر اعلیٰ۔ اور اسی طرح یہ بات اوپر تک چلی جاتی تھی۔ بنیادی پہلو نظم و ضبط اور دربط و ضبط کا تھا۔ اطاعت امیر اور موت سے بے خوفی کا عقیدہ اس کی بنیادیں تھیں۔ اس لئے میدان جنگ میں سپہ سالار کی شخصیت اور امراء کی شخصیت ہی کافی مؤثر ہوتی تھی کہ مجاہد لڑنے وقت صرف یہ سوچتے تھے کہ ان کا امیر ان ہی میں سے ایک ہے اور ساتھ لڑائی لڑ رہا ہے یا ان کو لڑائی لڑتے دیکھ رہا ہے۔ یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ ہم مسلمانوں کی تاریخ اس تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

صف بندی اور لشکروں کی بانٹ

کہ اتنی بڑی لڑائی میں ٹالین کمانڈروں اور مشہور شخصیتوں کے نام محفوظ ہیں۔ اسی وجہ سے تمام جانے پہچانے نام لکھ دیئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر جنگ یرموک میں تو ایسے صحابہ موجود تھے جنہوں نے جنگ بدر میں بھی شرکت کی تھی۔ اور جنگ بدر کے پورے تین سو تیرہ صحابہ کرامؓ کے نام مسیح آباؤ اجداد ابن اسحاق کی تاریخ میں موجود ہیں، بلکہ ابن سعد کی تاریخ میں بھی ان کی تلاش کی جا سکتی ہے۔ ان ناموں میں اختلاف محدود ہے۔ اور سارے تجزیہ کے بعد کوئی آٹھ یا دس صحابہ کرامؓ کے ناموں پر شک پڑتا ہے۔ اور وہ بھی اس وجہ سے کہ کئی



نقشه ششم - یرموک کا میدان جنگ
طرفین کی صف بندی

شمال ↑

بنت یعقوب
۱۵ میل

وادی وقتانہ
بنت یعقوب

دمشق
۶۵ میل



جبل النولان

گوینگری

دیجان

باہان

قناطر

جبل ہورن

جبل الدروز

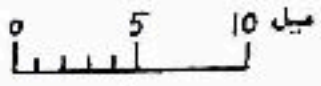
بصری

فحل
۲۵ میل

رقہ

دیورہ

عمان
۳۵ میل



Handwritten notes in the left margin, partially cut off.

صیغے کے نام ایک جیسے تھے۔ بہر حال مس جنگ میں ہمارے اُقا کے ایک ہزار سے زیادہ صحابہ کرام اور حق و باطل کے پہلے معرکہ کے سوجا بدین شامل ہوں اس کی صفوں پر تصور ہی میں نظر ڈالنے سے بے ساختہ زبان سے سبحان اللہ نکل جاتا ہے۔

اہل روم کی پیش قدمی

باطل کی ٹڈی دل فوج دمشق سے آگے پھونک پھونک کر قدم رکھ رہی تھی جناب خالدؓ نے حوان کی گت بنائی تو انہوں نے غسانی قبائل اور جبیلہ کے لوگوں کو آگے کیا اور وہ ہرجا معلومات حاصل کر کے آگے بڑھتے تھے۔ انہوں نے آہستہ آہستہ یرموک کی وادی کے شمال میں پہنچنا شروع کر دیا۔ پھر مسلمانوں سے کچھ فاصلے پر ایک صف بندی کی شکل والا پڑاؤ اختیار کیا جو طول میں اٹھارہ میل لمبا تھا کرائی تعداد بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی۔ اب متحارب فوجیں ایک دوسرے کو دیکھ سکتی تھیں۔ طرفین دیکھ بھال، مخبری احکام ہدایات اور جنگی سامان کی مرمت پر لگ پڑے۔ لیکن ہر قل کے دل کو کوئی اندر دنی فکر کھائے جا رہا تھا اُس کو جنگ کی صورت میں صاف شکست نظر آتی تھی۔ اُس نے ایک اور کوشش کی کہ کسی طرح سے صلح ہو جائے اور عزت رہ جائے۔ اس لئے اُس نے باہان کو ہدایات دیں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی کوئی کوشش ضرور کریں۔

اہل روم کی صلح کی کوشش

باہان نے اپنے لشکریوں کے ایک مشہور کمانڈر جنرل گرگوری کو مسلمانوں کے پاس سفیر کے طور پر بھیجا اور وہ جناب ابو عبیدہؓ کے پاس حاضر ہوا۔ اہل روم کچھ حوصلہ میں تھے۔ مسلمانوں کی حکمت عملی کے تحت پسپائی والی چال کو وہ اچھی طرح نہ سمجھ سکے تھے۔ اُن کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کو یہ کہہ دیا جائے کہ جو کچھ انہوں نے بلا در شام سے حاصل کیا ہے وہ لے کر چلے جائیں اور آئندہ ہمیں ملک شام پر حملہ آور نہ ہوں، تو شاید مسلمان صلح کریں۔ چنانچہ گرگوری نے یہ شرائط پیش کر دیں۔ جناب ابو عبیدہؓ پہلے تو مسکرا دیئے پھر فرمایا کہ ہم شرائط والا معاملہ ذرا کھلا رکھتے ہیں، ہم مخالفین کو ایک شرط کی بجائے متبادل شرائط بھی پیش کرنے میں کراہتیں کچھ سرچنے کی گنجائش دی جانتے تاکہ جو شرط ان کو بہتر معلوم ہو اس پر فیصلہ ہو جائے۔ گرگوری یورپین تھا اور اس علاقے

ہیں نووار دتھا۔ مسلمانوں کے ساتھ اس کو پہلی دفعہ واسطہ پڑا تھا۔ جب ترجمان نے اس کو جناب ابو عبیدہؓ کا بیان سنایا تو وہ جناب ابو عبیدہؓ کی فصاحت اور طرز بیان اور کلام سے بڑا متاثر ہوا کہ خاندانی آدمی تھا چھٹ بول اٹھا: وہ کیا شرائط ہیں؟ تو جناب ابو عبیدہؓ نے فرمایا: اسلام کی آغوش میں آؤ۔ یہ منظور نہیں تو جزیرہ دو اور یہ بھی منظور نہیں تو فیصلہ تلوار کرے گی۔ یہ سن کر زمین اس کے پاؤں تلے سے نکل گئی۔ خاص کر وہ آخری بات سن کر بڑا حیران ہوا کہ مسلمان کوئی لگی لپیٹی بھی نہیں رکھتے اور تلوار پر ان کو اتنا بھروسہ ہے مگر یگوری بہادر آدمی تھا اس نے بات کو آگے نہ بڑھایا اور تسلیم کیا کہ یہ شک مسلمانوں کی شرائط میں کسی بحث کی گنجائش نہیں۔ وہ ایمن الامتؓ کی باتوں کی تاب نہ لاسکا اور اٹھ کر چل دیا۔

۵ پردہ اٹھا دوں اگر چہرہ اذکار سے لاندہ کے فرنگ میری نوادوں کی تاب۔ (اقبال)

جبلہ کی سفارت

گر یگوری نے جب باہن کو انہی الفاظ اور اپنے تاثرات کے ساتھ رپورٹ پیش کی تو باہن کے ہاتھوں کے طوطے بھی اڑ گئے لیکن اُس کو کچھ شک گزرا کہ شاید ترجمان نے معاملات کو الجھا دیا ہے۔ اس لئے اُس نے عربی نسل اور غسانی قبائل کے باجگزار بادشاہ جبلہ کو بھیجا کہ وہ سیدھی طور پر بات کر سکے گا۔ جبلہ جب مسلمانوں کے پڑاؤ میں داخل ہوا تو اُس کو اور زیادہ ندامت اُٹھانا پڑی۔ گو مسلمان کسی جغرافیائی رشتے کو کوئی وقعت نہ دیتے تھے۔ لیکن جبلہ مسلمانوں کی زبان بولتا تھا۔ اُس کا قبیلہ یمن سے ہجرت کر کے آیا تھا۔ اُس کی طرز معاشرت بھی مسلمانوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت رکھتی تھی۔ اس لئے اُس کے منہ سے تو لفظ بھی مشکل سے نکل سکے کہ وہ خیروں کی دکالت کر رہا تھا۔ اور وہ گر یگوری سے بھی جبلہ واپس چلا گیا۔

جبلہ کا اسلام اور فرار

یہاں بہتر رہے گا کہ جبلہ کی آئندہ کی کہانی بھی بیان کر دی جائے۔ جنگ یرموک کی شکست کے بعد اور در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد جبلہ نے معافی مانگی، اور اسلام لے آیا۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد اُس نے مدینہ میں حاضری دی اور اس امید پر دیا گیا کہ اہل روم کی طرح مسلمانوں کو بھی کسی باجگزار

بادشاہ کی ضرورت ہوگی اور جبلہ کو وہ حق مل جائے گا۔ مدینہ کے کسی بھوم میں کسی بدو کا پاؤں جبلہ کے پاؤں پر آگیا یا بدو کے بدن کا وزن جبلہ پر آگیا تو اس نے اس آدمی کو تھپڑ مار دیا۔ اُس بدو نے جناب خلیفہ دوم کے سامنے مقدم پیش کر دیا۔ جناب عمرؓ نے حکم دیا کہ وہ بدو اسی طرح کا ایک تھپڑ جبلہ کے منہ پر رسید کرے۔ جبلہ نے اس کو بے عزتی سمجھا اور اپنے قبائل کے لوگوں کے ساتھ مدینہ سے فرار اختیار کیا اور پھر کفر میں داخل ہو گیا بلکہ شاہ ہرقل کی سلطنت میں واپس پہنچ کر باقی عمر گمنامی کی زندگی میں گزار دی۔ دراصل اُس کو اسلام کے ساتھ حجت کی بجائے باجگزار بادشاہت کا چکر مدینہ لے گیا تو بے چارہ خاک مسلمان ہوتا۔ بد قسمت تھا۔

جنرل گلک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ اس طرح مسلمان ایک طاقتور قبیلہ کی مدد خواہ مخواہ ضائع کر بیٹھے بلکہ ایک ضعیف روایت بھی لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے جبلہ کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ یا جبلہ نے خود بعد میں مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا۔ اور جبلہ نے اپنی آخری عمر ہرقل کے دربار ہی میں گزار دی۔

یہاں پر یہ تبصرہ ضروری ہے کہ اسلام کو کسی طاقتور قبیلہ یا آدمی کی ضرورت نہیں ہوتی یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اسلام کی نعمت عطا کر دے۔ اس سلسلے میں جلال مصطفیٰؐ میں بنو اسد کے قبول اسلام سے استفادہ کریں کہ ان لوگوں کو کچھ غلط فہمی ہوئی کہ وہ اسلام پر بڑا احسان کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا۔ لوگ اپنے اسلام کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپؐ فرما دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان مت جتاؤ بلکہ اللہ کا احسان ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان عطا فرمایا۔ یہ نکتہ سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ اسی قبیلہ کے جناب ضرارؓ بن الازد بھی تھے جو یہ بات جلد ہی سمجھ گئے تو ان کا نام تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھا جاتا ہے۔ لیکن اسی قبیلہ کے طلیحہ نے جو قبیلہ کا سردار تھا۔ یہ بات نہ سمجھی تو پہلے نبوت کا دعوٰ کیا پھر ذلت کی زندگی دیکھی۔ پھر بات سمجھ میں آگئی تو مسلمان ہو گیا اور آخر نبیؐ کی جنگ میں شہادت حاصل کر کے ہماری آنکھوں کا تار بن گیا۔ لیکن جبلہ بد قسمت تھا اس کی نیت میں فتور تھا۔ دنیا کی حُب تھی اس لئے مسلمان ہونے کی کوشش کی اور مسلمان نہ ہو سکا۔ :-

۵ انسان کی جوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر + گھلنے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار - (اقبال)

جنگ ناگزیر تھی

ابھی تک جمادی الثانی پندرہ ہجری کا مہینہ ہی چل رہا تھا لیکن باہان کو کوئی شک باقی نہ رہ گیا تھا کہ کوئی چیر جنگ کو روک سکے گی۔ بہر حال حالات سے باخبر ہونے کے لئے اُس نے جبلہ کے دستوں کو ذرا آگے بڑھایا کہ مسلمان دستوں پر چھاپے مارے جائیں اور یہ دیکھا جائے کہ مسلمان اس مقام پر صرف دفاعی جنگ لڑنا چاہتے ہیں یا اُن کے ارادے کچھ اور ہیں۔ پھر ذرا نزدیک سے دیکھ بھال بھی ہو جائے کہ اُن کی صف بندی کیسی ہے۔ اور نفری کتنی ہے۔ لیکن جبلہ اور اُس کے دستے ذرا آگے نکلے تو مسلمان متحرک دستوں اور جیش المقدم کے دستوں نے اپنے طریقہ بران دستوں پر ایسا چھینا مارا کہ جبلہ نے بھاگنے میں ہی اپنی خیرت بھی ابھان سمجھ چکا تھا کہ مسلمانوں کیساتھ جنگ کوئی آسان کام نہ ہو گا۔ لیکن پورا ماہ اس کو کچھ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ دراصل اس کی کچھ خواہش یہ بھی تھی کہ مسلمان اس پر حملہ آور ہوں۔ اس لئے ایک مہینہ اسی طرح گزر گیا اور معاملات ویسے ہی رہے۔ لیکن اس کا قائد مسلمانوں کو بھرا کہ ان کو اس عرصہ میں چھ ہزار کی اور کلک مل گئی۔ مسلمان مطمئن اور بے فکر تھے مگر یہ کام تو تھا اور علاقے کی آب و ہوا ان کے اپنے علاقوں سے ملتی جلتی تھی۔

ایران میں قادمیہ کے مقام پر فتح حاصل ہو چکی تھی اور جناب سعد بن ابی وقاص مدائن کی طرف پیش قدمی کے لئے پرتول رہے تھے اور اُس محاذ پر کوئی فکر کی بات نہ تھی۔ اب خلیفہ وقت نے ایران میں محدود کارروائیوں کو اجازت دی کہ پہلے شام کے معاملات - صحیح ہو جائیں اور مدائن کی طرف بھر پور، پیش قدمی نہ کی جائے۔ اگر مسلمانوں کی ساری حکمت عملی کا مطالعہ کیا جائے تو ظاہر ہو گا، کہ جب وہ ایک محاذ پر بھر پور کارروائی کرتے تھے، تو دوسرے محاذ پر معاملات کو محدود کر دیتے تھے۔ اس ساری حکمت عملی کی مکمل سمجھ بار ہوئی، اب میں آئے گی، جہاں پرواقتات کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اب خلیفہ وقت کی تمام تر توجہ شام کے محاذ پر تھی اور آج تک مسلمانوں نے شام کے محاذ پر اتنا بڑا لشکر کبھی اکٹھا نہ کیا تھا۔ لشکر میں شامل جن صحابہ کرام رضاکا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اُن میں سے کچھ بزرگ صحابہ کرام کی کلک کے ساتھ آئے۔ خاص کر جناب زبیر بن عوام اور ابوسفیان بن حرب۔ جناب زبیر نے جنگ کے دوران ایک دستہ کی کمانڈ بھی کی۔ لیکن اُن کا زیادہ کام صلاح و مشورہ تھا۔ اور اُن کی موجودگی سے مجاہدین کی دہمائی ہوتی

تھی۔ وہ خطبہ بھی دیتے تھے اور حضور پاک کے زمانے کی جنگوں کا ذکر کر کے مجاہدین کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ یہی بات جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں تھی کہ اُس زمانے میں اُن کی عمر ستر برس سے بھی زیادہ تھی۔ طبری میں لکھا ہے کہ آپ فقہ گوئی کا کام کرتے تھے پر اُنے زمانے میں عمر رسیدہ لوگ میدان جنگ میں بہادری کے قصبے کہانیاں سنا کر لوگوں کے دل میں جذبہ پیدا کیا کرتے تھے اور ایسے عمل کی جنگ میں ضرورت بھی ہوتی ہے۔ آجکل زیادہ زور نفسیاتی جنگ پر دیا جاتا ہے اور ریڈیو۔ ٹی وی اور تمام ذرائع ابلاغ اس کام پر لگے ہوئے ہیں۔ بلکہ سینئر افسر، وزراء اور قوم کے رہنما محاذ جنگ پر جا کر سپاہیوں کی دلجوئی کرتے ہیں۔ اسی طرح اُس زمانے میں بزرگ اور عمر رسیدہ صحابہ رضی اللہ عنہم خطابت کا کام کرتے تھے اور جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہم خطابت اور علم الکلام کے ماہر تھے۔ یہ اُن کا جذبہ تھا، کہ اس عمر میں بھی وہ اسلام کی خدمت کے لئے محاذ جنگ پر آگئے تھے۔ ایک اور عظیم صحابی عبداللہ بن مسعود نے مدینہ کا چکر بھی لگایا اور پھر واپس آگئے۔ یرموک کی جنگ میں بندوبست کی تمام ذمہ داری آپ کی تھی اور چالیس ہزار فوج کے کھانے پینے اور کفالت کا بندوبست کافی مشکل کام تھا۔ لشکر میں عورتیں اور بچے بھی تھے اور کھانے پکانے کے کام میں عورتوں نے بھی حصہ لیا۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ، مسعود کو اس جنگ کے بعد ایران بھیج دیا گیا، جس کا ذکر حصہ اول میں ہو چکا ہے کہ وہاں پر صحابہ کرام کی تعداد کم تھی۔

بابان کا تذبذب

بابان عجیب و غریب تذبذب کے حالات میں تھا۔ وہ مسلمانوں کی شمالی شام سے حکمتِ عملی کے تحت پسپائی کو نہ سمجھ سکا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اگر مسلمانوں نے کوئی بھرپور جنگ لڑنا تھی تو یہ تمام نفری یا لشکر شمالی شام میں کیوں نہ اکٹھے کر دیئے۔ اُس زمانے میں تدبیرات کے تحت پسپائی کے واقعات تو عسکری ماہرین کے علم میں تھے کہ اُن کو داؤ یا چال کہا جاتا تھا۔ لیکن حکمتِ عملی کے تحت ایسی پسپائی والی بات ذرا اتنی عام نہ تھی۔ پہلے وہ اس خیال کا حامی تھا، کہ مسلمان کچھ فرار اختیار کر رہے ہیں، لیکن جب اُس کے قاصد اور سفیر مسلمانوں کے پاس آکر وہی جواب لے گئے، جو اسلامی جنگوں کی بنیاد تھی، تو وہ بہت حیران ہوا۔ اِس لئے اُس نے سوچا کہ مسلمانوں کے کسی قاصد کو بلا کر اس پر اپنی طاقت اور فوجوں کی کثرت کا رعب ڈالا جائے تو شاید مسلمان مرعوب ہو کر کوئی صلح کر لیں۔



چنانچہ اُس نے جناب ابو عبیدہؓ کو دعوت دی کہ وہ اپنے کسی سفیر کو اہل روم کے پاس صلح و صفائی کی بات چیت کے لئے بھیجیں۔ جناب ابو عبیدہؓ نے سفارت کے لئے اللہ کی تلوار کو منتخب فرمایا۔

جناب خالدؓ کی سفارت

باہن نے جناب خالدؓ پر اپنی ٹڈیٹھال نوح کی نفی کی زیادتی کے اثرات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اللہ کی تلوار پر اسی کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ وہ لڑائی فتح و شکست کے لئے تو نہیں لڑتے تھے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے لڑتے تھے اور فتح کے لئے صرف دعا مانگتے تھے کہ فتح میں عزت ہوتی ہے۔ شکست کا ان کے ہاں کوئی تصور نہ تھا۔ انہوں نے کبھی یہ لفظ استعمال نہ کئے تھے کہ اگر ہم شکست کھائے تو یہ ہو گا یا وہ ہو گا۔ وہ دشمن کی شکست کا ذکر کرتے تھے کہ اگر ہم دشمن کو شکست دے سکتے تو شاید ہمارے اللہ کو ایسا ہی منظور ہو یا دشمن کو شکست دے دی تو پھر دشمن ہمارے سامنے نہ ٹھہرے گا۔ وغیرہ۔ عملی و بدنی شکست تو ویسے بھی بے معنی ہوتی ہے۔ اگر انسان ذہنی شکست نہ کھائے تو وہ کبھی ہار نہیں مانتا۔ اور یہی اسلام کا فلسفہ حیات ہے۔

باہن نے جناب خالدؓ کے سامنے لمبی چوڑی تقریر کر دی تمام باتیں سنبھلے کے بعد جناب خالدؓ نے باہن کو کہا "سنو! ہم مسلمان صرف تین شرطیں جانتے ہیں۔ اسلام قبول کرو، یا جزیہ دو، نہیں تو فیصلہ تلوار پر چھوڑ دو۔ یہ باتیں سن کر باہن کی ساری دانائی اس کا ساتھ چھوڑ گئی۔ اب اسے کوئی شک نہ رہا تھا اور لڑائی ناگزیر تھی جناب خالدؓ نے واپس آکر جناب امین الامت کو حالات سے آگاہ کیا۔ اور جناب سپہ سالار اعظم نے اپنے لشکر کے رخ کو تھوڑا تبدیل کر کے شمال مغرب کی طرف کر دیا کہ رومیوں کے رخ، سمت اور زمین کے لحاظ سے ایسی تبدیلی کی ضرورت تھی۔

زمین کا بیان

زمین ہر جنگ میں بڑی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ لیکن اسلام سے پہلے زمین کے معاملات پر اتنی زیادہ توجہ نہ دیتے تھے۔ بلکہ یورپ میں تو پندرہویں اور سولہویں صدی تک زمین کے معاملات کو جنگ کا حصہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ لڑائیاں زیادہ تر اکھاڑوں یا کشتی کے میدان میں ہوتی تھیں۔ وجہ یہ تھی کہ جنگ بے مقصد ہوتی تھی۔ گو کچھ داؤ اور چالیں جنگ میں استعمال ہوتی تھیں۔ لیکن زمین کا استعمال، جو

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ نے عملی طور پر اپنا یا ایسا استعمال دنیا کی عسکری تاریخ میں آج سے صرف تین چار سو سال پہلے نظر آتا ہے۔ اب اسلامی لشکر میں سو سے زیادہ نو اصحاب بدر شریک تھے جنہوں نے اپنے آقا کو بدر کے مقام پر زمین کا چناؤ کرنے دیکھا۔ اسلام کی باقی جنگوں احد، خندق وغیرہ کے شرکاء بھی اس جنگ میں شامل تھے۔ اس لیے یرموک کے میدان جنگ اور چنی ہوئی زمین کے چرچہ کا استعمال مسلمان مجاہدین بہتر طور پر کر رہے تھے اور زمین کے بازوؤں اور عقب کی حفاظت کو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔

ہمارے کئی مبعوثین نے یرموک کے میدان جنگ کا وہاں جا کر گہرا مطالعہ کیا ہے۔ تمام ندی نالوں اور کناروں کی اونچائی وغیرہ کے بارے میں بڑی تفصیل میں گئے ہیں۔ یہ بڑا اچھا مطالعہ ہے۔ لیکن ہم وہ مطالعہ نقل نہیں کر رہے کہ اصول یہ ہے کہ صرف وہ زمینی نشان بیان کئے جائیں جن کی کارروائی میں ضرورت ہو۔ اس لیے قارئین ہمارے مطالعہ کو ادھر ادھر نہ سمجھیں ہمارے لحاظ سے سارے میدان جنگ میں اہم جگہ ثمین کی پہاڑی تھی اس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ یہ ساتھ والے علاقے سے تقریباً دو سو یا تین سو فٹ اونچی تھی اور دیکھ بھال یا احکام دینے کے لیے بڑی موزوں تھی۔ اکثر احکام سلاخ لشکر نے اسی مقام سے دیئے۔ ویسے جس زمین پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ وہ بھی مقابلتا رومی توجہ کے علاقے سے اونچی تھی۔

مسلمانوں کی صف بندی

مسلمانوں کی صفوں کا طول یا پھیلاؤ گیارہ میل لمبا تھا تو چالیس ہزار کی نفری کو اتنے علاقے میں اگر ایک ایک گز کے فاصلہ پر ایک جوان کھڑا کیا جائے تو کل دو صفیں بنتی تھیں۔ لیکن مسلمانوں کا طریقہ یہ تھا کہ دستوں کے درمیان میں جو پونٹیں یا رجسٹریں تھیں ان کے درمیان بھی فاصلہ رکھا جاتا تھا کہ حرکت میں آسانی ہو اور اس طرح مسلمانوں نے درمیانی جوانوں کے فاصلے اور دستوں کے فاصلوں کو بڑھانے جوئے میدان جنگ میں تین صفیں بنائیں۔ تین کا عدد حربی سائنس میں بڑا اہم رہا۔ آج بھی ایک کمپنی کی تین پلاٹونیں اور ایک پلاٹون کی تین سیکشنیں ہوتی ہیں اور عام طریقہ دفاع بھی یہ ہے کہ دو آگے اور ایک

علاء جلال مصطفیٰ ص ۵۲ سے استفادہ کریں۔



چھپے ریزو میں ہو۔ ویسے مسلمانوں کا طریقہ یہی تھا کہ تین یا پانچ صفیں بناتے تھے یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہم جب کھلے میدان میں عید کی نماز یا کوئی اور نفل نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو تین یا پانچ صفیں بنانے کو ترجیح دی جاتی ہے اور آدمی زیادہ ہوں تو صفوں کے نئے سات، نو یا کوئی بھی طاق عدد چنا جاتا ہے۔ دراصل ہماری عبادات بھی جنگ ہی کی ایک تیاری ہوتی ہیں اس لئے عبادات میں بھی جنگی اصول یاد رکھے جاتے ہیں۔ اور ہماری نمازوں کی صف بندی، میدان جنگ کی صف بندی کی نقل ہے۔ آج کل دفاع میں صف بندی کی جگہ مورچہ بندی یا دفاعی لائن نے لے لی ہے اور حملہ میں صف بندی آج بھی قائم ہے۔

ویسے میدان جنگ کے حالات کچھ اس طرح تھے کہ مسلمان بھی دشمن کے بازوؤں کے خلاف کوئی بڑی حرکت نہ کر سکتے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے جان بوجھ کر یہ طریقہ اختیار کیا جس کو رومی نہ سمجھ سکے مسلمان شروع میں دفاعی جنگ لڑنا چاہتے تھے۔ ان اٹھویں نے محدود علاقے کو پسند کیا کہ اہل روم محدود و محدود پیمانے پر سرسکیں گے۔ مسلمانوں نے اپنے دفاع کو تمام تر اپنی اندرونی قوت پر استوار کیا جس کو موجودہ زمانے میں اندرونی خطوط یا اندرونی ذرائع (INTERIOR LINES) کہتے ہیں۔ ان کی ساری طاقت ایک مٹھی میں تھی اور ان کی تجویز یہ تھی کہ اندرونی طاقت کے زور سے وہ دشمن کے حلوں کا مقابلہ کریں گے اور جب دشمن ٹھک کر چور ہو جائے گا تو پھر مسلمان کسی بازو سے حملہ کریں گے۔ بازو سے حملہ کی گنجائش دائیں طرف موجود تھی کہ لاوا والی پہاڑی کی ڈھلان کو محدود حد تک کسی حرکت یا پھیلانے کے لئے استعمال کیا جاسکتا تھا اور مسلمان بسم اللہ کسی محدود کارروائی سے کر کے اس کو دست دے دیتے تھے۔ یہ ان کا طرز جنگ تھا تو ظاہر ہے کہ مسلمان میدان جنگ کی یہ تمام باتیں ذہن میں رکھے ہوتے تھے۔

اسلام کے چیدہ چیدہ اُمراء

پہر سالار اعظم جناب ابو عبیدہؓ خود تھے اور جناب خالدؓ ان کے نائب بھی تھے اور متحرک دستوں کے کمانڈر بھی۔ دوسرا والوں کو شکروں میں بھی بانٹا ہوا تھا کہ کل لشکر کی نفی چالیس ہزار کے قریب تھی جس میں دس ہزار رسلے کے مجاہد تھے۔ متحرک دستوں میں جناب خالدؓ کے ماتحت ہزار بنی اذور، میسرہ بن مسروق اور عامر بن طفیل تھے۔ جناب ابو عبیدہؓ کے دائیں بازو پر جناب شریہل تھے اور ان کے دائیں پر جناب عمرو بن عاص جناب ابو عبیدہؓ کے لشکر کا ستون جناب عکر بن ابو جہل تھے اور ان کے بائیں جناب یزید بن ابوسفیان تھے۔

یہ لشکر آگے چھتیس یا چالیس حصوں میں بانٹے گئے تھے جن کے امراء کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

۱ رومیوں کی صف بندی

اہل روم کو اپنی اٹھارہ میل کی لمبی صف بندی کو کم کر کے گیارہ میل کرنا پڑا۔ اس میں ان کو ایک لحاظ سے فائدہ تھا کہ ان کی صفوں کی گہرائی بڑھ گئی اور مسلمانوں کی تین صفوں کے مقابلہ میں اہل روم کی دس یا بارہ صفیں تھیں۔ کچھ مبصرین نے صفوں کی تعداد کو تیس کے قریب ہی بتایا ہے۔ رومی اپنے آپ کو باندھ کر یا اکٹھے ہو کر لڑتے تھے۔ اس لئے ایک جوان سے دوسرے جوان کا فاصلہ ایک گز سے بھی کم ہوتا تھا پھر وہ دستوں کے درمیان بھی فاصلہ رکھتے تھے۔ اہل روم مسلمانوں سے چار گز کے قریب تھے۔ اس لئے اگر وہ مسلمانوں کی طرح صف بندی کرتے تو ان کی بارہ صفیں بنتیں۔ اس میں فائدہ کی بجائے نقصان ہوتا ہے کہ ایک وقت میں صرف ایک یا دو صفیں لڑائی لڑ سکتی ہیں۔ اور ان کی صف بندی بھی نقشہ ششتم پر موجود ہے۔ بائیں اپنے آئینہ کے لشکر کے درمیان میں تھا۔ اس کے بائیں تناطیر کا لشکر تھا۔ اور بائیں کے دائیں درجہ تھا اور درجہ ان کے دائیں گریگوری۔ گریگوری کے چالیس یا پچاس ہزار کے لشکر میں سے تیس ہزار نے اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ رکھا تھا۔ لیکن ایرانیوں کے مقابلے میں رومیوں کا اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھنا زیادہ "چمک دار" ہوتا تھا۔ جب کہ عرب دستے جیش المقدم یا "پردہ" کا کام کرنے کے لئے چاروں لشکروں میں بانٹ دیئے گئے تھے۔ ۱۰ رسالہ کو بھی لشکروں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ رومیوں کا محاذ جابریہ گاؤں سے لے کر دریلئے یہ موک تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کے بازوؤں کی حفاظت بھی نذرینی رکاوٹ کے ذریعے سے ہو رہی تھی۔ ان کے عقب میں دریا تھا اور پیچھے وادی رقاہ تھی اور اہم مقام پل بنت یعقوب تھا۔

صف بندی اور مسلمان امراء

صف بندی کے بعد تمام مسلمان امراء اپنی صفوں کے سامنے چکر بھی لگانے تھے اور سورۃ انفال کی آیات کی تلاوت بھی کرتے تھے۔ اور خطاب بھی فرماتے تھے۔ سورہ انفال کو اس زلمے میں اہل لشکر سورۃ جہاد کا نام آدیئے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ سورۃ توبہ کی آیات پڑھی جاتی تھیں۔ اور خاص کر ان چیزوں کا ذکر ہوتا تھا جس میں مسلمان کی زندگی کا مقصد بھی اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اور اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کا نفاذ

ہے حضور پاک کی مثال اور آپ کی جنگوں میں شرکت کے واقعات کو دہرایا جاتا تھا۔ حضور پاک کے صحابہ کرام ذاتی شہادت بیان کرتے تھے اور حضور پاک کی حدیث مبارکہ کا بیان ہوتا تھا۔ جنگ کے سلسلے میں حضور پاک کی زیادہ تر احادیث جنگ کے شرکاء نے ہی آگے پہنچائیں۔ میدان جنگ میں اللہ اور اللہ کے رسول کے نام کو اس طرح بلند کیا جاتا تھا کہ مجاہدین اللہ اور رسول کے نام پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جلتے تھے اور ان کو یہ خیال ہی نہ رہتا تھا کہ دشمن کتنا اور کہاں ہے۔

جناب ابو ہریرہؓ کی روایت

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جناب ابو ہریرہؓ بھی ایک دستے کے کمانڈر تھے۔ جب اہل روم مسلمانوں کے سامنے صف بند ہونے لگے تو جناب ابو ہریرہؓ نے ایڑیاں اٹھا کر دشمن کی طرف غور سے دیکھا۔ کھلی صفوں میں ایک مجاہد تھا جو جناب ابو ہریرہؓ کو نہ جانتا تھا۔ وہ پکارا اٹھا "مجاہدو! یہ تمہارے سامنے کون ہے جو دشمن کو اس طرح ایڑیاں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا ہے۔ یہ کوئی نو مسلم معلوم ہوتا ہے۔ اس کو سمجھاؤ کہ مسلمان یہ پروا نہیں کرتا کہ اس کے سامنے کتنا دشمن ہے وہ صف بندی کے بعد صرف اللہ اور شہادت کی سوچتا ہے۔" جناب ابو ہریرہؓ کے دستے سے کسی نے اس مجاہد کو بتایا کہ یہ جناب ابو ہریرہؓ ہیں ان کو دشمن کے بارے میں تو کوئی پروا نہیں۔ ویسے دیکھ بھال کر رہے ہیں۔

اسی طرح جناب خالدؓ ایک جنگ سے گزر رہے تھے کہ ایک نوجوان مجاہد نے عرض کی۔ "اے سالار دشمن کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔" جناب خالدؓ نے فرمایا: "عزیزین! فوج کی طانت نفری میں نہیں ہوتی۔ بلکہ مسلمان اللہ کی امداد پر بھروسہ کرتے ہیں۔"

تبصرہ

یہ تھی دنیا کی ایک عظیم ترین اور فیصلہ کن جنگ کی تیاری، جس سے عسکری پہلو کو بڑھ کر نہ صرف ایمان کا زور ہوتا ہے بلکہ ذہن کو ایسی حربی مشق ملتی ہے کہ آدمی کے سامنے دنیا کی مافی حوائی حکمت عملیوں اور تدبیرات کی کتابیں کھل جاتی ہیں کچھ مبصرین نے اس ساری جنگ کی تیاری کے سلسلہ میں جناب ابو عبیدہؓ کی بجائے تمام تر کارروائی کا موجد جناب خالدؓ کو بنا دیا۔ بہت افسوسناک پہلو ہے اور ایسے لوگ جناب ابو عبیدہؓ

کی شان کو نہیں سمجھتے۔ اب ذرا ایران کے محاذ پر جنگ قادسیہ کا ذکر پڑھیں کہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جناب سعد بن ابی وقاص کو کتنے خطوط لکھے۔ حالانکہ جناب سعد رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ سے ہیں اور حق کے راستہ پر سب سے پہلا تیر چلانے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہے لیکن پھر بھی جناب فاروق رضی اللہ عنہ وقت باخبر رہنا چاہتے تھے۔ لیکن یہاں پر جناب ابو عبیدہؓ نے صرف ایک خط لکھا اور جناب عبداللہ بن مسعود کو مدینہ شریف بھیجا جنہوں نے حضرت عمرؓ کو حالات سے آگاہ کیا۔ اور جناب عمرؓ نے پوری تجویز کی منظوری دی اور باقی معاملات جناب امین الامتؓ پر چھوڑ دیئے۔

اس سلسلہ میں جناب عمرؓ کا وہ خط جو آپ نے جناب ابو عبیدہؓ کو لکھا وہ بڑا پر معنی ہے۔ کہ آپ نے لکھا کہ: اللہ تعالیٰ نے میرا معاملہ تمہارے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ علاوہ حضور پاکؐ کے زمانے میں جناب فاروقؓ ایک جنگ میں جناب ابو عبیدہؓ کے ماتحت بھی کام کر چکے تھے۔ اور کتاب اول میں یہ ذکر بھی ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ حضور پاکؐ کی وفات کے بعد خلافت کے لئے جناب ابو عبیدہؓ موزوں ترین ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں عظیم رفقا برسوں کافی حد تک ہم نفس تھے۔ ہم اس کی مزید وضاحت دسویں باب میں کریں گے جہاں فتح بیت المقدس کے وقت جناب ابو عبیدہؓ نے جناب فاروقؓ کی دعوت کی، کہ دنیا میں وہ اپنے قسم کی ایک عجب و دعوت تھی۔

اب جو لوگ جناب خالدؓ کو ہی سب کامیابیوں کا بانی سمجھتے ہیں۔ شاید وہ ان باتوں سے ناواقف ہیں۔ یا ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ صف بندی کچھ اس قسم کی تھی کہ جناب خالدؓ متحرک دستوں کے کمانڈر تھے۔ اور وہ نائب سالار اعظم ہونے کی وجہ سے جناب ابو عبیدہؓ کے نزدیک رہتے تھے اور سپہ سالار اعظم نے ان کو خوب استعمال کیا۔ کہ مسلمانوں کی تجویز یہ تھی کہ شروع میں تمام تر کارروائی دفاع تک محدود رکھیں۔ اس لئے ہر لشکر نے رسالے کو اپنی پچھلی طرف متعین کیا۔ اور جناب خالدؓ کے متحرک دستے پورے لشکر کے پیچھے تھے۔ سپہ سالار اعظم نے حدود مقرر کر دی تھیں کہ دشمن کی پیش قدمی کو دماں سے آگے نہ جانے دیا جائے گا۔ یعنی کاؤنٹر پینشن لائن مقرر کر دی گئی تھی۔ اور دشمن کے دماں پہنچنے پر ضرورت کے مطابق جوابی حملہ ہوتا تھا، جس کے لئے ہتھیار جناب خالدؓ کے ذریعہ سے دی جاتی تھیں کہ خود جناب ابو عبیدہؓ لشکر کے درمیان میں موجود تھے۔

جنگ یرموک کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہاں پر بھی دفاع سے حملہ کو اس طرح پیدا کیا گیا جیسے حضور پاکؐ نے بدر کے مقام پر کیا تھا۔ اور اگر ہم ہر جنگ حضور پاکؐ کی کسی سنت کی پیروی کے طور پر لیں

توفیح ہمارے قدم چڑھے گی۔ لیکن افسوس کہ ہم حضور پاک کی جنگ کی سنتوں کو بھولتے جاتے ہیں۔

نتائج و اسباق

۱۔ جنگ قادسیہ کی طرح جنگ یرموک کی تیاری کرانگ باب میں بیان کرنے میں ایک خاص مقصد تھا کہ ہم پر یہ پہلو واضح ہو جائے کہ جنگ لڑنے سے پہلے جنگ کی تیاری کی کتنی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح جہاد کا اعلان کرنے سے پہلے جہاد کی تیاری کی ضرورت ہوتی ہے کہ جہاد ایک طرز زندگی ہے جب تک وہ طرز زندگی اختیار نہ کیا جائے تو جہاد کا اعلان یا جہاد بالسیف کا تصور ایک لا حاصل مشق ہے۔ ہمارے جو دانشور مسلمانوں کی کسی جگہ تکالیف کی بات سن کر جہاد کے اعلان اور جہاد کی ضرورت پر اخباروں کے صفحے بھردیتے ہیں وہ اسلام کے فلسفہ حیات سے بے خبر ہیں۔ وہ جہاد کے بے جان فلسفہ کے قائل ہیں جہاد کی تیاری کے لئے محنت کی ضرورت ہے اور پوری قوم کو اللہ کی فرج بنایا جاتا ہے۔

۲۔ یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار

جو فلسفہ لکھا نہ گیا خونِ جگر سے (اقبال)

۲۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ جناب ابو عبیدہؓ بن جراح کی عظمت کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ اسلام کے یہ مایہ ناز فرزند اتنے ارفع و اعلیٰ مقامات پر فائز تھے کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

۳۔ جناب ابو عبیدہؓ کو جنگ کے نتائج کے بارے میں ذرا بھر بھی شک نہ تھا اور نہ امیر المؤمنین جناب فاروق اعظمؓ کو کوئی شک تھا۔ آپ نے جنگ قادسیہ کے وقت جناب سعد بن ابی وقاصؓ کو متذکرہ باتیں دیں۔ لیکن ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار اعظم بناتے وقت جو ہدایات ایک بار دیں وہی سب کچھ تھیں جناب ابو عبیدہؓ کا ایک مقام تھا جس کو جناب فاروق اعظمؓ سمجھتے تھے اور انہوں نے آپ کو لکھ دیا تھا کہ خدا نے تمہارا معاملہ میرے ہاتھ اور میرا معاملہ تمہارے ہاتھ میں دے دیا ہے۔

ہم صرف یہ پہلو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جناب ابو عبیدہؓ اور جناب فاروق اعظمؓ میں ایک وحدتِ فکر پیدا ہو چکی تھی۔ یعنی جناب عمر فاروقؓ کو ایسے معلوم ہو گیا تھا جیسے جناب ابو عبیدہؓ کے شام کے محاذ پر ہوتے ہوئے وہ خود دہاں پر موجود ہیں۔ اور جناب ابو عبیدہؓ سمجھتے تھے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں خلیفہؓ وقت بھی دہاں ہوتے تو وہ اسی طرح کرتے۔ اب جناب ابو عبیدہؓ اور جناب فاروقؓ کے اس روحانی رشتہ کو دنیاوی پیمانوں

سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ لیکن سبق یہ ہے کہ مومن، مومن کا آئینہ ہے۔ اور ہمیں بھی ایک دوسرے کے ساتھ ایسے تعلقات پیدا کرنے چاہئیں۔

۵۔ جنگ میں بڑا مقصد دشمن کی فوج کو اس طرح تہس تہس کرنا ہوتا ہے کہ دشمن میں لڑنے کی سکت باقی نہ رہے۔ ایسا کس مقام پر کیا جائے اور کیسے کیا جائے۔ اس چیز کو فوجی حکمتِ عملی کہتے ہیں۔ اور اس حکمتِ عملی کو صحیح کارروائی میں تبدیل کرنے کو تدبیرات کہتے ہیں۔ پھر تدبیرات کا صحیح استعمال صرف فن یا ہنر سے کیا جاسکتا ہے جس کو فوجی زبان میں فن سپہ گری کہتے ہیں۔ آج یرموک کے میدان میں اللہ اور رسول کے نام پر قربان ہونے والے، دشمن کو اپنی مرضی کے میدان میں لے آئے تھے اور یہ ان کی حکمتِ عملی کی کامیابی تھی۔ اور اب تدبیرات کی باری تھی کہ دشمن کو فن سپہ گری کے صحیح استعمال سے تہس تہس کر دیا جائے۔ کیا رومی امرا یا رومی فوج یہ خیال کر سکتی تھی کہ اتنی کم نفری اس میدانِ جنگ میں ان کو ایسا تہس تہس کر دے گی؟ اور ان کے قیصر کو شام کی سرزمین کو الوداعی سلام کرنا پڑے گا۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے یہ سب کچھ کر کے دکھایا کہ جنگ یرموک اسلامی جلال کی ایک جھلک بھی ہے۔

۶۔ نہ ہو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر نر انفس ہے اگر نغمہ ہونہ آتشناک۔ (اقبال)

۶۔ اہلِ روم کو یہ دمِ دگمان بھی نہ تھا۔ کہ اگر وہ دشمن کو جال میں نہ پھنسا کے تو یرموک کے میدان میں ان کو اس طرح تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔

۷۔ اب جنرل فلر سے کون پوچھے کہ جنگِ اجنادین سے دو سال بعد مسلمانوں کا پانچ سو کا لشکر پچیس ہزار کیسے بن گیا۔ جھوٹ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے کہ اہلِ مغرب نہ صرف اسلام کو اپنے بوردے پیمانوں سے ناپتے ہیں، بلکہ اپنے لوگوں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں، بہر حال ہمارا فرض یہ ہے کہ اپنوں کے بارے جو کچھ غیروں کا لکھا ہوا پڑھیں تو اُس سلسلہ میں اپنوں کا لکھا ہوا پڑھیں اور راقم نے اسی وجہ سے فلرا اور گلب کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

۸۔ بوردے ہر قتل کی حکمتِ عملی یا تجویز میں کوئی کمی نہ تھی اور آگے واقعات سے ظاہر ہو گا کہ رومی فوج بڑی بہادری سے لڑی، لیکن پھر بھی وہ شکست کھا گئی تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا تدبیر، فن، ہنر، بہادری، حربی خوبیاں اور ہر چیز رومیوں سے بہتر تھی تو تب ایسا ہوا اور اصلی بات تو فلسفہٴ حیات کی ہوتی ہے۔ جب ہم اپنے فلسفہٴ حیات پر یقین کر کے اس پر عمل بھی کریں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں شکست نہیں دے سکتی۔



۹۔ مسلمان اللہ کی فوج ہیں۔ بوڑھے، عورتیں، بچے سب میدانِ جنگ میں موجود تھے۔ جناب ابوالحسنؑ کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی۔ جناب زبیرؓ عوام کی عمر بھی کافی تھی۔ سب جنگ میں شریک تھے اور بزرگ صحابہ مجاہدین کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ لشکر کے دستوں کے امرا میں جناب عمرو بن عاص بھی جناب فاروق اعظمؓ سے عمر میں بڑے تھے اور یہی حال جناب شرجیل بن حسنہ کا تھا، لیکن عالم صحابہ کرام کے صاحبزادے عاشق فقیر، جنگجو، مزدور، کاشتکار، تاجر یعنی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہ تھا جس سے تعلق رکھنے والے لوگ جنگ میں شریک نہ ہو رہے ہوں لیکن آج ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم میں سے کچھ تو قلمی جہاد کرتے ہیں۔ کچھ زبانی جہاد اور کچھ تالیان بجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی فوج پال رکھی ہے اور اسی کا کام ہے کہ وہی ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار رہے۔ اور کہیں دشمن کی بمباری سے سولین لوگ مرجائیں تو اخباروں میں خبر آتی ہے کہ بے گناہ سولین بھی مارے گئے۔ یعنی گناہ صرف فوجی ہیں یہ قوم کی بدقسمتی ہے۔ وہاں تو میدانِ جنگ میں عورتیں اور بچے، مجاہدین کے ساتھ شانہ بشانہ لڑنے کو تیار تھے۔ اور ہم صرف تالیان بجاتے ہیں۔

۱۰۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کل کے زمانے کے مہلک ہتھیاروں کے ہوتے ہوئے کیا یہ ممکن ہے کہ اب بھی مجاہدین اسلام پرانے زمانے کی طرح کامیاب ہو سکیں گے؟ ہمارا ایمان ہے کہ بے شک ایسا ہو سکتا ہے انسان اشرف المخلوقات ہے اور یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے اسی کے لئے پیدا کی ہے اور انسان ہی کائنات کا مرکز ہے اگر مسلمان اپنا ایمان و عقیدہ صحیح کر لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا کے تمام علوم ان کے سامنے آکر ہاتھ باندھ کر نہ کھڑے ہو جائیں اس میں سائنس اور ٹیکنالوجی بھی شامل ہیں اور اگر وہ غیرت پیدا کر لیں اور اس غیرت کے ساتھ اپنے عقیدہ کی حفاظت شروع کر دیں تو دنیا کی کوئی طاقت ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی بلکہ ہمیں تو نظر آتا ہے کہ دنیا باطل فلسفوں سے تنگ آچکی ہے اور اب پھر حق کی باری ہے :-

۱۱۔ اُنھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آواز ہے۔ (اقبال)

نواں باب

جنگ یرموک

پندرہویں ہجری میں رجب کا مہینہ تھا اور ادھر ۶۳۶ عیسوی کا ماہ اگست تھا۔ تاریخ کیا تھی اور دن کونسا تھا، اس سلسلے میں مورخین خاموش ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یرموک کی پہلی جنگ تیرہ ہجری میں رجب کے مہینہ میں ہوئی۔ اور دوسری بھی رجب ہی کے مہینے میں دو سال بعد ہوئی اور اُس وقت تک ہجری سن کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔ یہ کام ربیع الاول سولہ ہجری میں ہوا۔ تو راویوں نے معاملات کو آپس میں کچھ ملا دیا ہے۔ جہاں سال نہ لکھے جائیں تو عرب میں ویسے بھی مشہور ہے کہ سالوں کو اونٹ اور بکری کی کہانی کی طرح یاد کیا جاتا تھا۔ کہ کونسا سال تھا۔ کہ بارشیں اچھی ہوئیں اور بکری اور اونٹ کے لئے مفید سال تھا وغیرہ۔ حالانکہ یرموک کی پہلی جنگ کافی مختصر تھی اُس میں رومیوں کے کچھ نئے دستے شمالی شام سے آئے تھے اور کچھ اجنادین کے بھگڑوں میں سے تھے۔ لیکن مورخ حضرات حالات کو سنبھالنا نہ دے سکے۔ اس لئے جب سن ہجری کا تعین ہو بھی گیا تو کچھ الجھن باقی رہ گئی کہ کونسا سال لکھیں۔

بہر حال ہم حالات کو تسلسل سے بیان کرتے آئے ہیں اور اکثر مورخین نے یرموک کی جنگ کی تاریخ رجب پندرہ ہجری ہی لکھی، تو واقعات بھی اس کے ثبوت میں جاتے ہیں۔ اور رجب کی کئی درمیانی تاریخ کو اس میدان جنگ میں اہل حق صاف بند ہوئے جس کو علامہ اقبالؒ اپنی ایک نظم میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

— صفا بستہ تھے عرب کے جوانان تیغ بند

تھی منتظر حسنا کی عروس زمین شام —

رومیوں کی مجبوری

اہل روم اب تنگ آچکے تھے اور وہ حملہ کے لئے مجبور ہو گئے۔ انہوں نے اپنے انتظار کی گھڑیاں ختم کر کے پہلی کاری کی کوشش کی وہ گرمی کے موسم سے تنگ تھے۔ اگست کا مہینہ تھا اور ابھی دو ماہ اور گرمی کا موسم تھا۔ پھر تقریباً دو لاکھ فوج کی کفالت و بجالی کا کام مشکلات پیدا کر رہا تھا۔ اسلامی لشکر صاف بند تھا۔



رومیوں نے سمجھا، کہ اجنادین کی طرح مسلمان یہاں پر بھی حملہ آور ہوں گے یا کوئی اور ترکیب کریں گے۔ جب مسلمان نے ظاہراً بالکل انفعالی صورت دکھائی تو رومیوں نے مجبوراً حملہ کر ہی دیا۔ یہ تو ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ مسلمان خاموش اور ساکن تھے اور یہ سب تجویز کے تحت تھا۔ رومیوں کو حملہ سے کوئی پہل کار ہی حاصل نہ ہوئی۔ گو ظاہراً یہ پہل کار ہی ضرور ہے کہ میدان جنگ میں پہلا وار رومی کر رہے تھے اور مسلمان دفاع کر رہے تھے۔ دفاع کرنا بھی آسان نہیں۔ اور اس زمانے میں کھڑے ہو کر وار سہنے پڑتے تھے۔ تیروں کو ڈھانوں سے روکا جاتا تھا۔ اور جب نزدیک ہوتے تھے تو پھر مسلمان اپنی پھرتی دکھا کر نیزے اور تلوار استعمال کرتے تھے بہر حال لڑائی کا یہ اصول ضرور یاد رکھا جائے، کہ مجبوری کی پہل کار ہی زیادہ ثمرات کی حامل نہیں ہوتی۔ اور رومیوں کو پہل کار پر مجبور کر دیا گیا۔

پہلادان

رجب کی کسی تاریخ کو مسلمان جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ رومی لشکر ان کے سامنے کافی نزدیک پہنچ گیا ہے۔ اور درمیانی فاصلہ جو کئی میل تھا وہ ایک میل سے بھی کم رہ گیا ہے۔ آگے والی مسلمان چوکیاں پہلے سے رومیوں کی حرکت کے بارے میں خبر دے چکی تھیں۔ اور سورج چڑھنے کے بعد تو رومی فوج کے جھنڈے کی جھنڈے نظر آ رہے تھے جن میں سے اکثر پر عیب کے نشانات تھے۔ لیکن کچھ قبائل اور لشکر کے مختلف دستوں کے جھنڈے بھی تھے۔

حجرت کا قبول اسلام

تسوزی دیر کے بعد رومی فوج سے ایک جرنیل آگے نکلا۔ مسلمان مجاہدین نے اندازہ لگایا کہ یہ رومی مبارزت طلب کرے گا۔ اب مسلمان مجاہد تیار ہو رہے تھے کہ سب سے پہلے اسلام فوج سے آگے نکلے گی سعاد کس کو نصیب ہوتی ہے۔ کئی پہلوان اڑیاں اٹھا رہے تھے اور کئی مجاہد اپنے سالاروں کی طرف دیکھ رہے تھے کہ ان کے سالاران کی طرف متوجہ ہوں اور اجازت دیں کہ وہ آگے نکلیں۔ رومی جرنیل جرجہ گھوڑے پر سوار

عاشق پید نام جارج ہو۔

تھا۔ اور وہ میدان جنگ کے درمیان میں آکر رک گیا۔ جرحہ کسی لشکر کے بڑے حصہ کا کمانڈر نہ تھا۔ البتہ وہ دستے کا کمانڈر تھا اور مشہور آدمی تھا۔ اپنی فوج والوں کو یارومی سپہ سالار کو کیا کہہ کر آگے نکلا، اس سلسلہ میں مورخین خاموش ہیں۔ شاید ان کو بتایا ہو کہ مبارزت کے لئے جبار لمبے ریا کوئی آخری بات چیت کرنا چاہتا ہو۔ کیونکہ جرحہ عربی زبان سے بھی واقف تھا۔

میدان جنگ کے درمیان میں آکر اس نے جناب خالدؓ کو پکارا۔ مسلمان خوش ہو گئے کہ چلو بسم اللہ اللہ کی تلوار سے ہر گئی اور جناب خالدؓ جلدی ہی جرحہ کا کام تمام کر دیں گے۔ جناب خالدؓ آگے بڑھے لیکن جیسے ہی جرحہ کے نزدیک پہنچے تو جرحہ نے عربی زبان میں بڑی فصاحت سے عرض کی کہ اے سالار میں لڑائی لڑنے نہیں آیا ہوں۔ میں تو چند سوالات کے جوابات دریافت کرنے کے لئے آیا ہوں۔

جناب خالدؓ نے فرمایا۔ ”غزور پوچھو۔“

جرحہ کہنے لگا۔ ”اے سالار بلندی اور عظمت والے لوگ ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ میرے سامنے غلط بیانی نہ کریں گے۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے کوئی تلوار بھیجی جو آپ کے پیغمبر نے آپ کو عطا کر دی اور جب آپ اس تلوار کو سونت لیتے ہیں تو کوئی طاقت آپ کو شکست نہیں دے سکتی؟“

جناب خالدؓ نے ”ہائیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

جرحہ۔ ”پھر آپ کو اللہ کی تلوار کے نام سے کیوں موم کیا جاتا ہے؟“

جناب خالدؓ نے اے سوال کرنے والے سنو! میں اکیلا اللہ کی تلوار نہیں ہوں۔ مسلمانوں میں میرے رتبہ سے بڑھ کر کئی لوگ ہیں۔ کئی اللہ کے شیر ہیں۔ کوئی حدیثی ہے کوئی فاروق ہے اور کوئی امین ہے۔ اور یہ سب کچھ رہتی دنیا تک ہوتا رہے گا۔ اللہ کے مجاہد پیدا ہوتے رہیں گے اور اس وقت بھی بے حساب مجاہد اللہ کی تلوار ہیں۔ میری خوش قسمتی یہ ہے کہ جنگ موتہ میں جب میں نے مسلمانوں کا علم سنبالا، تو ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے فرمایا کہ اب اللہ کی تلوار نے مسلمانوں کا علم سنبال لیا۔ اس کے بعد میرا لقب اللہ کی تلوار مشہور ہو گیا۔“

”پھر اے سوال کرنے والے ایک اور بات بھی یاد رکھنا۔ کہ ہمارے آقاؐ جو کچھ فرمادیتے تھے وہ

ہو جاتا تھا۔“

نگاہِ عشقِ دوستی میں وہی اول وہی آخر وہی قرآن، وہی فرقان، وہی یسین وہی طہ (اقبال) جرحہ نے عرض کی۔ اے خالدؓ! آپ مجھے کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟

جناب خالدؓ نے فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ دل و یقین سے پڑھو اور جو کچھ ہمارے آئنانے فرمایا اس پر ایمان لے آؤ۔

جرحہؓ "اگر میں ایسا ذکر کروں تو؟"

جناب خالدؓ "جزیرہ در۔"

جرحہؓ "اگر ایسا بھی نہ کروں؟"

جناب خالدؓ "تو پھر تلوار فیصلہ کرے گی!"

جرحہ نے کچھ سوچنا شروع کر دیا اور پھر کہا کہ اگر میں اب آپ کے دین میں شامل ہونا ہوں، تو اس کا رتبہ کیسے مقرر کیا جاتا ہے۔ یعنی تزیینات کیا ہوں گی؟

جناب خالدؓ "ہمارے ہاں رتبہ میں سب برابر ہیں۔"

اس پر جرحہ پکارا اٹھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اور دونوں جرنیل اسلامی لشکر کی طرف منہ چل پڑے جرحہ اسلامی لشکر میں داخل ہوتے وقت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ رہا تھا۔ اور مسلمان مجاہدین مرحبا مرحبا کے پیارے الفاظ سے جناب جرحہؓ کو خوش آمدید کہہ رہے تھے جناب جرحہؓ اسلام لانے کے بعد اسی جنگ میں شہید ہوئے ماوراء النہر ہم جناب جرحہؓ پر سلام بھیجتے ہیں کہ ہماری تاریخ میں ان کا نام سنہری الفاظ میں لکھا ہوا ہے کتاب اول کا ہمارا وعدہ بھی پورا ہو گیا کہ خود جناب خالدؓ کی زبان کے ذریعے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ اکیلے اللہ کی تلوار نہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

مبارزت میں

حالات کو سہارا دینے کے لئے رومی جرنیل نے رومی پہلوؤں کو گویا کہ وہ آگے بڑھ کر مبارزت میں طلب کریں اور مسلمانوں کو مبارزتوں میں نچا دکھا کر حالات کا پانسہ تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ مبارزت کا دور شروع ہوا۔ لیکن صرف درمیان والے حصے سے چبیدہ چبیدہ رومی پہلوان نیکلے نور خین فرہین کے ناموں کے سلسلے میں خاموش ہیں۔ صرف یہی لکھتے ہیں کہ جو رومی آیا مارا گیا اور عرف جناب عبد الرحمن بن ابوبکر نے تنہا

پانچ رومیوں کو داخل جہنم کیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر باہان کی انسانی قوتوں اور حوصلے کو بڑا دھچکا لگا۔ وہ حیران تھا کہ
ہر پہلو سے اس کو نچا دیکھنا پڑ رہا ہے اس نے لشکر کے باقی حصوں یعنی بازوؤں سے بھی پہلوان نکالے لیکن ان
کا حشر اور بھی بدتر رہا۔

رومیوں کا حملہ

دو پہر تک کا وقت تو مبارزتوں میں گزر گیا۔ لیکن سورج کے ڈھلنے کے ساتھ باہان نے رومیوں کو آگے
بڑھ کر حملے کا حکم دے دیا۔ لیکن وہ پہر تک پہر تک کر قدم رکھ رہا تھا۔ اس نے صرف آدھی صفوں کو حملہ کا حکم
دیا جو پانچ یا چھ صفیں ہو سکتی ہیں۔ ہم پہلے تجزیہ کر آئے ہیں کہ رومیوں کی صفیں دس یا بارہ سے زیادہ نہ تھیں اور
جن بمسخرین نے رومیوں کی صفیں تیس کے قریب لکھی ہیں وہ صحیح نہیں۔ بہر حال باہان یہ نہیں چاہتا تھا کہ پورے
لشکر کو حملے کا حکم دے کہ وہ ایک قدم زمین پر قائم رکھنا چاہتا تھا کہ کیا معلوم آگے سے مسلمانوں کا کیا طریقہ ہو۔
اس کی پانچ یا چھ صفوں کی طاقت بھی مسلمانوں کی نفی یا تین صفوں سے دگن تھی اور حملہ سارے محاذ پر تھا۔ باہان یہ
بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی قوت اور طاقت کتنی ہے اور وہ کیسے مقابلہ کریں گے۔ باہان کے اس حملہ کو آج کل کی
زبان میں پروینگ (Prowling) حملہ کہتے ہیں۔ یعنی طاقت کے استعمال سے دشمن کی طاقت کا اندازہ لگانا کہ
دشمن کتنے پانی میں ہے۔

حملہ بڑا زور دار تھا۔ لیکن رومی فوج میں کافی نفی ایسے نوجوانوں کی تھی جنہوں نے پہلے جنگ میں حصہ
نہ لیا تھا۔ اجنادین فحل اور شمالی شام کے علاقوں میں اور پچھلے دو سال کی جنگوں میں اہل روم کافی زیادہ تجربہ کار
جنگجو لوگوں کو مروا۔ میٹھے تھے اور اب نئی پود آگے آئی تھی۔ مسلمان مجاہدین سب جنگجو تھے اور کئی جنگوں میں حصہ
لے چکے تھے۔ پہلے تو مسلمانوں نے رومی حملہ آوروں پر تیروں کی ایسی بوچھاڑ کی کہ ان کے منہ پھیر کر رکھ دیئے۔
اور مسلمانوں کا طریقہ یہ تھا کہ تیر دیکھ کر اپنے امیر کے حکم پر ایک وقت میں کسی مقررہ ہدف پر پھینکے جاتے تھے۔
یہ تیر جیسے ہی رومیوں کے کسی ایک دستہ کے کسی حصہ پر گرتے تو رومی فوج کا وہ حصہ ناکارہ ہو جاتا اور صفوں
میں شگاف پڑ جاتا۔ اور رومیوں کی صفوں میں بے ترتیبی آجاتی۔

بہر حال رومی فوج کے کچھ حصے مسلمانوں کے نزدیک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ مسلمان مجاہدین نے نیرے
اور تلواریں اٹھا لیں اور دشمنوں کو موبی کا جبر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ اب مناسب تو یہ تھا کہ باہان ان صفوں کو

آگے بڑھانا، جو پیچھے ریزرو میں رہ گئی تھیں۔ لیکن باہان کو ایسا کرنے کی ہمت نہ ہوئی یا دوسرے دن کے بھرپور حملہ کی سوج کے تحت رومیوں نے اپنے حملہ آور دستوں کو کوئی کمک نہ بھیجی۔ اور جو مسلمانوں کے ہاتھ چڑھ گئے وہ بچ کر نہ جاسکے۔ لڑائی شدید و محمور تھی اور کچھ مسلمان مجاہدین نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ لیکن رومیوں کے مرنے والوں کی تعداد کو دیکھ کر مسلمانوں کو اپنی اس کامیابی پر بڑی خوشی ہوئی، اور ان کو اپنے آپ پر اللہ کے فضل سے اور بھروسہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے رومیوں کی طاقت کا اندازہ لگایا کہ ان کے زور دار حملے کہاں تک پہنچ سکیں گے۔ سورج غروب ہونے کے ساتھ ساتھ، طرفین اپنی صفوں میں واپس جانے کے لئے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ آئے۔ مسلمانوں میں زخم نوکئی مجاہدین نے کھائے۔ لیکن ایسے زخمی بھی تھے جو پٹیاں باندھنے کے بعد دوسرے دن کی لڑائی میں دشمن پر ضرب کاری لگانے کو تیار تھے۔

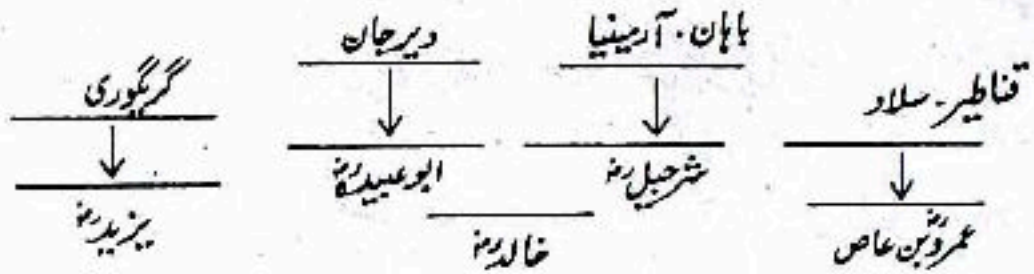
دوسرا دن (لقنتہ، معتم)

رات آرام کے کئی گویا باہان کی امیدیں برز آئیں۔ رومیوں کا اتنا زیادہ جانی نقصان دیکھ کر وہ سخت پریشان تھا اور اس کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ ہر روز اگر حالات ایسے ہی رہے تو چند دنوں کے بعد معنامہ ختم ہو جائے گا۔ اس لئے پہلے دن شام کو جب لڑائی ختم ہوئی تو باہان نے تمام امرا کو صلاح و مشورہ کے لئے طلب کیا۔ اور دوسرے دن کی لڑائی کے لئے جو تجویز اس نے بنائی اس سے ان کو آگاہ کیا۔ تجویز یہ تھی کہ دونوں درمیان والے لشکر، مسلمانوں کے درمیان والے لشکروں پر حملہ ضرور کریں گے۔ اور یہ ظاہر کیا جیتے گا کہ پورے محاذ پر شدت سے حملہ ہو رہا ہے۔ لیکن درمیان والے لشکر مسلمانوں کے لشکروں کو الجھائے رکھیں گے اور انہیں زیادہ پیچھے کی طرف زد خلیں گے۔ لیکن اتنا دباؤ ضرور ڈالا جائے گا کہ یہ لشکر بازوؤں والے لشکروں کی مدد نہ کر سکیں۔ دونوں بازوؤں پر شدید ترین حملے ہوں گے اور حملے اتنے شدید ہوں کہ بازوؤں سے زخمی لشکر پوری طاقت کے ساتھ آگے بڑھ کر مسلمانوں کو گھیر ڈالیں گے۔ اور ایسا تب ہو سکے گا کہ بازوؤں کے مسلمان لشکروں کو تنہا نہیں کر دیا جائے۔ گھیرا پڑ جانے کے بعد درمیان والے لشکر شدید حملوں کے ساتھ مسلمانوں کو اس گھیرے کے اندر ہی تباہ کر دیں تاکہ کوئی آدمی بچ کر نہ جاسکے۔

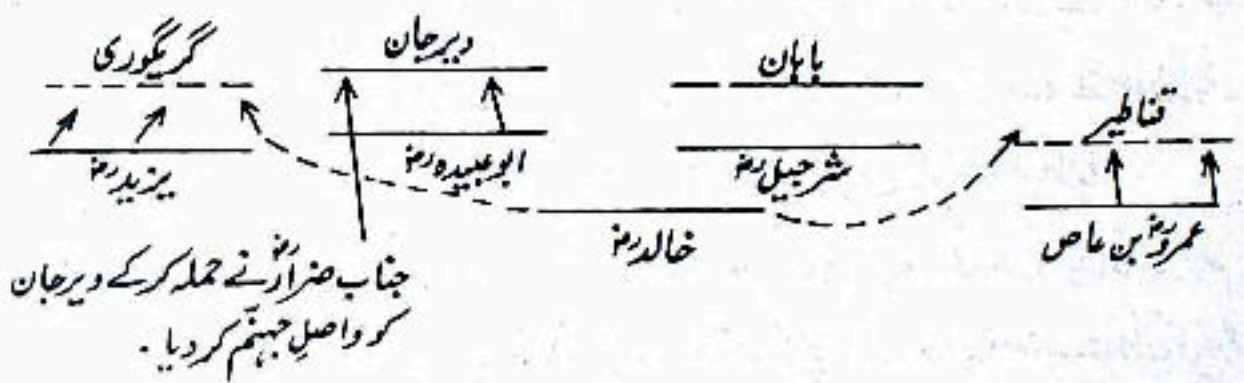
مسلمان جو کئے تھے، اور بھرپور حملہ کی توقع رکھتے تھے، ان کو آگے والی چوٹیوں نے پہلے سے ہی خبر دی۔ دی، کہ رومیوں کے درمیان ہل چل رہے اور صفیں تیار ہو رہی ہیں۔ مسلمانوں نے تیار ہونے میں دیر نہ لگائی۔ لیکن

نقشہ ہفتم۔ یرموک کی جنگ . (خاکہ بغیر سکیل کے)

دوسرے دن کی جنگ . دوپہر سے پہلے



دوسرے دن کی جنگ . دوپہر کے بعد



جناب ضرار نے حملہ کر کے دیرجان کو واصل جہنم کر دیا۔

ہزارہ صیرے میں صفیں باندھنا اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ لیکن مسلمانوں کے آگے کی چوکیوں والے ذستے ہر شیار تھے۔ عام طور پر روشنی ہو جانے کے بعد وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن اُس دن وہ راہ کر پیچھے ہٹ رہے تھے۔ اور رومی حملہ کو اس طرح تھامے ہوئے تھے کہ رومی بمبئی حیران ہو گئے، کہ شاید مسلمانوں نے پوری صفیں آگے کر دی ہیں ان دستوں نے رومیوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ رومیوں کو جو یہ خیال تھا کہ وہ حیران کن اور تیز کار روائی کر کے مسلمانوں کے ہاتھوں کے دستوں کو اکھیڑ دیں گے، اس تجویز کے تو وہ نزدیک نہ پہنچ سکے۔ البتہ سوزج ابھی پوری طرح افق پر نہ آیا تھا، کہ دونوں فوجیں آپس میں مکمل طور پر ٹکراؤ اختیار کر چکی تھیں۔

رومیوں کا دائیں بازو پر حملہ

درمیان میں اہل روم کا حملہ عام قسم کا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے بازوؤں پر سخت حملے ہوئے۔ پہلے دائیں بازو کی کہانی بیان کی جاتی ہے۔ دائیں بازو پر حملہ قناطیر کے لشکر نے کیا۔ وہاں پر جناب عمر بن عاص کا لشکر تھا۔ جناب عمرؓ کی بخیدگی، تدبیر، ٹھنڈے مزاج اور دور رس سوزج کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ انہوں نے رومی حملہ کے ریلے کو نہایت ثابت قدمی کے ساتھ رد کیا اور رومیوں کا حملہ ناکام ہو گیا۔ لیکن تجویز کے مطابق رومیوں نے جلدی سے دوسرے ریلے کے ساتھ حملہ کر دیا۔ مسلمان پھر بھی ثابت قدم رہے اور یہ حملہ بھی ناکام ہو گیا۔ لیکن رومی فیصلہ کن کارروائی کی تیاری کر چکے تھے۔ انہوں نے پھل صفوں سے نازہ روم فوج کے ساتھ تیسری دفعہ ایک بھر پور حملہ کر دیا۔ مسلمان مجاہد اس حملے کی مکمل طور پر تباہ نہ لاسکے اور کچھ مجاہدین کے قدم اکھڑ گئے۔ بعض عقب کی طرف ہٹ کر چھٹنا چاہتے تھے۔ لیکن ٹیڈی دل رومی لشکروں کی صفوں کی گہرائی زیادہ تھی۔ اس نے مسلمان آپس اپنی گھونٹی ہوتی جگہ حاصل نہ کر سکے۔ بعض اہل لشکر نے اپنے بائیں جناب شرجیلؓ کے لشکر کا سہارا لیا۔

جناب عمرؓ بن عاص دیکھ رہے تھے کہ اب کچھ سخت جوابی کارروائی کی ضرورت تھی۔ ورنہ جیسا کہ نقشہ ہفتم کے پہلے مرحلہ سے ظاہر ہے، ان کی صفوں میں شکاف پڑنے والا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عقب سے ریلے کی مدد سے جوابی حملہ کر کے رومیوں کے حملے کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ لیکن رومیوں کو پوری طرح پیچھے نہ دھکیلا جا سکا، اور انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کے زور کو بڑھا دیا، کہ ان کی صفوں کی گہرائی بہت زیادہ تھی۔ لیکن مسلمان مجاہدین کے نئے پیچھے ہٹنے والی بات اب ختم ہو چکی تھی عقب سے رسالہ بھی جنگ میں شریک ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ مسلمان مجاہدین کی غور تیز اور نیچے ہاتھ میں ڈنڈے یا چیموں کی جوہیں لے کر کھڑے تھے۔ کچھ مجاہدین غور تیز اور

بچوں کا حوصلہ دیکھ کر پھر ثابت قدم ہوئے۔ بہر حال مسلمانوں نے جلد اپنی صفیں درست کر لیں۔ جناب عمرؓ بن
عاص نے دوسرا جوابی حملہ رسلے اور پیدل فوج کے ملے جلے دستوں کے ساتھ کیا۔ یہ جوابی حملہ اتنا سخت تھا
کہ مسلمان مجاہدین نے اپنی کھوتی ہوئی زمین کافی حد تک واپس لے لی اور رومیوں کے قدم اکھڑنے لگے۔

مسلمانوں کے بائیں بازو پر حملہ

عین اسی وقت جب رومیوں نے مسلمانوں کے دائیں بازو پر حملہ کیا تو گرگوری نے مسلمانوں کے بائیں
بازو پر زبردست حملہ کر دیا۔ یہاں پر آگے جناب یزیدؓ بن ابوسفیانؓ کا لشکر تھا۔ گرگوری کے لشکر
میں سے تیس ہزار جوانوں نے اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھا ہوا تھا۔ آگے آگے دس ہزار پیدل جوان
تھے جو زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور ساتھ جبلہ کے غسانی بھی تھے۔ پیچھے زنجیروں سے بندھے ہوئے
رومی ایک دیوار کی طرح حرکت کر کے آگے والوں کو سہارا دیتے تھے۔ ایرانیوں اور رومیوں کا زنجیروں سے
باندھنے کے طریقے میں فرق تھا۔ ایرانی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوتے تھے اور رومیوں کی زنجیریں لچک دار
تھیں۔ ایرانی زنجیریں باندھ کر دشمن کے سامنے دیوار بننے کی کوشش کرتے تھے اور ایسی فوج زیادہ تر دفاع میں
لڑتی تھی۔ اور جب حملہ آور دشمن قہقہہ کر پور ہوتا تھا تو پھر کھلے سپاہی آگے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔
رومیوں کی زنجیریں "لچکدار" تھیں۔ ایک تو باندھے ہوئے گروہ چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے۔ کہ یہ لوگ متحرک بھی
ہو سکتے تھے۔ پھر زنجیر کو کھولنے کے بھی طریقے تھے کہ کوئی آدمی زخمی ہو گیا یا گر گیا تو اس کو بیچ سے نکال دیتے تھے۔ یعنی
زنجیروں والے نیرھے طور پر بھی حملہ کر سکتے تھے۔

گوگرگوری کے لشکر کا پہلا حملہ بھی بڑا سخت تھا۔ لیکن جناب یزیدؓ کے لشکر نے ثابت قدمی کے ساتھ رومیوں
کو پیچھے دھکیں دیا۔ گوگرگوری کے لشکر کا دوسرا ریلہ بھی بہت سخت تھا۔ زنجیروں میں سے ہونے والی ہمتی کی
طرح آگے بڑھ رہے تھے۔ اور وہ لوگ اپنے جگمگاتے زور کی وجہ سے کئی مقامات پر جناب یزیدؓ کے لشکر کے
اندر گھس گئے۔ جناب یزیدؓ نے بھی حالات کو سنبھالا دینے کے لئے اپنے عقب سے رسلے سے جوابی حملہ
کر دیا اور کچھ کامیابی ضرور ہوئی۔ لیکن رومیوں کے حملہ کا زور نہ ٹوٹ سکا۔ کچھ مسلمانوں کے قدم یہاں پر اکھڑ
گئے۔ پھلی صفوں میں جناب یزیدؓ کے والد جناب ابوسفیانؓ تھے۔ وہ بھی کچھ پیچھے ہٹے۔ اب رسالہ آگے
جا چکا تھا اور پیچھے عورتیں اور بچے تھے اور جناب ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہؓ یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ وہ

پکارا تھیں خیردار! ابو زبیرؓ اور ابو معاویہؓ یہ کیا بات ہے اگر ضرورت تھی تو ہمیں کیوں نہ پکارا گیا اور اس کے بعد ہندہؓ کوئی عورتیں بچے جو کچھ ان کو ملائے کہ اسلامی لشکر کی صفوں میں آکر شامل ہو گئے اور جو رومی نظر آیا اس کا منہ توڑ کر رکھ دیا۔ ایک مجاہدہ کے پاس تلوار بھی تھی۔ وہ مردوں کے ساتھ شامل ہو کر جنگ میں شریک ہو گئیں اور کئی رومیوں کو بھی راصل جہنم کیا۔

واقعی کے لحاظ سے جناب ہندہؓ نے وہ گانا بھی گایا جو اُس نے احد کے میدان میں قریش کی دلجوئی کے لئے گایا تھا۔ کہ اہل قریش جنگ احد کے پہلے مرحلہ میں مسلمانوں کے سامنے سے بھاگ گئے تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ گانا یہاں موزوں نہ تھا اور وہ بارہ سال پرانی بات بھی۔ ہندہؓ اُس زمانے میں چالیس سال سے کم عمر کی تھیں اور کسی اور فلسفہ حیات کے تحت زندگی گزار رہی تھیں۔ اب وہ مسلمان مجاہدہ تھیں۔ اُن کے دو بیٹے اللہ اور رسولؐ کے نام پر جنگ کر رہے تھے۔ اُن کے خاوند اللہ اور رسولؐ کے نام پر اہل لشکر کی دلجوئی کر رہے تھے۔ ہندہؓ شاعرہ تھیں۔ علم الکلام کی ماہر تھیں۔ حاضر جوابی میں اپنا مقام نہ رکھتی تھیں۔ اُن کی غیرت اب اللہ اور رسولؐ کے احکام کے تابع ہو گئی تھی۔ اس لئے شاید کوئی رجز پڑھی ہو۔ اور ممکن ہے قرآن پاک کے کوئی آیت پڑھی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مسحور کرنے والی آواز بھی نصیب فرمائی تھی۔ لغافلہ کے شوقین رادیوں نے شاید اُس کو اور رنگ دے دیا اور واقعی پر یہ اعتراف اکر کیا جاتا ہے کہ وہ ایسی باتوں کو لکھ کر تاریخ میں دلچسپی پیدا کرتا تھا۔ اور مورخین کے ایسے معمولی خیالات پر درگزر کیا جاسکتا ہے۔

سالار لشکر کا جوابی حملہ

بہر حال! میں بازو پر بھی حالات کچھ سنبھل گئے۔ لیکن رومیوں کے حملوں کا زور جاری تھا۔ جناب ابو عبیدہؓ اور ان کے نائب جناب خالدؓ درمیان میں کھڑے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ جناب خالدؓ نائب سالار ہونے کے علاوہ بہرزد اور متحرک دستوں کے بھی کمانڈر تھے۔ دوپہر تک جنگ کی یہ حالت رہی جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ اب سورج ڈھلنے لگا اور وہ وقت آ گیا تھا جس وقت حضور پاکؐ جوابی حملہ کرنے کا حکم دیتے تھے۔ جناب امین الامتؓ شاید اسی وقت کے انتظار میں تھے۔ انہوں نے جناب

خالد کی طرف دیکھا اور فرمایا: اے سلیمان! کیا اب حضور پاک سے سیکھے ہوئے طریقہ کے مطابق جوانی کا رروائی کا وقت نہیں آگیا؟ - جناب خالد اس اشارہ کے منتظر تھے کہ ریزو دستوں کے استعمال کے بارے میں وہ اپنے ذہن میں تجویز بنا چکے تھے اور حالات کے مکمل طور پر نبض شناسی بھی کر چکے تھے۔ چنانچہ جناب خالد نے اپنے ریزو دستوں کو پہلے دائیں جانب کارروائی کا حکم دے کر معاملات کو ایسا سنبھالا دیا کہ صورتِ عمل صحیح ہو گئی۔

البتہ بائیں جانب زیادہ غبر لوپر کارروائی کی ضرورت تھی۔ زنجیروں سے بندھے ہوئے گرگوری کے لشکر پر بائیں بازو سے حملہ زیادہ کامیاب نہ رہتا۔ یہاں پر جناب خالد نے یہ تجویز بنائی کہ ایک تو بائیں جانب سے اسی طرح حملہ کیا گیا، جیسے دائیں بازو پر کیا گیا تھا۔ لیکن درمیان میں جہاں گرگوری اور دیرجان کے لشکروں کا جنگشن پوائنٹ تھا، وہاں پر جناب فررار نے متحرک دستوں سے ایک سخت حملہ کیا۔ ایسا کرنے کے لئے جناب فررار نے جناب عکرمہ بن ابو جہل کے دستوں کا سہارا لیا۔ اور نقشہ ہمنتم کے دوسرے مرحلے سے یہ طریق کار بھی آسانی سے سمجھا جاسکے گا۔ لیکن اسی دوران جناب فررار کو کہیں دیرجان نظر آ گیا، جو اپنے لشکر میں بے فکر تماشہ دیکھ رہا تھا کہ اس کا لشکر غبر لوپر حملے میں شریک نہ تھا۔ بلکہ وہ صرف جناب ابو عبیدہ کے درمیان ولے لشکر کو الجھائے ہوئے تھا۔ جناب فررار شیر کی طرح بھینٹے اور دیرجان کے لشکر کے اندر گھس کر دیرجان کا کام تمام کر دیا۔ اور پھر واپس اپنے دستوں میں شریک ہو گئے۔ اب رومیوں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ گرگوری کا لشکر مسلمانوں کے ہم پر تھا۔ وہ الگ ایک طرف مسلمانوں کی تلواروں اور نیزوں کی بھینٹ چڑھ رہے تھے۔ گرگوری بہادر آدمی تھا اور سمجھدار بھی۔ وہ حالات کو بھانپ گیا اور پسپائی کے احکام دے دیئے۔ گو یہ پسپائی بھی ہمنگی رہی کہ زنجیروں سے بندھے ہوئے کئی جوان خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی لے ڈوبے۔ لشکر میں زیادہ پوریہ میں تھے۔ اگست کے مہینے میں گریں اور پسینے کی وجہ سے ان کا برا حال ہو رہا تھا۔ متحرک مسلمان دستوں کی تلواریں گھوڑ سواروں کے پار پہ وادرومی بری طرح مار کھا کے چھپے پڑے۔

دوسرے دن کی جنگ کا ماحصل

دوسرے دن کی جنگ مسلمانوں کے لئے سخت گھریاں لے کر آئی تھی۔ جتنے حملے مسلمانوں کے بازوؤں والے لشکروں پر ہوئے اور جس طرح مسلمان مجاہدین نے ان حملوں کو پسپا کیا اس کی عسکری تاریخ میں

شمال نہیں ملتی۔ جناب ابو بیدہؓ کا صبر اور اس گھڑی کا انتظار کہ جس گھڑی میں حضور پاکؐ جو ابی کارروانی کا حکم دینے لگے، یہ ایسے سبق ہیں کہ آج بھی صحیح ہیں اور اس سے روحانی طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ کی تمام حکمت عملیاں اور تدبیرات حضور پاکؐ کے نام مبارک پر قربان کی جاسکتی ہیں۔ قرونِ اولیٰ کی ہر جنگ سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ جہاں حضور پاکؐ کی سنت پوری کی، وہاں کامیابی ہی کامیابی تھی۔ ویسے اس پہلو کو دنیاوی پیمانوں سے ناپا جائے، تو بھی دوپہر کے بعد جو ابی کارروائی کے بڑے ٹائڈ سے ہوتے ہیں کہ دشمن کے پاس روپل کا وقت نہیں رہتا اور اپنا عمل آدھے دن کے سانچ کے تجزیہ اور تینوں شناسی کے بعد ہوتا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جو ابی کارروائی ہمیشہ بعد دوپہر ہی کی جائے کہ اسلام دین الوسطی ہے اور میا زردی سکھاتا ہے کہ کارروائی حالات کو بھانپ کر کی جائے۔

بہر حال دوسرے دن کی جنگ نے مسلمانوں کے حوصلوں کو اور بلند کیا اور رومیوں کو یہ حملہ بہت ہنگامہ جزل دیر جان مارا گیا اور اس کے لشکر کی کمانڈ ایک اور جزل قرین کو دی گئی اور رومیوں کے زنجیروں سے باندھے ہوئے جہان اتنے زیادہ مارے گئے کہ وہ ان سب کی لاشوں کو بھی نہ اٹھا سکے۔ رومی لشکر کے لوگ رات کے اندھیرے میں چھپ کر آتے رہے اور اپنے مردوں اور زخمیوں کو اٹھانے کی کوششیں بھی کی جو مردے مسلمانوں کے قدموں کے نیچے روندے گئے ان پر مسلمانوں نے ٹی ڈال دی۔ اور شام پڑنے پر مسلمانوں نے اپنے شہداء کو عزت کے ساتھ دفن کیا۔

عورتوں نے آگے بڑھ کر زخمیوں کی مرہم پٹی کی۔ البتہ کچھ مورخین اور مبصرین نے جنگ کے واقعات کو لطف آمیز بنانے کے لئے! اور جنگ کو افسانوی رنگ دیتے ہوئے عورتوں کی کارکردگی کے سلسلے میں کچھ زیادہ ہی لفاظی سے کام لے لیا ہے۔ کہ ہر روز مجاہدین کے قدم کسی نہ کسی جگہ اکھڑ جاتے تھے۔ اور عورتیں خیموں کے چوہن لے کر ان مسلمانوں کی خوب مرمت کرتی تھیں کہ وہ کہاں بھاگ رہے ہیں۔ بلکہ کچھ مورخین نے مجاہدین کے منہ میں یہ الفاظ بھی ڈال دیئے کہ رومیوں سے مقابلہ تو اتنا مشکل نہیں لیکن بخدا۔ اپنی عورتوں کے ڈنڈے بڑے سخت ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

تبصرہ

مانا کہ ایک آدھا ایسا واقعہ کسی جگہ ضرور ہوا ہوگا کہ کوئی مجاہد کچھ زیادہ پیچھے چلا گیا ہوگا۔ اور شاید کسی مجاہد نے دل لگی کے ساتھ بھی ایسا کہہ دیا ہو۔ کہ عورتوں سے ڈر آتا ہے۔ اور ڈر کی بجائے اصل لفظ

تو نہامت ہے، لیکن کسی ایسے ایک آدھ واقعہ کو افسانہ نہیں بنا لینا چاہیے کہ مجاہد روزانہ کسی ایک جگہ سے بھاگتے تھے، اور عورتوں کے ڈنڈے کھاتے تھے۔ یہ الگ پہلو ہے کہ کئی عورتوں نے جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ جناب ہندو رنکے علاوہ عظیم صحابی جناب زبیرؓ بن عوام کی ایک زوجہ محترمہ جنگ یرموک میں شریک تھیں۔ اور جناب مکرمہؓ کی زوجہ جناب ام حکیمؓ جنہوں نے جناب عکرمہؓ کو اسلام کی طرف مائل کیا تھا وہ بھی جنگ میں شامل تھیں۔ جناب ضرارؓ بن ازور کی بہن جناب خولہؓ کا ذکر بھی آتا ہے۔ بلکہ جناب خالدؓ کی ایک بہن جو صفوان بن امیہ کی زوجہ تھیں ان کے بارے میں بھی کچھ روایات میں ذکر ہے کہ وہ بھی جنگ میں موجود تھیں اور مسلمان عورتیں لشکر کا حوصلہ بڑھاتی تھیں۔ کھانے پکانے کا کام کرتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور تیمارداری کرتی تھیں جنگ میں پیاسوں کو پانی پلاتی تھیں۔

تیسرے دن کی جنگ (نقشہ ہشتم)

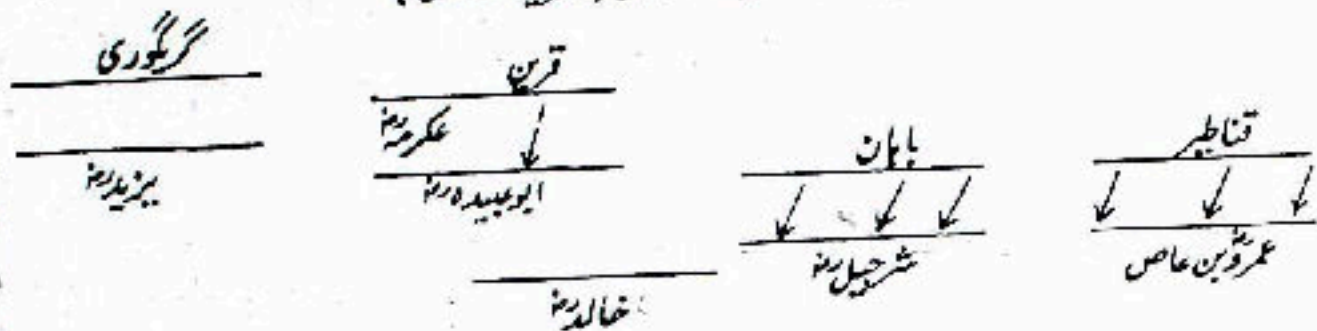
اہل روم دو دن کی کارروائی میں بری طرح پٹ چکے تھے۔ لیکن جارحانہ کارروائی کے بغیر ان کے پاس کوئی اور چارہ کار بھی نہ رہ گیا تھا، یہی مسلمانوں کی حکمت عملی کی عظیم کامیابی تھی کہ دشمن اس حالت میں تھا کہ یا وہ بھرپور حملہ کرتا رہے یا میدان جنگ چھوڑ دے۔ جنرل گلب کے سوال کا جواب یہاں بھی مل جاتا ہے کہ اگر مسلمان دمشق کے شمال میں پوزیشن لینے تو اہل روم ان کے ساتھ ملی اور چڑھنے والے کھیلے رکھتے۔

رومیوں کی تجویز

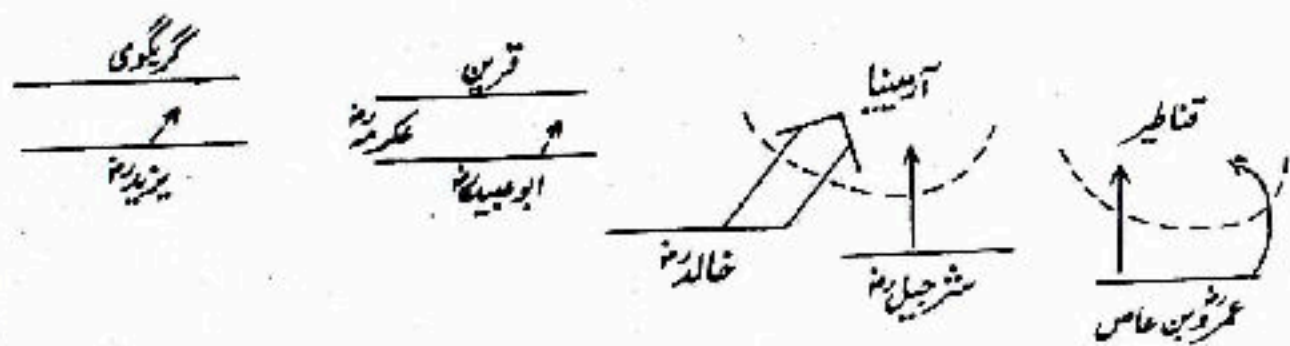
تیسرے دن کی کارروائی کرنے سے پہلے رومیوں کو سوچنا تھا کہ وہ کیا کریں۔ پہلے دن سارے محاذ پر کارروائی کر کے مار کھا چکے تھے۔ دوسرے دن بازوؤں پر کارروائی میں زیادہ کامیابی نہ ہر سکی۔ گو اسولی لحاظ سے یہ کارروائی صحیح تھی۔ اور تیسرے دن بھی اگر رومی یہ کارروائی کرتے تو ان کی کامیابی کی کچھ امید تھی۔ لیکن اگر گوری کا لشکر اتنی مار کھا چکا تھا کہ وہ تیسرے دن کی لڑائی میں کوئی جارحانہ کارروائی کرنے کے قابل نہ تھا۔ دونوں درمیان والے لشکر بہتر حالت میں تھے۔ لیکن ان میں سے ایک کا سپہ سالار مارا گیا تھا اور درمیان سے آگے بڑھنے میں خطرہ یہ تھا کہ دونوں لشکر بیچ میں پھنس جاتے۔ مسلمانوں کے عقب میں رسالہ تھا اور مسلمان

نقشہ ہشتم - یرموک کی جنگ - خاکہ بغیر کیل کے۔
 تیسرے دن کی جنگ - دوپہر سے پہلے (پہلا مرحلہ)
 (دیرجان مارا گیا تھا اس کی جگہ قرین نے لے لی)

شمال
↑



تیسرے دن کی جنگ بعد دوپہر (دوسرا مرحلہ)



سے
شمال
سور

رومیوں کو پھنسا کر تہس نہس کر دیتے۔ اس لئے بابان نے یہ تجویز بنائی کہ گوجھلے کا مظاہرہ سارے نماز پر کیا جائے گا۔ لیکن اپنے دونوں بائیں بازو والے لشکروں کی مدد سے وہ لوگ مسلمانوں کے دائیں بازو پر حملہ کر دیں گے۔ بابان نے اپنے لشکر اور قناطیر کے دونوں لشکروں کو ملا کر اس ساری کارروائی کی کمانڈ قناطیر کو دے دی اور جبل کے عیسائی لوگ بھی تمام کے تمام ان کے ماتحت کر دیئے۔ جہاں رومیوں نے حملہ کرنا تھا وہاں پر آگے مسلمانوں کے جو دو دائیں بازو والے لشکر تھے ان کی کمانڈ جناب عمرو بن عاص اور جناب شرجیلؓ کر رہے تھے۔

نقشہ ہشتم کے پہلے مرحلے کے خاکے میں رومی تجویز اور کارروائی کی ایک جھلک ہے جس سے حالات کچھ اور واضح ہو جاتے ہیں۔ رومیوں کے دائیں بازو والے لشکر کچھ زیادہ کارروائی نہ کر سکتے تھے کہ گورگوری کے ”بابہ بزنجیر“ بہت زیادہ نقصان اٹھا چکے تھے اور سامنے سے نئے جنرل قزین نے جو کارروائی کی جناب ابو عبیدہؓ خود دیکھ رہے تھے اور اپنی فرست سے وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ دکھاوے کی کارروائی تھی۔ اس لئے مسلمان اس نماز پر چوکے ضرور تھے۔ لیکن ظاہر ہو رہا تھا کہ رومیوں کے ریلے کا زور دونوں دائیں بازوؤں والے لشکروں پر ہے اور رومیوں نے ایک پر زور حملہ کر دیا۔ حملے کا زیادہ زور نہاں تھا، جہاں جناب شرجیلؓ اور جناب عمروؓ کے لشکروں کی حدود ملتی تھیں۔ اور یہ پرانے زمانے کا اصول آج بھی اتنا ہی اہم ہے کہ کسی بھی یونٹ، کمپنی یا پلاٹون کے ملاپ والی جگہ یا باہمی حد پر دشمن کا حملہ زیادہ کامیاب رہتا ہے۔ اس لئے آج کل اصول یہ رکھا جاتا ہے کہ ایسے ملاپ یا باہمی حدیں وہاں ہونی چاہئیں جو زمین غیر اہم ہو کہ اگر دشمن کو اس علاقے میں کچھ کامیابی حاصل بھی ہو جائے تو وہاں سے دشمن کو جو ابلی حملہ کی مدد سے ہلانا آسان ہوتا ہے۔ یاد دشمن جو حاصل کر لیتا ہے وہ اس کو بہت مہنگا پڑتا ہے۔

افواج کی گتھم گتھا لڑائی

رومیوں کا پہلا حملہ بڑا زوردار تھا۔ لیکن مسلمانوں نے اس کو آسانی کے ساتھ پسپا کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ رومی کچھ نقصان اٹھا چکے تھے۔ لیکن ان کے پاس بے پناہ نفری تھی۔ دوسرا حملہ انہوں نے اور زیادہ تیاری اور پیچھے سے صفوں کو لگے بٹھا کر پہلے حملے سے بھی زیادہ زور سے کیا۔ جس سے مسلمانوں کی صفوں میں شگاف پڑنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس لئے جناب عمروؓ بن عاص نے تدبیر کے تحت مجدد و سپاہی

اختیار کی ساس کی وجہ سے جناب شرجیل کی فوج کا وہ حصہ جو جناب عمر بن عاص کے نزدیک تھا اس کو بھی پیچھے ہٹا پڑا۔ لیکن جناب شرجیل کے وہ دستے جو درمیان میں جناب ابو عبیدہ کے لشکر کے نزدیک تھے انہوں نے ان مجاہدین کا سہلا لے لیا اور ادھر ہی ڈٹ گئے۔ دوپہر تک گھمسان کی جنگ ہوئی۔ دونوں کو کچھ کامیابی کی امید بھی نظر آئی۔ لیکن حالات مسلمان مجاہدین کے کنٹرول میں تھے۔ تدریجاً طور پر پیچھے ہٹنے کے بعد مسلمانوں نے رومیوں پر زور دار حملے شروع کر دیئے اور سوزج ڈھلنا سے پہلے میدان جنگ رومیوں کی لاشوں سے بھر گیا۔ وہ بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔ لیکن مسلمان جہاں تک پہنچ سکے وہاں مضبوطی سے ڈٹ گئے تھے اور اب صرف یہ بات تھی کہ اسلامی لشکر کی صف کی سیدھائی ٹیڑھی ہو چکی تھی جس کو بحال کرنا ضروری تھا۔ یاد رکھیں کہ دفاعی لائن کی سیدھائی کی بحالی آج ہی دفاع کی ایک اہم ضرورت ہے۔

مسلمانوں کا جوابی حملہ

جیسے ہی سوزج ڈھلنا شروع ہوا تو جناب ابو عبیدہ نے جناب خالد کو جوابی حملے کی اجازت دے دی۔ جناب خالد کے لئے جوابی حملہ آسان تھا کہ انہوں نے صرف ایک طرف یعنی دائیں طرف حملہ کرنا تھا۔ اور جناب خالد کو معلوم تھا کہ جناب عمر بن عاص کی پسپائی تدریجاً تھی انہوں نے اپنے رسالے کو استعمال نہ کیا تھا۔ ان کا رسالہ اپنے لشکر کے عقب میں تازہ دم تھا۔ اس لئے جناب عمر بن عاص کو جناب خالد کی بھرپور کارروائی کا انتظار تھا اور پھر ابلا تا تم کر کے جناب خالد نے جناب عمر کو آگاہ کر دیا کہ وہ حملہ ایک ہی مقام سے کر کے بائیں سے آریٹیا کے لشکر کی دریائی منزل کو تھس نہیں کریں گے چنانچہ جیسے ہی جناب خالد نے اپنے محرک دستوں کے ساتھ آریٹیا کے لشکر پر زور دار حملہ کیا تو جناب عمر بن عاص نے دائیں بازو سے اپنے رسالہ کو آگے بڑھا کر تھسیر کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ نقشہ ہشتم کے خاکہ سے دوپہر کے بعد لڑائی کا جو دراصل دکھایا گیا ہے اس سے حالات زیادہ واضح طور پر سمجھ آسکیں گے۔ جناب خالد کے حملے کی طرز رومیوں کے لئے نرالی تھی۔ پہلے وہ گھیرا ڈال کر دشمن کو تھس نہیں کرتے تھے یا سامنے سے کشتوں کے پستے نکالتے تھے۔ اس دن پہلے وہ دور تک دشمن کے اندر گھس گئے اور چوٹی کامیابی کو پھیلانوریا اس سے آریٹیا کے لشکر کی ترتیب بھی ختم ہو گئی کسی کو یہ سمجھ نہ آتی تھی کہ وہ کیا کرے اور میدان جنگ رومیوں کی لاشوں سے بھر گیا۔

جناب عمر بن عاص کا دائیں سے رسالے کا حملہ بڑا چھٹا تھا۔ آپ خود شہساری میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔

اور خود اس رسالے میں شامل تھے جس نے دائیں سے آگے بڑھ کر تظاہر کے لشکر کو گھیر ڈال لیا۔ دونوں رومی لشکروں کے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ پسپائی اختیار کریں۔ لیکن یہ پسپائی کسی ترتیب کے ساتھ نہ تھی۔ اس لئے جناب شرجیل کے جو دستے پیچھے ہٹ گئے تھے یا جناب ابو عبیدہؓ کے لشکر کا سہارا لے رہے تھے وہ بھی آگے بڑھے اور جناب عمرو بن عاص کے پیدل دستوں نے بھی پیش قدمی شروع کر دی اور اپنی تدریجی پسپائی کو ختم کر دیا۔ اب معاملہ یہ تھا کہ رومیوں کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ مسلمانوں کے پیچھے سے کیسے ہٹائی حاصل کریں۔

گر کافی مسلمان مجاہد بھی شہید ہوئے لیکن میدان جنگ رومیوں کی لاشوں سے پڑ گیا۔

تیسرے دن کی جنگ کا ماحصل

تیسرے دن کی جنگ کے شروع کے وقت میں مسلمانوں کے لئے بھی چند فکر کی گھڑیاں آئیں۔ لیکن یہ دن رومیوں کو کافی مہنگا پڑا۔ خاص کر جبکہ کے غسانی جو آرمینیا کے لشکر میں تھے ان کا بہت نقصان ہوا۔ تظاہر کے لشکر پچھلے تین دن سے جنگ میں بھرپور کارروائی کر رہے تھے اس کا بھی کافی نقصان ہوا۔ لیکن آسانہ ہوا جتنا آرمینیا کے لشکر کا۔ مسلمانوں میں پچھلے تین دن سے جناب عمرو بن عاص کے لشکر پر زور پڑ رہا تھا لیکن آج کے دن تدریجی پسپائی کی وجہ سے ان کا نقصان کم ہوا۔ البتہ جہاں دونوں لشکروں کو باہمی حدود ملتی تھیں۔ وہاں مسلمان زیادہ شہید یا زخمی ہوئے لیکن سورج غروب ہوتے وقت رومی جب اپنی صفوں میں واپس پہنچے تو ان کی بہت بڑی تعداد ختم ہو چکی تھی۔ تین دن گزر چکے تھے ان کی فوج کا کافی حصہ تباہ ہو چکا تھا۔ لیکن ان کو کسی طرح کی کوئی کامیابی نصیب نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ باہان نے شام کے وقت اپنے تمام امراء کو اکٹھا کیا اور ان کو بتایا کہ اگر لڑائی کا چوتھا دن بھی اسی طرح گزرتا ہے تو پھر کسی کامیابی کی کوئی امید نہیں ہے۔ البتہ اس کے جرنیلوں نے وعدہ کیا کہ اگلے دن وہ سردھڑ کی بازی لگا دیں گے۔

چوتھا دن (نقشہ ہم)

چوتھے دن کی کارروائی کے بارے میں ظہن کو کوئی شبہ نہ تھا۔ اہل روم جانتے تھے کہ ان کے تین دن کے لگاتار سخت حملے بھی کوئی اچھا نتیجہ نہ حاصل کر سکے تھے۔ اگر چہ چوتھے دن بھی وہ کوئی خاطر خواہ نتیجہ حاصل نہ کر سکے تو پھر معاملات ان کے حق میں نہیں جا سکتے۔ اس لئے اس دن کے لئے رومیوں کے پاس صرف ایک ہی

طریقہ رہ گیا تھا کہ آنا بھر لو پرحملہ کریں جتنا اُن کو ان کی طاقت اجازت دے۔ بلکہ مکمل طاقت کو واؤپر لگا دیں۔ مسلمانوں کے دل میں اب کوئی شبہ باقی نہ رہ گیا تھا کہ رومی صرف ایک اور بھر لو پرحملہ کر سکیں گے۔ اگر اس حملہ کو انہوں نے ناکام بنا دیا۔ تو پھر رومیوں کا معاملہ آگے نہ بڑھ سکے گا۔ اس نے لڑائی کے چوتھے دن مسلمان نہ صرف ایک بھر لو پرحملہ کی توقع کر رہے تھے، بلکہ ان کو اپنی کمزوریاں بھی نظر آرہی تھیں۔ گو مسلمان شہداء کی نسبت اہل روم کے دس گنا آدمی مارے جا چکے تھے۔ لیکن مسلمان مجاہدین میں تیر انداز زیادہ شہید ہو گئے تھے۔ اور خاص کر جناب عمرو بن عاص کے لشکر کے تیر انداز کافی زیادہ شہید ہو گئے تھے۔ مسلمان مجاہدین نے شام کے محاذ پر اس سے پہلے اتنی سخت جنگ نہ دیکھی تھی۔

جناب ابو عبیدہؓ کا جائزہ اور کارروائی

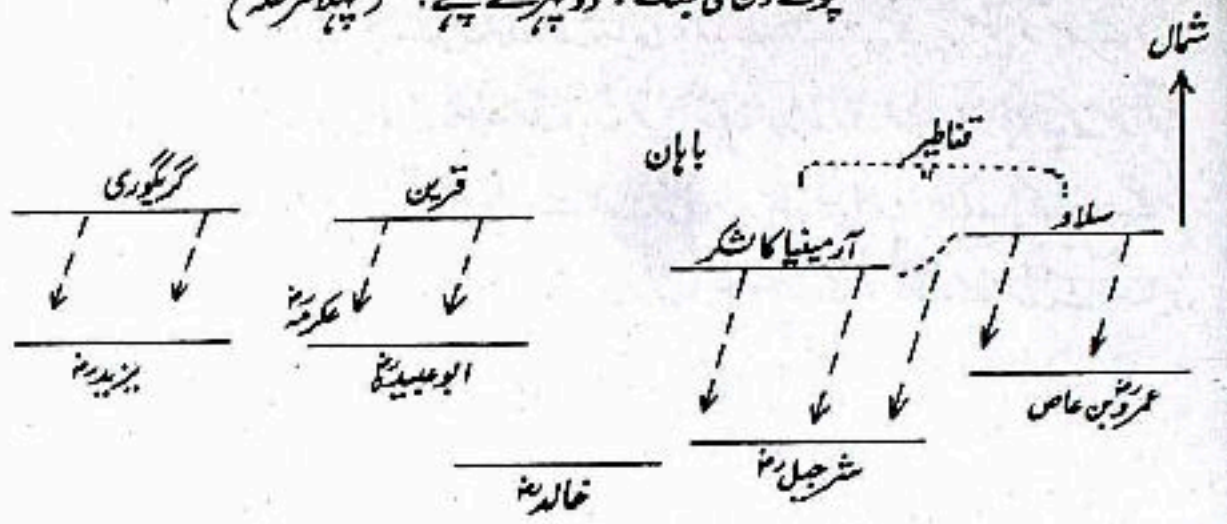
جناب ابو عبیدہؓ حالات سے باخبر تھے اور ان کو معلوم تھا کہ لڑائی کا زیادہ بوجھ جناب عمرو بن عاص کے لشکر پر پڑا۔ یا جناب شریک کے لشکر کے اس حصہ پر جو جناب عمرو بن عاص کے نزدیک تھا۔ جنگ کے دوسرے دن جناب زید کے لشکر پر بھی بہت بوجھ پڑ چکا تھا۔ صرف درمیان والے لشکر پر مقابلہ قائم بوجھ پڑا۔ اس لئے انہوں نے اس لشکر سے کچھ تیر انداز جناب عمرو بن عاص کے لشکر کو بھجوا دیئے۔ اور جناب عمرو بن عاص سے ہی بتا دیا کہ آج کے دن دشمن کا حملہ درمیان میں، ہونہ ہو، درمیان سے کچھ کارروائی کر کے دشمن کے حملوں کے زور کو بالواسطہ طور پر ختم کرنے کی ضرورت ہوگی اور اس کے لئے وہ تیار رہیں۔ اس کے علاوہ جناب ابو عبیدہؓ نے جناب عمرو بن عاص اور شریک کے لشکروں کی باہمی حدود والی صفوں کے لئے کچھ ریزرو دستوں کو بھی متعین کیا کہ وہاں نفی کچھ کم ہوگئی تھی۔ زیادہ تبدیلی کرنے کا وقت گزر چکا تھا اور جو مجاہد جہاں تھا اس کی وہاں زیادہ ضرورت تھی۔

بابان کا تجربہ

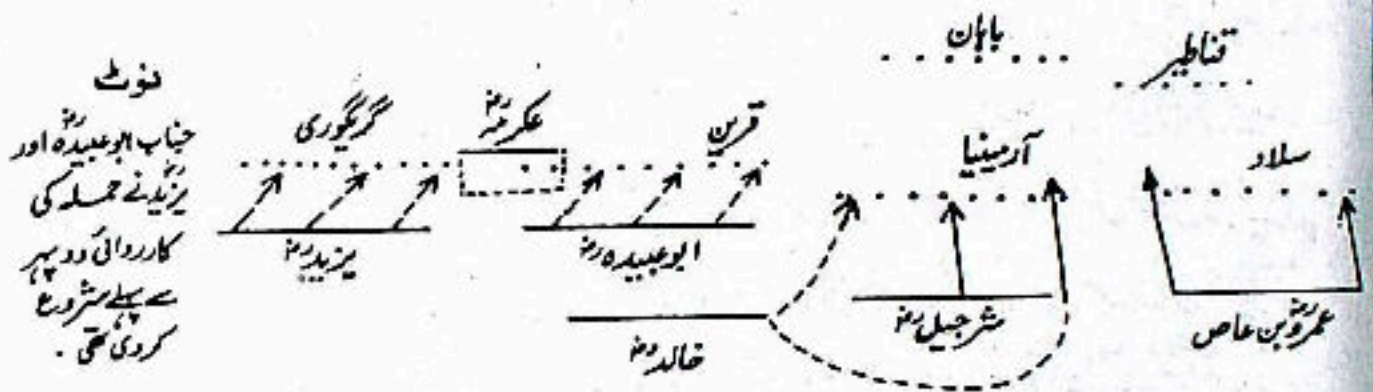
بابان بھی حالات سے باخبر تھا۔ جنگ کو تینوں دنوں میں وہ ایک الگ الگ تجربہ پر عمل کر چکا تھا۔ اور اس کو معلوم تھا کہ ایک بار پھر حملہ سے دشمن کو جب تک بازو سے نہ اٹھار دیا جائے لڑائی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتی۔ یہ حملہ مسلمانوں کے بائیں بازو پر بھی کر سکتا تھا۔ لیکن گریگوری کے پابہ زنجیر سپاہی ابھی دوسرے دن کی جنگ کے زخم چاٹ رہے تھے۔ پھر گریگوری کا لشکر رومیوں کے لئے ایک جہاز کے لشکر کی طرح تھا کہ اس لشکر

نقشہ نہم۔ یرموک کی جنگ۔ خاکہ بغیر سکیل کے

چوتھے دن کی جنگ۔ دوپہر سے پہلے۔ (پہلا مرحلہ)



چوتھے دن کی جنگ۔ دوپہر کے بعد (دوسرا مرحلہ)



خاکہ سے ظاہر ہے کہ پورے محاذ پر بھر پور حملہ کے بعد رومی لشکر میں رٹنے کی سکت ختم ہو گئی۔

کے ساتھ ان کے قدم زمین میں گڑھے ہوئے تھے۔ وہاں سے حملہ کرنا مشکل تھا کہ وہاں آگے مسلمان بھی تازہ دم تھے کیونکہ انہوں نے تیسرے دن کی جنگ میں کوئی حقہ نہ لیا تھا۔ اس لئے باہن اس منہج پر پہنچا کہ تیسرے دن کی کارروائی کو چوتھے دن بھی دہرایا جائے۔ صرف حملہ کا رخ غوراً ترجیحاً اور اندر کی طرف ہو۔ باہن کو معلوم تھا کہ مسلمان لشکر بھی اس محاذ پر پچھلے تین دنوں سے سخت لڑائی لڑ رہے تھے اور وہ تھک چکے ہوں گے۔ ساتھ ہی اس کو امید تھی کہ مسلمان آج اس بازو پر حملہ کی توقع کر رہے ہوں گے کہ جنگ کے اصول کے مطابق ناکامی والی جگہ پر دوبارہ سر پھوڑنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔

رومیوں کا حملہ

چنانچہ چوتھے دن صبح سویرے رومیوں کے بائیں محاذ کے دونوں لشکروں نے مسلمانوں کے دائیں محاذ کے دونوں لشکروں پر ایک بھر پور حملہ کیا۔ مسلمان مجاہدین بڑی ثابت قدمی سے دفاع میں لڑتے گئے۔ لیکن حملے کی طرز میں سیلے پہ سیلے تھا۔ ایک دو ریلوں کو انہوں نے روک لیا۔ لیکن تیسرے سیلے کے ساتھ جناب عمر بن عاص کو کچھ تدبیراتی سپاہی اختیار کرنا پڑی، لیکن بہت معمولی جناب شرجیل کے دستوں نے بھی حملہ کے ایک دو ریلوں کو روکا۔ لیکن وہ زوردار حملوں کو مکمل طور پر نہ روک سکے۔ جناب عمر بن عاص کے لشکر میں قناطیر کے لشکر والے کوئی شگاف نہ پیدا کر سکے۔ لیکن آرمینیا کا لشکر جب کے سسانی عسکروں کے ساتھ مل کر جناب شرجیل کے لشکر میں کچھ شگاف پیدا کرتے لگا۔ ان حالات میں جناب شرجیل کو بھی تدبیراتی سپاہی کی ضرورت پڑ گئی۔ اور ان کی صفیں کافی پیچھے چلی گئیں۔ عورتوں کو بھی ان کی صفوں میں شامل ہونا پڑا۔ اور ان عورتوں کے ہاتھ جو کچھ بھی لگا، وہ لے کر مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو کر مقابلے میں شریک ہو گئیں۔

جناب ابو عبیدہ کا تجزیہ

سورج ابھی دوپہر تک نہ پہنچا تھا۔ اور یہ وقت مسلمانوں کے معرکہ یاریزرود دستوں کو جنگ میں شامل کرنا تھا۔ ابھی تک یہ بھی کمال طور پر ظاہر نہ ہو رہا تھا کہ رومیوں کے ارادے کیا ہیں خدا نخواستہ اگر رومی جناب شرجیل کے دستوں کو شکست دے دیتے ہیں یا دینے کے قابل ہو جاتے ہیں تو آگے کیا کریں گے اس کا تجزیہ ضروری تھا۔ ان حالات کا تجزیہ ذہنی طور پر امین الامت پہلے ہی کر چکے تھے۔ درمیان

والا لشکر جہاں ابو عبیدہؓ تھے آج تک کسی بھر پور کارروائی میں تو شرکت نہ کر سکا تھا کہ مسلمانوں کے لحاظ سے یہ لشکر ان کا مضبوط پادوں یا "لنگر" تھا۔ اس لئے کیا اب وقت نہیں آگیا تھا کہ اس لشکر سے کچھ ناڈہ ایسی صورت میں اٹھایا جائے کہ اس کی لنگر والی خاصیت پر بھی اثر نہ پڑے۔

دشمن کے حملہ کو درہم برہم کرنا

جناب ابو عبیدہؓ، جناب عکرمہؓ کو پہلے ہی سے بتا چکے تھے کہ آج کے دن انہیں کچھ کارروائی کرنا ہوگی۔ لیکن اب ایک عجیب و غریب صورت تھی۔ رومیوں کے حملہ کا رخ ترچھا تھا۔ اور اسی وجہ سے جناب عمرو بن عاصؓ کے لشکر پر زور نہ پڑا۔ نقشہ بنم کے مطالعہ سے اس ترچھے حملہ والی بات سمجھ آجائے گی۔ رومی اس ترچھے حملہ کی مدد سے مسلمانوں کی صفوں میں شگاف پیدا کر کے اسلامی لشکروں کو دھسوں میں باٹھنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ اس طرح مسلمانوں کی قوت منتشر ہو جائے اس لئے اگر جناب شریک جیلؓ کے لشکر کو سنبھالایا سہارا نہ دیا جاتا تو رومی اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتے۔

اب اگر اس رومی لشکر پر حملہ کر کے جناب ابو عبیدہؓ حالات کو سنبھال دیتے جو رومی لشکر جناب شریک جیلؓ پر حملہ آور تھے تو خطرہ یہ تھا کہ جناب ابو عبیدہؓ کے سامنے قرین کا لشکر خالی جگہ پر قبضہ کر کے مسلمانوں کے لئے خطرناک صورت حال پیدا کر دیتا۔ بلکہ پورے میدان جنگ میں انفراتفری پھیل جاتی۔ ان حالات میں جناب ابو عبیدہؓ کیلئے صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ اپنی صفوں کو قائم رکھتے ہوئے دشمن کے حملے کے زور کو درہم برہم کر دیں۔ آج کل کی فوجی اصطلاح میں ہم اس کو SPAILING کہہ سکیں گے۔ اور دین فطرت کے مجاہد جنگ کے سب اصول اپنے آقا سے سیکھ چکے تھے چنانچہ جناب ابو عبیدہؓ نے جناب یزیدؓ کو اور جناب عکرمہؓ سمیت اپنے تمام امرا کو حکم دیا کہ شمال مشرق کا ترچھا رخ اختیار کر کے وہ گریجویٹ اور قرین کے لشکروں پر حملہ کر دیں۔ اس بات کو سمجھنے کیلئے نقشہ بنم کے دوسرے مرحلے والے نقشے کی مدد لیں۔ یہ ایک عجیب و غریب صورت تھی۔ ترچھے حملے سے جناب شریک جیلؓ کو سیدھے طور پر تو کوئی ناڈہ نہ ہوا۔ لیکن کچھ رومی جو حملہ کر رہے تھے ان کے عقب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ان میں سے چند بھاگنے لگے اور چند میں انفراتفری پھیل گئی۔ اور آرمینیا کا لشکر رک گیا۔

باہن کے لئے اب عجیب قسم کے حالات پیدا ہو چکے تھے اور اس کو مسلمانوں کی اس کارروائی پر کسی رد عمل کی

کوئی بات سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔ اس لئے رومیوں کا حملہ رک گیا اور دوپہر سے پہلے یہ حالات ہو چکے تھے کہ دہلی ساکن ہو گئے اور اپنی پیش قدمی کو جاری نہ رکھ سکے۔ جناب ابو عبیدہؓ زیادہ پیش قدمی کی اجازت تو نہ دے رہے تھے کہ ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ لیکن مسلمانوں کا بھی ایک نقصان ہو گیا کہ ان کے دونوں بائیں دائے لشکر بھی رومیوں کے ساتھ الجھ گئے۔ جب سوزن ڈھلنے لگا تو دونوں لشکر پورے محاذ پر ایک دوسرے کے ساتھ نہ خفا تقسیم گتھا تھے بلکہ کسی حد تک ”بندھ“ بھی گئے تھے۔ جناب رزیدہؓ، گرگوری کے مقابلے میں جناب عکرمہؓ قرین کے مقابلے میں۔ جناب شرجیلؓ، آرمینیا والوں کے مقابلے میں اور جناب عمرو بن عاصؓ قناطیر کے مقابلے میں سخت الجھے ہوئے تھے۔

جناب خالدؓ کا جوانی حملہ

اب صرف اللہ کی تمنا جناب خالدؓ سالار اعظم کے حکم کے منتظر تھے۔ سوزن ڈھل چکا تھا اور جناب خالدؓ نے جب امین الامت کی طرف دیکھا تو انہوں نے جوانی حملہ کا اشارہ دے دیا۔ جناب خالدؓ تیار تھے بلکہ ان کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ انہیں اپنے دستوں کو متحرک کرنے کی کافی جگہ ملی گئی کہ جناب ابو عبیدہؓ درمیان سے آگے جا چکے تھے۔ جناب خالدؓ اپنے متحرک دستوں کو دھسوں میں تقسیم کر چکے تھے ایک سہ کی کمانڈ کا خود فیصلہ کیا اور ایک کی کمانڈ جناب ضرارؓ کو سونپ دی اس وقت تجویز پہلے دونوں کی تجویز سے مختلف تھی۔ جناب خالدؓ نے تو اسی جگہ سے حملہ کیا جہاں سے انہوں نے ایک دن پہلے یعنی جنگ کے تیسرے دن کیا تھا۔ اور دہلی ایسی کا دروائی کی امید بھی کر رہے تھے۔ لیکن جناب خالدؓ کا دوسرا حملہ جہاں انہوں نے جناب ضرارؓ سے کروایا وہ اس جگہ سے تھا جہاں جناب شرجیلؓ اور جناب عمروؓ کی حدود ملتی تھیں۔ اس تجویز کو سمجھنے کے لئے نقشہ نم کے دوسرے مرحلہ کے خاکہ کا مطالعہ کریں۔ رومیوں کا سب سے بڑا لشکر آرمینیا والوں کا تھا جس میں جملہ کے غسانی بھی شامل تھے وہ لشکر اب جناب خالدؓ کے ”قلاہوں“ میں پھنس گیا۔ بلکہ سامنے سے جناب شرجیلؓ کے لشکر نے بھی آرمینیا والوں پر حملہ کر دیا۔ آرمینیا والے بڑی بہادری سے لڑے اور گھسان کارن پڑا۔ دوپہر کے بعد سارا دن بڑی سخت لڑائی ہوتی رہی لیکن آخر آرمینیا والوں کے قدم اکھڑ گئے اور سخت جانی نقصان اٹھاتے ہوئے انہوں نے سپائی شروع کر دی۔ ادھر جناب عبیدہؓ کے ترچے حملہ سے آرمینیا والوں کے لئے عقب میں سپائی بھی مشکل ہو رہی تھی اور ان کا جملہ کے غسانی عربوں

سمیت اُس دن آنا نقصان ہوا جتنا پہلے تین دنوں میں ہوا تھا۔

جناب عمرو بن عاص کی نبض شناسی

اب جناب عمرو بن عاص کی نبض شناسی کام آئی۔ انہوں نے پہلے بھی زیادہ پسائی اختیار نہ کی تھی ان کے بائیں جانب جناب ضرارؓ محکم دستوں سے پیش قدمی کر رہے تھے۔ انہوں نے موقع کو غنیمت جانا اور اپنے دستے کو دائیں بازو سے آگے بڑھ کر دشمن پر ایک قسم کا گھیرا ڈالنے کی کوشش کی۔ اور سامنے سے پیدل دستوں کے ساتھ ایک بھر لوہر حملہ کر دیا۔ قناطیر کے یوپیوں دستے اگست کی گرمی میں پہلے ہی پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ لیکن یہ پسینہ لہو بچلنے کے کام نہیں آتا وہ الٹا لہو لہان ہو گئے۔ اور بری طرح مار کھائی۔ اسی طرح سے سورج عروب ہونے سے پہلے جناب عمرو بن عاص اور جناب شرجیلؓ نہ صرف اپنی کھوئی ہوئی زمین حاصل کر چکے تھے۔ بلکہ قناطیر اور آرمینیا کے لشکر کا نی حد تک گھیرے میں آپکے تھے اور مجاہدین جن جن کر ان کو داخل جہنم کر رہے تھے۔ یہ عمل سورج کے عروب ہونے تک جاری رہا۔ اور بڑی مشکل سے مسلمانوں کے دائیں بازو والے لشکروں کے سامنے سے نڈھال رومی اپنی پوزیشن پر واپس جا سکے۔

مسلمانوں کے حملے کے خلاف رومیوں کا رد عمل

اب حالات یہ تھے کہ اب تک اہل روم جارحانہ جنگ لڑ رہے تھے۔ جارحانہ جنگ میں تیر اندازوں کا استعمال محدود ہوتا ہے کہ حملہ شروع کرنے سے پہلے یا پسائی کے وقت تیروں کو دور مار ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے رومی فوج کے تیر انداز بھی تازہ دم تھے۔ بلکہ قرین اور گریجوی کے لشکر کے تیر انداز کافی حد تک تازہ دم تھے۔ تیر اس زمانے میں جارحانہ کارروائی کے وقت حملہ آوروں کو مقصود تک یا گتھم گتھا ہونے تک مددگار ہوتے تھے جیسے آج کل تو پچھانے کا فائربند گاڑیوں کا فائربند یا خود کار ہتھیاروں کا فائربند پیدل دستوں کو مقصود تک پہنچاتا ہے۔ لیکن دفاع میں تیر انداز اگر باقاعدہ طور پر استعمال کئے جاتے تو وہ جنگ کا رخ ہی تبدیل کر دیتے تھے اور اہل روم کے پاس تیروں اور تیر اندازوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ مسلمانوں نے جارحانہ کارروائی سے گریز بھی اسی وجہ سے کیا تھا۔ کہ اگر پہلے وہ ایسا کرتے تو وہ رومی

تیر اندازوں کے سامنے ترزا بن جاتے۔ چنانچہ جب یزید اور جناب عکرمہ سمیت جناب ابو عبیدہؓ کے تمام امرانے پیش قدمی کی تو اہل روم کے تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ سے مسلمانوں کی بُری حالت کر دی بلکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اہل روم آنکھوں کا نشانہ باندھتے تھے۔ اور اس دن سات سو مجاہدین کی آنکھوں پر تیر لگے، جن میں سے کئی مجاہدین کی آنکھ بھی ہمیشہ کے لئے ضائع ہو گئی روایت ہے کہ جناب ابوسفیانؓ کو ایک تیر طائفہ کی جنگ میں لگا تھا اور اس ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی یا اس میں نظر کم ہو گئی تھی اب اس جنگ میں ایک تیر آکر اسی آنکھ میں لگا اور اس میں اگر کوئی نظر باقی تھی تو وہ بھی ختم ہو گئی۔ بہر حال جو کچھ ہزارہ اللہ کی راہ میں ہوا۔ جن مجاہدین کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی ان کے مقامات اللہ تعالیٰ نے اور بلند کر دیئے۔ مسلمان ظاہری آنکھوں کی پروا نہیں کرتا۔ اس کے دل کا آئینہ صحیح ہونا چاہیے۔

سوز و گھٹنے کے بعد جب جناب خالدؓ نے جرابلس کا روانی شروع کر دی تو جناب ابو عبیدہؓ نے دونوں لشکروں کو پیچھے ہٹنے کے احکام دے دیئے کہ دشمن کے تیروں کی مار سے باہر بھگا جائے۔ لیکن پسپائی جس حالت میں بھی کی جائے یہ بڑی مشکل جنگی کارروائی ہوتی ہے۔ جیسے ہی اسلامی لشکروں نے قدم پیچھے ہٹائے قرین اور گرگوری کے لشکروں نے تعاقب شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اسلامی لشکروں میں کچھ بے ترتیبی بھی آئی۔ یہ دونوں رومی لشکر کافی حد تک تازہ دم تھے گرگوری کے لشکر نے دوسرے دن مار کھائی تھی۔ لیکن قرین کے لشکر نے دوسرے اور تیسرے دن کسی خاص کارروائی میں حصہ نہ لیا تھا۔ اس لئے ان دونوں لشکروں نے اپنے تعاقب کو حملہ کی شکل دے دی۔ اب اگر اس حملہ کو بروقت اور اپنی پرانی پوزیشن سے دور ہی نہ روکا جاتا تو میدان جنگ کا کھیل ہی تبدیل ہو جاتا۔ یہ بڑی نازک گھڑی تھی اور ضرورت اس کی تھی کہ اس سیلاب کے آگے بند باندھا جائے۔

جناب عکرمہؓ کی ثابت قدمی

یہاں پر جناب عکرمہؓ بن ابی جہل کی اسلامی غیرت کام آئی اور آپؓ کا نام ہماری تاریخ میں سہری الفاظ میں لکھا ہوا ہے عکرمہؓ کی بہادری پر تو کس کو کوئی شبہ نہ تھا۔ مسلمانوں کے خلاف

بھی وہ جنگ بدر، جنگ اُحد اور جنگ خندق میں دادِ شجاعت دے چکے تھے۔ بلکہ فتح مکہ کے وقت جناب خالدؓ کے دستہ کی مخالفت صرف جناب عکرمہؓ اور آپ کے بہنوئی صفوانؓ نے کی تھی۔ اس جنگ میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے جناب عکرمہؓ کے جواں سال بیٹے عمرؓ بھی شریک تھے۔ جناب عکرمہؓ اس سے پہلے سرہ، حضرموت اور یمن میں بہادری کے جوہر دکھا چکے تھے۔ جس کا ذکر حصہ اول میں آچکا ہے۔ اور اس کتاب کے شروع میں شام کی کاروائیوں کے سلسلے میں جناب عکرمہؓ کی بہادری کا ذکر ہو چکا ہے کہ انہوں نے کس طرح اسلامی غیرت کے تحت جناب خالدؓ بن سعید کے لشکر کو دشمن کے زرخے سے باہر نکالا۔

جناب عکرمہؓ کا دن

یہ اللہ کی عطا ہوتی ہے کہ اسلام کی ایک فیصلہ کن جنگ کے دن یعنی چوتھے دن نے جناب عکرمہؓ کے دن سے مشہور ہونا تھا۔ اور اسلام کی اس بلندی اور ارفع خصوصیت کا مظاہرہ ہونا تھا کہ اسلام میں آجانے کے بعد ماضی کی دشمنیاں اور گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ عکرمہؓ کے باپ عمرو بن ہشام نے جو ابو جہل کی کینیت سے معروف ہیں حضور پاکؐ کو بے حد اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں۔ اور باقی مسلمانوں کو جو تکلیفیں پہنچائیں وہ ایک پوری کتاب کا مضمون ہے۔ مسلمانوں کی مکہ سے اے سینیا یا مدینہ شریف کو ہجرت بھی ابو جہل اور اس کے رفقا کی شرارتوں سے تنگ آجانے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ جنگ بدر کی ذمہ داری بھی ابو جہل کے سر آتی ہے۔ لیکن اُس کے بیٹے عکرمہؓ آج ہمارے سر کے تاج ہیں کہ جنگ یرموک میں وہ ایک سال قائم کر گئے۔

شہادت پر بیعت

شہادت پر بیعت کا لفظ پہلی دفعہ جنگ اُحد میں سنتے میں آیا۔ جب متعدد صحابہ کرام نے جنگ کے دوسرے مرحلے پر شہادت پر بیعت کی اور عکرمہؓ جو اس زمانے میں مسلمانوں کے دشمن تھے انہوں



نے یہ نظارہ اسلام لانے سے پہلے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ آج وہی عکرمہ اسلامی غیرت کے تحت پکاراٹھے آؤ مسلمان شہادت پر بیعت کریں۔ وہ الفاظ کیا تھے؟

”خبردار۔ اے مسلمانو۔ اے اللہ اور رسول کے نام پر لڑنے والو! آؤ شہادت پر بیعت کریں کہ اس جگہ سے ہمارے قدم صرف شہادت ہی ہٹا سکتی ہے۔“

جہاں تک جناب عکرمہ کی آواز پہنچی سب مجاہدین لیک لیک پکاراٹھے اور روایت ہے کہ چار سو مجاہدین نے شہادت پر بیعت کی اور رومیوں پر ایسا بھرپور وار کیا کہ ان کے چھکے چھڑا دیئے۔ بلکہ رومیوں نے پسپائی بھی اختیار کرنا شروع کر دی۔ اب جناب ابو عبیدہؓ کے سامنے والے لشکر کے باقی امرا بھی ڈٹ گئے اور مسلمان ”بنیان المرصوص“ بن گئے۔ جناب یزیدؓ کے لشکر والے بھی جناب عکرمہؓ کے نزدیک تھے۔ یہ نظارہ دیکھ کر وہ بھی تم گئے اور اپنی صفیں بحال کر لیں بلکہ اب تک عورتیں بھی جنگ میں شریک ہو چکی تھیں۔ اور اس محاذ پر جناب خولہؓ بن اذرنہؓ بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ مردوں کو بھی حیران کر دیا اور ان کے بھائی جناب خراڑؓ دوسرے محاذ پر رومیوں کو تہمتیں نہس کر رہے تھے۔ جناب ہندہؓ اور جناب عکرمہؓ کی زوجہ ام حکیمؓ سب اس دن جنگ میں شریک ہوئیں اور پکار پکار کر مجاہدین کے حوصلے بڑھاتی رہیں۔

دوپہر کے بعد پورے محاذ پر بڑی گھمسان کی جنگ لڑی گئی۔ اور بڑے بڑے پہلوانوں نے مبارزتی بھی طلب کیں اور کئی مسلمانوں نے رومیوں کو داصل جہنم بھی کیا مسلمان بہادروں میں اس جنگ میں پہلی دفعہ مالک اشترؓ کا نام سننے میں آیا، جنہوں نے کئی رومیوں کو داصل جہنم کیا۔ تیسری اور چوتھی کتاب میں وہ اکثر جہاد ساتھ رہیں گے۔

چوتھے دن کی شام

چوتھے دن سوز و غمزدہ ہونے کے بعد جنگ تم گئی۔ مسلمان اپنی صفیں بحال کر چکے تھے رومی بڑی طرح مار کھانے کے بعد اپنے زخموں کو چاٹ رہے تھے۔ دونوں لشکروں کی تھکاوٹ کی کوئی حد نہ تھی۔ جناب خالدؓ اپنی صفوں کو درست کر کے فارغ ہوئے ہوں گے کہ ان کو خبر ملی کہ جناب عکرمہؓ اور ان کے بیٹے عمرؓ زخموں سے چھوڑ کر زندگی کے آخری لمحوں میں داخل ہو چکے ہیں اور اس محاذ پر متحدہ

مسلمان مجاہدین جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ چنانچہ جناب خالدؓ ادھر چل پڑے اور جب وہاں پہنچے تو جناب عکرمہؓ اور ان کے بیٹے عمرؓ اس وقت تک زندہ تھے۔ جناب خالدؓ نے دونوں باپ بیٹے کے سر اپنی گود میں رکھ لیے۔ گو مورخین نے ذکر نہیں کیا لیکن ضروری ہے کہ ام حکیمؓ بھی اپنے عظیم خاندان کے چہرے سے خون صاف کر رہی ہوں گی۔ بہر حال روایت ہے کہ جناب عکرمہؓ اور جناب عمرؓ دونوں کو شہادت کا تحفہ جناب خالدؓ کی گود میں پیش ہوا۔ جناب خالدؓ کی اپنی قسمت میں میدان جنگ کی شہادت نہ تھی۔ اور یہ ذکر بعد میں آئے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے قریب ترین رشتہ داروں کو خالدؓ کی گود میں شہادت کا تحفہ پیش کر کے جناب خالدؓ کی شہادت کی پیاس کو کچھ نہ کچھ ٹھنڈا ضرور کر دیا۔

جناب خالدؓ کا تبصرہ

غناک آنکھوں سے جناب خالدؓ صرف یہ کچھ کہہ سکے! کہ جو مخزوم نے اسلام کی اول اول دشمنی کے داغ آج دھو دیئے ہیں۔ اور ہماری بہن کے بیٹے کے اب تو سارے شکوک دور ہو جائیں گے۔

مخزوم جناب خالدؓ کے پردادا کے دادا کا نام تھا۔ اور وہی ابو جہل کے دادا پردادا بھی تھے۔ اس خاندان سے بہت کم لوگ مکہ میں اسلام لائے اور اسلام کی انہوں نے شروع میں بڑی مخالفت کی۔ حضرت عمرؓ کی والدہ اسی خاندان سے تھیں اور ابو جہل کی بہن تھیں۔ حضرت عمرؓ کو اس بات کا افسوس تھا کہ ان کی ماں کے خاندان سے شروع میں بہت کم لوگ مسلمان ہوئے اور انہوں نے شروع شروع میں اسلام کی خدمت نہ کی تھی اور جناب خالدؓ یہی فرما رہے تھے۔ کہ اب ہم جو اسلام لے آئے تو اسلام کی خدمت میں پرانے داغوں کو بھی دھو رہے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ کو اب تو ہماری کارکردگی سے تسلی ہو جانی چاہیے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جناب خالدؓ کے صحیح الفاظ یہ ہوں کہ ہماری بہن حنتمہؓ کے بیٹے کے اب تو شکوک دور ہو جانے چاہئیں۔ کہ جناب حنتمہؓ جناب فاروق کی والدہ کا نام تھا۔ اور جناب خالدؓ کے ان الفاظ میں نہ کوئی سبب ہے نہ طعنہ اور نہ کوئی شک وغیرہ۔ لیکن طبری اور اس زمانے کے ایک مبصر نے ان الفاظ کی ادائیگی کو ایسا رنگ دیا ہے کہ سارے معنی الٹ ہو جاتے ہیں۔ بات تو سیدھی تھی کہ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جناب عمرؓ کو اپنے ننھیال پر اب فخر کرنا چاہیے۔ لیکن طبری نے یہ الفاظ استعمال کئے۔ کیا حنتمہؓ کا بیٹا یہ سمجھتا ہے کہ ہم شہید نہیں ہو سکتے؟ یہ لفاظی ہے اور سارے واقعہ کو اس طرح غلط رنگ مل جاتا ہے۔ دراصل جو لوگ

حضور پاک مکے رفقا کا ادب ملحوظ نہیں رکھتے وہ ایسی غلطیاں کر ہی جاتے ہیں۔ اللہ معاف کرے۔

بیوہ کی عزت افزائی

حقت اول کے بیسویں باب میں جناب مثنیٰ رضی کی وفات کے بعد ان کی بیوہ کی عزت افزائی کے سلسلے میں تفصیلی تبصرہ کیا جا چکا ہے اور جناب صدیق اکبر رضی اور جناب علی المرتضیٰ کی مثال پیش کی کہ انہوں نے جناب جعفر طیار رضی کی عزت افزائی کی۔ اس سلسلے میں اگر ہم مثالیں پیش کرنا شروع کر دیں تو کتاب انہی مثالوں سے بھر جائے گی لیکن جناب عمر فاروق رضی کی ماموں زاد بہن اور جناب خالد رضی کی بھتیجی جناب ام حکیم زوجہ عکرمہ کی مثال پیش کرنے میں ایک مقصد ہے کہ یہ بات عام تھی ام حکیم کوئی معمولی ہستی نہ تھیں۔ جناب عکرمہ کو اسلام کی طرف راغب بھی ان ہی نے کیا۔ بہر حال جناب عکرمہ رضی کی وفات کے بعد اسلام کے کسی مایہ ناز فرزندوں نے آپ کو نکاح کے پیغام بھیجے۔ جن میں جناب یزید بن ابوسفیان رضی کے علاوہ جناب خالد بن سعید بھی تھے جنہوں نے شام میں ایک لشکر کی شریعت شروع میں کمانڈ کی تھی۔ جناب ام حکیم نے جناب خالد بن سعید کے پیغام کو منظور فرمایا اور چار ماہ کے بعد شمالی شام میں نکاح ہوا اور نکاح کے دوسرے یا تیسرے دن جناب خالد بن سعید بھی ایک بھڑپ میں شہید ہو گئے۔ اور عدت پوری ہونے کے بعد ام حکیم کو جناب فاروق اعظم رضی نے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ کہ ماموں کی بیٹی، دوسرے ماموں کے بیٹے اور شہید عکرمہ رضی کی زوجہ اور پھر دوسرے شہید جناب خالد بن سعید کی زوجہ کی عزت افزائی کی ضرورت تھی۔

چوتھے اور پانچویں دن کی درمیانی رات

چوتھے دن کی جنگ شدید ترین تھی۔ تمام مجاہدین تھک کر چور ہو گئے تھے۔ جناب ابوجبیر رضی کے احکام کے مطابق اور حضور پاک سے سیکھے ہوئے طریقے کے مطابق امرات رات کے وقت چکر لگا کر دیکھتے تھے کہ آگے والے محافظ لوگ چوکنے میں یا نہیں۔ رات کے وقت دشمن پر بھی کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی اور اس کام کے لئے بھی کچھ لوگ مقرر کئے جلتے تھے جو دشمن کے نزدیک جا کر خبری کرتے تھے۔ امرات کو ملاحظہ کرتے تھے ان کو پسے سے مقرر کیا جاتا تھا اور پھر یاد دہانی بھی کرائی جاتی تھی کہ وہ اپنی ذمہ داری بھولی نہ جائیں اور ہماری فوج میں جو ڈیوٹی انسر یا ڈیوٹی ہے سی اور اور پر دالی سٹل پر پوری چھادنی کے لئے ملاحظہ والے انسر

مقرر کئے جاتے ہیں۔ یہ کام اہل یورپ نے مسلمانوں سے سیکھا۔

بہر حال اس رات جناب ابو عبیدہؓ نے کسی کو یاد دہانی کرنا مناسب نہ سمجھا اور حضور پاکؐ کے چیدہ چیدہ صحابہؓ جو آپ کے نزدیک تھے اُن کو لے کر آپ خود ڈیڑھ انصر میں گئے۔ ایک طرف مجاہدین کو دیکھتے گئے کہ وہ چوکنے ہیں یا نہیں اور ساتھ ہی حوصلہ افزائی اور دلجوئی بھی کرتے گئے۔ لیکن آپ حیران ہو گئے کہ آگے جناب زبیرؓ بن عوام گھوڑے پر سوار اپنے آپ بالکل ایسی ہی کارروائی کر رہے تھے۔ آپ نے اکیلے نہ تھے۔ دوسرے گھوڑے پر آپ کی ایک زوجہ محترمہ سوار تھیں۔ اور اسلام کے ان دونوں عظیم خاندانوں نبوی نے ایک نئی روایت قائم کی تھی کہ جب مجاہدین تھک گئے تو جناب زبیرؓ کی رفاقت اسلام کی ایک عظیم دستاویز بن گئی۔ دونوں نے ساری رات جاگ کر گزاری اور مجاہدین کی دلجوئی کرتے رہے۔

پانچواں دن

جنگ کے پانچویں دن طرفین نے صف آرائی ضروری کی۔ مسلمان مجاہدین بہت زیادہ تھکے ہوئے تھے اور وہ ابھی تک کسی جوانی یا جارجمانہ کارروائی کے بارے میں کچھ زیادہ نہ سوچ سکے۔ لیکن مسلمانوں کی حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی کہ رومیوں نے بھی کوئی حرکت نہ کی۔ دو تین گھنٹے مسلمان انتظار کرتے رہے کہ شاید رومی کوئی حیران کارروائی کریں یا بھرپور حملہ کر کے زندگی اور موت میں سے ایک چیز کو حاصل کر لیں۔ اُس وقت تک تقریباً ایک لاکھ سے زیادہ رومی زندہ تھے۔ لیکن کسی محاذ سے رومیوں کی کوئی حرکت نظر نہ آئی، ہاں دو تین گھنٹے کے بعد ایک آدمی آگے نکلا اور امن کے سمجھوتے کی پیش کش کی، کہ لڑائی سے کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا اس لئے بہتر ہے کہ امن کا کوئی سمجھوتہ کر لیا جائے۔ کچھ مورخین نے لکھا ہے کہ جناب ابو عبیدہؓ تو بات چیت کے لئے تیار تھے، لیکن جناب خالدؓ نے مشورہ دیا کہ ایسا نہ کیا جائے۔ یہ تبصرے صحیح نہیں معلوم ہوتے اور ظاہر کرتے ہیں کہ جناب ابو عبیدہؓ بڑے امن پسند تھے اور جناب خالدؓ بڑے جنگجو تھے۔ بات سیدھی ہے کہ حضور پاکؐ کے رفقاء بڑے جنگجو بھی تھے اور بڑے امن پسند بھی تھے کہ امن طاقت سے قائم ہو سکتا ہے۔ اب جب اہل روم جنگ

علا جناب زبیرؓ بن عوام حضور پاکؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ اور اُن کی یہ اہلیہ جناب صدیق اکبرؓ کی بیٹی تھیں جو ذوالناطقیںؓ کی کنیت سے مشہور ہیں بلال مصطفیٰؓ کے منفر ۵۳، ۵۱، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۱ اور ۱۳۲ پر خانہ کعبہ کا دروازہ

چکے تھے، تو ان کے ساتھ کیا سمجھوتہ کیا جاتا؟ اہل اسلام پر ظاہر ہو چکا تھا کہ رومی اب کوئی جارحانہ کارروائی کرنے کے قابل نہ تھے۔ لیکن اُس وقت تک بھی رومیوں کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ کہ چالیس ہزار تو صرف گھڑ سوار تھے۔ اور باقی اسی ہزار یا ایک لاکھ فوج سے کم از کم آدھے تو لڑنے کی سکت رکھتے ہوں گے۔ رومی ایک چال کا سوچ رہے تھے، کہ موسم اور زمین دونوں نے اُن کا ساتھ نہ دیا تھا اور اُن کی طاقت ویسے جواب دے گئی تھی کہ بنیان المرصوص کے ساتھ چار دن ٹکرا کر وہ اپنا سر ہی پھوڑتے رہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح میدان جنگ سے فرار اختیار کر کے کسی اور مقام پر مسلمانوں کے ساتھ اپنی چینی ہوئی زمین اور موسم میں ٹکر لینے کے بارے میں سوچ رہے تھے، اس میں بھی مسلمانوں کی فتح تھی۔ لیکن ادھوری فتح یہ مسلمان رومی لشکر کے ساتھ ملی جو ہے کا کھیل کھیلنے کے لئے تیار نہ تھے وہ اُن کو اس میدان جنگ میں برباد کرنا چاہتے تھے اس لئے خواہ کتنی تھکاوٹ کیوں نہ ہو، اب مسلمانوں کو دشمن کی فوجی قوت برباد کرنے میں دیر نہ لگانا چاہئے تھی۔

چٹادان

چنانچہ امین الامت اور لشکر کے سالار نے اگلے دن کے لئے جو تجویز مرتب کی اُس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا کہ تمام محاذ پر رومی فوجوں کو ایک ہی دن میں ختم کیا جائے گا اور اُن کے بھاگ کر جانے والے راستے کی ناکہ بندی رات کو ہی کر دی جائے گی۔ حملہ دائیں بازو سے کیا جائے گا اور اسی کو آگے بڑھاتے ہوئے سارے دشمن کو ختم کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ زمین کے مطالعہ میں ہم کہہ آئے ہیں کہ دایاں بازو محدود پھیلاؤ دیتا تھا اور گو عمر دین عاص کا لشکر جس نے حملہ کی ابتدا کرنی تھی وہ پچھلے چار پانچ دن لگاتار سخت وباؤ کے نیچے کام کرتا رہا۔ لیکن اس محاذ پر رومیوں کی بھی ایسی گت بنائی گئی تھی کہ قناطیر اور باہان کے لشکر بھی ادھ مرنے ہو چکے تھے۔ رومی فوج کی تعداد کافی تھی۔ سامنے سے کوئی کارروائی کوئی ٹائمہ نہ دیتی کہ رومی تیرا اندازوں نے جنگ کے چوتھے دن مسلمانوں کو جو نقصان پہنچایا تھا وہ سبق آموز تھا۔

اس جارحانہ کارروائی کے لئے تمام گھڑ سوار جناب خالد کے متحرک دستوں میں آکر شامل ہو گئے کوشش یہ کرنا تھی کہ رومی رسلے کو جنگ میں الجھا کر ناکارہ کر دیا جائے یا اُن کی بہت توڑ دی جائے

تاکہ دشمن جوابی جارحانہ کارروائی یا مقامی طور پر بھی جوابی حملہ کرنے کے قابل نہ رہ جائے۔ رومی ریلے دالے تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ لیکن چند عرب غسانی شہسواروں کو چھوڑ کر باقی رومی رسالہ میں بہت بھاری بھر کم قسم کے سوار تھے۔ اول تو رومی گھوڑے، عرب گھوڑوں کی طرح ہلکے پھلکے نہ تھے دم رومی شہسوار بھاری بدن تھے اور گھوڑوں پر بوجھ زیادہ ہوتا تھا۔ سوم ہر رومی سوار کی ضروریات زندگی اور ہتھیار زیادہ ہوتے تھے اور وہ سب گھوڑے پر لادے ہوئے ہوتے تھے۔ مسلمان سوار صحرائی عقابوں کی طرح بھیسٹ پلٹ کر متحرک نہ طریقے سے حملے کرتے تھے اور وہ رومی سواروں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیتے تھے۔

رومیوں کی ناکہ بندی

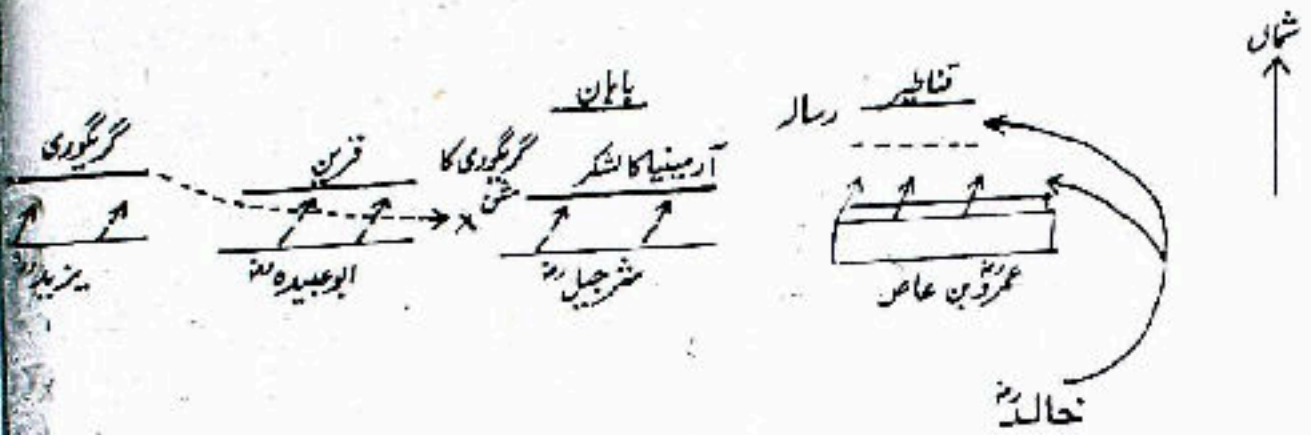
جناب سپہ سالار اعظم اپنی کامیابی کے لئے بالکل پر امید تھے اور رومیوں کی ناکہ بندی کے لئے انہوں نے جناب فررار کو پانچ سو سواروں کے ساتھ وادی رقاہ میں بھیج دیا تھا تاکہ رومیوں کی پسپائی کی صورت میں وہ مناسب کارروائی کریں۔ جناب فررار پہل بہت یعقوب کے عقب میں جا کر چھپ گئے۔

تبصرہ

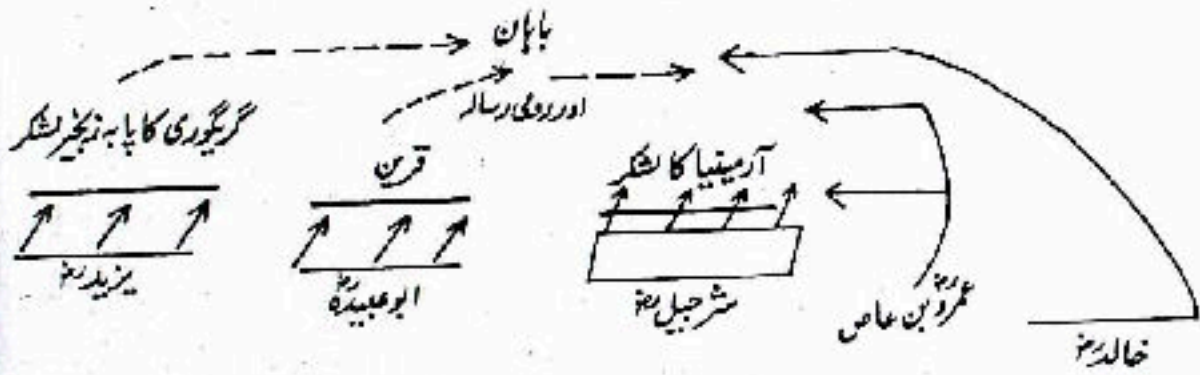
یہاں پر کچھ تبصرہ اور موازنہ ضروری ہے۔ تاریخی حیران ہوں گے کہ اتنی بڑی فوج کی پسپائی کی ناکہ بندی صرف پانچ سو شہسواروں سے کی گئی۔ یہ ایک اصول ہے کہ پسپائی کے راستوں کی ناکہ بندی جتنی کم نفی سے کی جائے اتنی ہی بہتر ہوتی ہے۔ اگر زیادہ نفی سے پسپائی والوں کا گھیرا ڈالنے کی کوشش کی جائے تو اپنا بھی نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پسپائی کے راستے مسدود کرنے کی کارروائی بڑی مہنگی بھی پڑ سکتی ہے اور یہ ایک مشکل قسم کی حربی چال ہوتی ہے۔ صحیح مقام کو چننا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ مقام کو چننے کے بعد اس مقام پر دستوں کی تعیناتی کا کام اور مشکل ہو جاتا ہے۔ اور تعیناتی کے بعد دستوں سے کام لیا اور کارروائی کو پایہ تکمیل تک پہنچانا اور بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

نقشہ دوم الف . یزیدوں کی جنگ . خاکہ بغیر سکیل کے

چھٹے دن کی جنگ . مسلمانوں کی پہلے مرحلہ کی کارروائی



مسلمانوں کے دوسرے مرحلہ کی کارروائی



جنگ
لیکن
ابوعبیدہ
بابان

گرگوری کی مبارزت

بہر حال چھٹے دن صبح سویرے جب مسلمان جوابی حملہ کے لئے کمر بستہ ہو رہے تھے تو رومی فوج کے دائیں بازو کے لشکر کا کمانڈر گرگوری آگے نکلا۔ اور اونچی آواز میں پکار اٹھا۔ لڑائی کا فیصلہ نہیں ہوگا کہ میں مسلمانوں کے سپہ سالار کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ میرے سامنے آئے اور اس جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔ گرگوری کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ بہادر آدمی اور دنیا کا مانا ہوا شہسوار تھا۔ تیغ زنی کا ماہر اور لڑاکا تھا۔ رومیوں کی چال یہ تھی کہ اس طرح مسلمانوں کے سپہ سالار کو اگر وہ ختم کر سکے تو ان کے اپنے لشکر کے حوصلے قائم ہو جائیں گے اور مسلمانوں پر اس کا بھیانک اثر پڑے گا جس کے بعد وہ ضرور کسی صلح کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہو سکا تو اس کامیابی کے بعد وہ اعلان کر کے اپنے لشکر کو پسپا کر لیں گے اور بعد میں لڑائی لڑیں گے۔ دراصل رومی موسم کی وجہ سے بھی بڑے تنگ تھے۔ اور ان کی یہ بھی خواہش تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ ایسا مقابلہ کسی سرد علاقے میں ہوتا تو بہتر تھا۔

گرگوری کا یہ اعلان سن کر جناب ابو عبیدہ نے اپنا علم جناب خالد کے حوالے کیا اور فرمایا کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو خلیفہ دوم کے نئے احکام آنے تک جناب خالد ہی سپہ سالار رہیں گے اور پھر وہ خود گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کی طرف چل پڑے۔

تبصرہ

یہاں چند نکتوں کی وضاحت بہت ضروری ہے۔ اول ان مورخین اور مبصرین پر ہنسی آتی ہے کہ ساری جنگ کے دوران ان کا قلم ہی لکھتا رہا کہ جناب خالد رضی عنہ عملی طور پر سپہ سالار تھے اور جناب ابو عبیدہ ان کے ماتحت کام کر رہے تھے اور جناب ابو عبیدہ کو صرف درمیان والے لشکر کا کمانڈر ظاہر کرتے ہیں لیکن وہ سب یہاں اگر واقعات کی حقیقت کے تحت اپنی غلطی کو بھول جاتے ہیں، اور لکھتے ہیں کہ جناب ابو عبیدہ نے وقتی طور پر کمانڈ جناب خالد کو سونپ دی۔ ظاہر ہے کہ یہ لفاظی دلے لوگ وقتی لوگ ہوتے ہیں اور ان کو یاد نہیں رہتا کہ پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ انہی مبصرین میں سے ایک لکھتا ہے

کہ جناب ابو عبیدہؓ کے بارے میں ذاتی مبارزت کے سلسلے میں اہل لشکر کو شکوک تھے اور جناب خالدؓ نے ان سے گزارش بھی کی کہ ان کو آگے جانے کی اجازت دی جائے، ہم جناب خالدؓ کی آگے جانے کی اجازت والی بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کسی اور مجاہد بھی ایسے موقع پر جانا چاہتے ہوں گے لیکن اہل لشکر کے شکوک والی بات صحیح میں لاکر جناب ابو عبیدہؓ کی شان کو کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سوم جب جناب ابو عبیدہؓ کی کامیابی کا ذکر بیان کرتے ہیں تو اپنے قلم کے آثار چڑھاؤ سے قارئین کو لطف اندوز کرنے کی کوشش کرتے ہیں چہارم یہاں پر یہ پہلو بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جناب ابو عبیدہؓ نے جناب خالدؓ کو ہمیشہ اپنا نائب سالار سمجھا اور ہر خطرے کے وقت جناب خالدؓ کو ہی اپنی جگہ منتخب کرتے تھے۔ کیا وہ یہ سب کچھ خلیفہ دوم سے پردہ پوشا کے طور پر کر رہے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں! ایسی کوئی بات نہ تھی۔ خلیفہ دوم بھی جناب خالدؓ کے مقام کو سمجھتے تھے۔ اور ان کو جناب خالدؓ کے ساتھ کوئی ناراضگی نہ تھی اور نہ جناب خالدؓ کو خلیفہ دوم کے ساتھ کوئی رنجش تھی۔ یہ بھی روایت ہے کہ جناب فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ لوگوں کو خیال ہو گیا ہے کہ سب فتوحات جناب خالدؓ اور جناب مثنیٰ بن عمارؓ کی وجہ سے ہو رہی ہیں۔ اس لئے بہتر ہو گا کہ دونوں کو سپہ سالار ہی سے بتلایا جائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فتوحات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ جناب مثنیٰؓ کو شہادت مل گئی اور جناب خالدؓ کو صرف ایک درجہ نیچے لایا گیا

گرگوری اور جناب امین الامت کا آمناسانا

جناب ابو عبیدہؓ کی شان کو سب اہل لشکر خراب سمجھتے تھے کہ وہ امین الامت ہیں۔ اور جناب ابو عبیدہؓ کی ذاتی بہادری، شہسواری، تیغ زنی اور حربی خوبیاں کسی سے چھپی ہوئی نہ تھیں۔ جیسے ہی دونوں کا آمناسانا ہوا۔ تیغ زنی کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ یہ مقابلہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ دونوں شہسوار دلکھنے، بچاؤ کرنے، تلوار کے استعمال اور ہاتھوں کی حرکت کے ماہر تھے۔ دونوں لشکر نحو حیرت تھے اور ان کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کون برتر ہے اور کون اپنی برتری سے دوسرے کو بچاؤ کھا سکے گا۔ کہ اتنے میں گرگوری نے بچاؤ کرتے ہوئے اپنے گھوڑے کو سر پٹ اپنی فوجوں کی طرف دوڑا دیا۔ مسلمانوں نے نعرہ بجزیر کی صدا بلند کی کہ دشمن ہار گیا۔ لیکن جناب ابو عبیدہؓ اس کا کام تمام کرنے پر تیلے ہوئے تھے۔ اور اس پر نظر رکھے ہوئے تھے چنانچہ انہوں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

گریگوری کا قتل

کوئی سو قدم جانے کے بعد گریگوری نے جان بوجھ کر اپنی رفتار ایسی مدہم کر دی کہ جناب ابو عبیدہؓ اس کے نزدیک پہنچ گئے ہیں تو وہ اچانک ایسا رکا کہ اگر جناب ابو عبیدہؓ کی بجائے کوئی اور ہوتا تو اپنا توازن کھو بیٹھتا۔ اور اسی حساب سے گریگوری نے اپنی تلوار کا سخت وار کر دیا۔ یہ دھوکا تھا۔ اس کو داؤد جی کہہ سکتے ہیں لیکن یہ دغا بازی کے تحت نہیں آتا۔ بہر حال جنگ میں ایسے دھوکے یا داؤد بڑے نتیجے کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن امین الامت کا دل اللہ تعالیٰ کے نور سے منور تھا۔ انہوں نے اپنی روشن ضمیر سی پر پردے ڈالے ہوئے تھے جیسے ہی گریگوری نے رک کر تلوار کا وار کیا، جناب ابو عبیدہؓ مسکرائے اور اپنی تلوار کے معمولی اشارے سے اس کی تلوار کا رخ دوسری طرف کر دیا اور جلدی سے اپنی تلوار کے ساتھ گریگوری پر ایسا وار کیا کہ اس کا سر اس کے دھڑ سے جدا ہو کر زمین پر گر گیا تھوڑی دیر کے بعد گریگوری کا دھڑ بھی گھوڑے سے نیچے لڑھک گیا۔ گریگوری نے سر پر جو ٹوپی پہنی ہوئی تھی اس کی قیمت لاکھ درہم تھی اور یہ جناب ابو عبیدہؓ کے حصہ میں آتی تھی لیکن آپ نے اس طرف نگاہ بھی نہ کی پھر آپ اپنے گھوڑے کو واپس موڑ کر اپنے لشکر کی طرف چل پڑے۔

جناب خالدؓ کو جناب ابو عبیدہؓ کا انتظار تھا اور ان کے اپنے مقام پر واپس آ جانے کے بعد جناب خالدؓ نے مرحبا کی صدائی اور پھر اپنے متحرک دستوں میں پہنچ گئے۔

چالیس ہزار کا یہ لشکر ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ اب رومی لشکر اس کے آگے کیسے ٹھہر سکتا تھا۔ جناب ابو عبیدہؓ نے سب امر سے تیاری کے اشارے کو دیکھ کر اللہ اکبر کی صدا اس طرح دی کہ پورے چالیس ہزار مجاہدین کے نعرہ تبکیر سے دادی پر موک گونج اٹھی۔ اہل روم ہر طرف دھیاں دیئے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارے محاذ پر مجاہدین آگے بڑھ رہے ہیں رومی کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ جناب خالدؓ کے متحرک دستوں نے اس رومی رسالے پر دائیں بائیں سے حملہ کر دیا تو قناطیر کے پیچھے کھڑا کسی جوانی کا رردائی کی تیاری کر رہا تھا۔ مسلمان شہسوار پھیلے چار پانچ دن سے دفاعی اور محدود جارحانہ لڑائی لڑ رہے تھے۔ انہوں نے نہ صرف قناطیر کے عقب دایے رسالہ کو تہس نہس کر دیا بلکہ قناطیر کے لشکر کے عقب میں پیدل صفوں کو بھی تار کر رکھ دیا جناب عمرو بن عاصؓ اس

انتظار میں تھے۔ انہوں نے محمد دوحاڈ پر آگے بڑھ کر قناطر کے لشکر کے پنے کچے آدمیوں کو روند ڈالا۔ یہ ساری کارروائی بجلی کی تیزی کی طرح کی گئی۔ یہ تمام کارروائی ایک آدھ گھنٹہ میں ہو گئی اور اس سے پہلے کہ آدمیوں کچھ سمجھتے قناطر کا لشکر ختم ہو چکا تھا۔ یعنی اب وہ جنگ میں شرکت کرنے کے قابل نہ تھے۔ کچھ تو زخموں کو چاٹ رہے تھے اور کچھ میدان میں کراہ رہے تھے ایک آدھ آدمی جو زندہ بچا اُس نے آرمینیا والوں کے لشکر میں پناہ لی اور کچھ لوگوں نے میدان جنگ کو خیر باد کہہ دیا اور وہ بالکل عقب میں نکل گئے۔

رومی رسالے کا جوابی حملہ

بابان نزدیک تھا۔ اُس نے تمام رسالے والوں کو حکم دیا کہ اپنے لشکر کو چھوڑ کر آرمینیا والوں کے لشکر کے پیچھے پہنچ جائیں۔ اور اسلامی رسالے اور متحرک دستوں کو روکیں۔ اُس نے رسالے کو کمانڈر خود سنبھال لی اور جو اسامی سالہ آرمینیا کے لشکر کے عقب میں تھا اُس کی یلغار کو روکنے کی کوشش کی۔ جناب خالدؓ بھی یہی کچھ چاہتے تھے۔ بلکہ بابان نے اُن کے خواہش سے کچھ بڑھ کر کیا۔ بابان کے لئے صحیح طریقہ تو یہ تھا کہ آرمینیا والے لشکر کے رسالے کو بھی قرین کے لشکر کے پیچھے لے جاتا اور وہاں پر پچھے ہوئے تینوں رسالے کے دستوں سے مل کر مسلمانوں پر جوابی حملہ کرتا۔ لیکن اُس نے جلد بازی میں جو کچھ مل سکا اُس کے ساتھ مسلمانوں کی یلغار کو روکنے کی کوشش کی۔ نقشہ دہم الف کے دوسرے مرحلہ کی کارروائی سے دونوں رسالوں کے ٹکرانے کی بات سمجھ آجاتے گی۔ جناب خالدؓ کی خواہش یہ تھی کہ اہل روم کی پیدل فوج اور رسالے کو الگ الگ کر دیا جائے اور یہ مدعا پورا ہو گیا۔ چنانچہ بابان کے رسالے والے جیسے ہی جناب خالدؓ کے متحرک دستوں کے سامنے آئے تو اہل روم کو صحرائی گھوڑوں کے مسلمان شہسواروں نے جنگ کے وہ تماشے دکھائے کہ رومی رسالے والوں کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے مسلمان شہسوار کھلے میدان میں ہلکے پھلکے عربی نسل کے گھوڑوں کی تہسوار سی اور گھوڑوں کی پیٹھ پر لڑائی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ گو رومی رسالے والے تعداد میں زیادہ تھے، لیکن وہ منتشر گرد ہوں میں میدان جنگ میں آئے انہوں نے لڑائی کے میدان میں کچھ بہادری ضرور دکھائی، لیکن اول تو وہ لوگ رد عمل کے طور پر آگے آئے تھے۔ دو تینوں حصوں میں کوئی ربط نہ تھا۔ وہ بے ترتیبی سے لڑ رہے تھے۔ جناب خالدؓ

کے متحرک دستے ربط و ضبط کے ساتھ تجویز کے تحت باری باری ایک ریٹے کی طرح دستوں کو بڑھاتے تھے اور ہر ریٹے کے یہ سوار جھپٹ جھپٹ کر حملہ کرتے ہوئے رومی رسالے کی صفوں کو چیر کر رکھ دیتے تھے چنانچہ رومیوں کو بہت جلد پتہ چل گیا کہ ان کا رسالہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور بعض سواروں نے فرار اختیار کرنا شروع کر دیا۔

رومی رسالہ کی شکست

جنگ یرموک کے چھٹے دن کی یہ کارروائی بڑی اہم ہے کہ تقریباً تیس ہزار نفری کا رومی رسالہ ہاتھوں ہاتھ کی جنگ میں متحرک مسلمانوں کے رسالے سے شکست کھا گیا جن کی نفری آٹھ دس ہزار سے زیادہ نہ تھی اس میں چند نکلتے ہیں۔ اول مسلمان جنگ کے سلیقے یا فن میں رومیوں سے بہتر تھے۔ دوم مسلمانوں کا جذبہ بہت اعلیٰ اور ارفع تھا۔ سوم وہ ربط کے ساتھ اپنے امیر کی تجویز کے تحت اپنے چھوٹے امیروں کے ماتحت لڑائی لڑ رہے تھے اور اہل روم بے ترتیبی سے رد عمل کے طور پر جنگ لڑ رہے تھے، بے ترتیبی میدان جنگ میں ساتھ نہیں دیتی۔ اس لئے اہل روم میدان جنگ چھوڑ کر شمال کی طرف بھاگنے پر مجبور ہو رہے تھے اور لطف کی بات یہ ہے کہ باہان جو اپنے آرمینیا کے لشکر کو چھوڑ چکا تھا۔ وہ بھی رسالے والوں کے ساتھ میدان جنگ سے فرار ہو رہا تھا۔ اب وہ باقی تین لشکروں کے پیدل دستوں کی طرف نہیں جاسکتا تھا۔

جنگ کی فیصلہ کن گھڑی

یہ جنگ کی فیصلہ کن گھڑی تھی اور جنگ کا فیصلہ تو ہو چکا تھا۔ دراصل اسلامی لشکر کے سالاروں کے حساب سے تو جنگ کا فیصلہ ان کے مطابق ایک دن پہلے ہو چکا تھا کہ انہوں نے رات کو اپنے دستے رومیوں کی ناکہ بندی کے لئے بھیج دیئے تھے۔ لیکن ابھی سورج دوپہر تک نہ پہنچا تھا۔ ایک طرف گرگوری مارا جا چکا تھا۔ باہان رسالے والوں کے ساتھ مل کر میدان جنگ سے فرار اختیار کر رہا تھا۔ دیر جان پہلے ہی مارا جا چکا تھا۔ فناطیر کا لشکر تہس نہس ہو چکا تھا۔ لیکن رومیوں کے تین لشکر ابھی تک باقی تھے اور ویرجان کی جگہ نیا کمانڈر قرین اس وقت تک میدان جنگ میں موجود تھا۔ اور تینوں لشکروں

کی تعداد مسلمانوں کے لشکر سے دوگنا تھی۔

جناب خالد کا آرمینیا کے لشکر پر حملہ

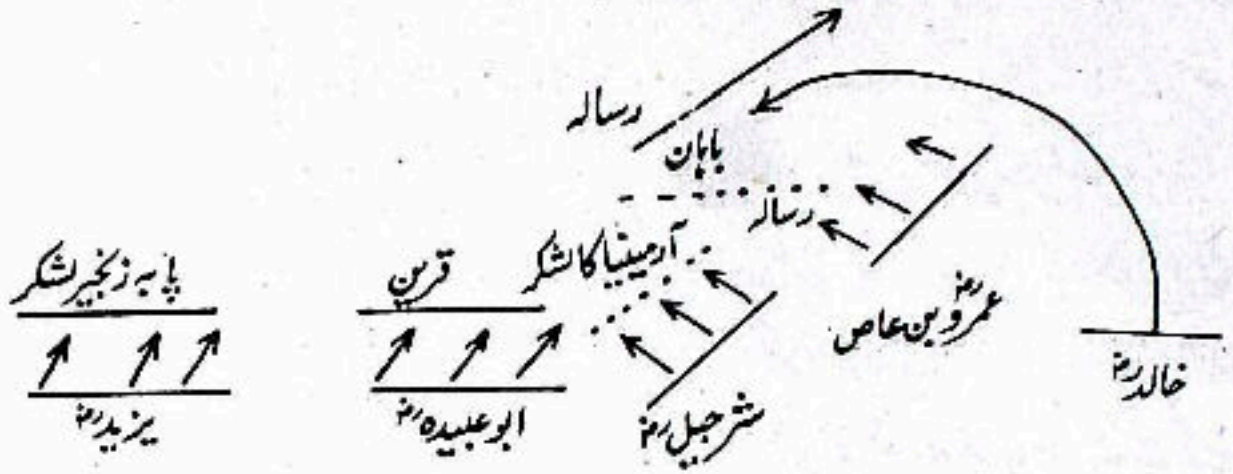
اب سوال یہ تھا کہ جناب خالد دشمن کے رسالے کا بیچھا کرتے یا پہلے باقی ماندہ پیدل فوج پر حملہ کر کے پیدل فوج کو تہس نہیں کرتے۔ یہ بڑا مشکل فیصلہ تھا۔ تعاقب کے جو شمرات جلدی میں حاصل ہوتے ہیں وہ بعد میں حاصل نہیں ہوتے۔ لیکن پسپائی صرف رسالے والے کر رہے تھے۔ صرف رسالے کے تعاقب سے فائدہ کم ہوتے ہیں۔ چنانچہ جناب خالد نے رسالے والوں کا محدود تعاقب کیا کہ ان کو میدان جنگ سے بھگا دیا اور خود آرمینیا کے لشکر کے عقب پر حملہ کر دیا۔

ادھر جناب شرجیل جو اسی انتظار میں تھے انہوں نے سامنے سے آرمینیا والوں پر حملہ کر دیا اور جناب عمرو بن عاص بھی تناظر کے لشکر کو روک دیتے ہوئے اب آرمینیا والوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اسی دوران جناب البرعبیدہ اور جناب یزید کے لشکروں نے اپنے سامنے پیش قدمی شروع کر دی۔ اس لئے قرین اور مرے ہوئے گریگوری کا لشکر آرمینیا والوں کی کوئی مدد نہ کر سکا ہر طرف سے شدید حملوں کی وجہ سے آرمینیا والوں کی ہمت بھی جواب دے گئی پھر وہ شمال کی طرف تو بھاگ نہ سکتے تھے کہ ادھر جناب خالد کے متحرک دستے تھے اس لئے آرمینیا والوں نے مغرب کا رخ اختیار کیا کہ دریا کو پل سے عبور کر کے وہ دادی رقاہ والے راستے سے فرار ہو جائیں

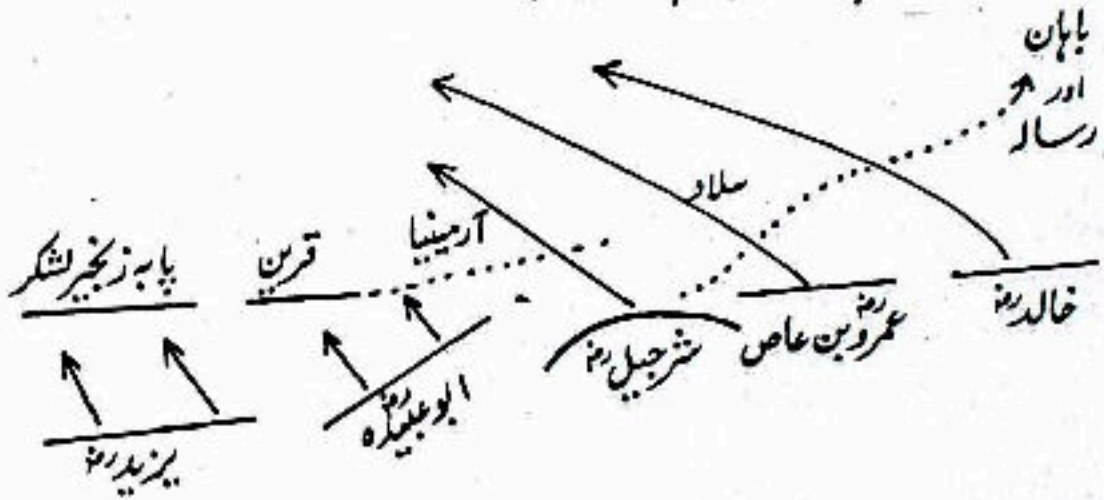
تبصرہ

بابان بڑی غلطی کر چکا تھا۔ اور رسالے کی کمانڈ خود سنبھال کر اس نے اپنے آپ کو رسالے کے ساتھ باندھ دیا۔ اب رومی فوج کسی سپہ سالار کے بغیر لڑ رہی تھی۔ اگر بابان کچھ متحرک دستے اپنے پاس رکھتا اور خود لشکروں کی کمانڈ آخری وقت تک کرتا تو شاید حالات اتنے خراب نہ ہوتے۔ میدان جنگ کے بڑے کمانڈر کو اپنے آپ کو مکمل طور پر متحرک دستوں کے ساتھ وابستہ نہیں کر دینا چاہیے۔ متحرک دستوں کے جب قدم اکٹھے جائیں تو وہ بھاگتے بھی آسانی سے ہیں جتنا تیز وہ حملہ کرتے ہیں۔ بابان اگر گھوڑے پر سوار رہ کر بھی پیدل دستوں کے ساتھ رہتا تو رومی رسالے والے اتنی تیزی کے ساتھ نہ بھاگتے۔ اور دوم پیدل دستے اس افراتفری سے

نقشہ دہم ب - یرموک کی جنگ . خاکہ بغیر سکیل کے .
چٹادان (تیسرا مرحلہ)



چٹادان (چوتھا مرحلہ)



فرار اختیار نہ کرتے۔ اور یہ اصول ہمیشہ یاد رہے یہ آج بھی اتنا اہم ہے جتنا اُس زمانے میں تھا۔

دوپہر کے وقت جنگ کا رنگ

پچھٹے دن دوپہر کے وقت جنگ کا رنگ یہ تھا کہ قناطیر اور آرمینیا کے لشکر تہس نہس ہو چکے تھے اور مغرب کی طرف بھاگ رہے تھے۔ رسالہ شمال کی طرف بھاگ گیا تھا۔ اب صرف قرین اور گریگوری کے لشکر باقی تھے اور ویسے تو ان دونوں لشکروں کی ملی جلی تعداد اب بھی مسلمانوں کے لشکر سے زیادہ تھی۔ میدان جنگ میں جب آدھے سے زیادہ لشکر کے قدم اکھڑ چکے تھے تو یہ در لشکر بھی نہ ٹھہر سکے۔ اور ابھی تک جناب خالدؓ کے متحرک دستوں نے ان کی پچھلی طرف حملہ نہ کیا تھا۔ لیکن ان لشکروں کی پچھلی صفوں نے خود بخود میدان جنگ کو چھوڑ کر مغرب یا شمال مغرب پل بنست یعقوب کی طرف فرار شروع کر دیا۔

کچھ مہرین کا خیال تھا کہ دونوں لشکر کس ترتیب کے ساتھ پسپائی کر رہے تھے اور شاید ایسا ہو لیکن ہارا تجزیہ ہے کہ ان حالات میں کوئی ترتیب قائم رکھنی بڑی مشکل بات ہے۔ آگے والی صفوں پر تو مسلمان حملے کر رہے تھے اور پیچھے سے لوگوں نے "کڑکڑوں" والا کام شروع کر دیا تھا اور اب پیچھے والے فاصلے کر بھاگ رہے تھے۔ سامنے سے ابتر گریگوری کی پابہ زنجیر فوج بری طرح پٹ گئی۔ گو اُن کی زنجیریں لچکدار تھیں لیکن زنجیریں کھولنے کا کام ہر جوان نہ کر سکتا تھا کہ زنجیر کھول کر بھاگ جائے جس کا نڈر کو تالا کھولنا ہوتا تھا۔ وہ خود شاید اپنے آپ کو زچ سے نکال کر ویسے ہی بھاگ گیا۔ اور گریگوری کے لشکر والے اس طرح بھاگ رہے تھے جس طرح بچے ایک دوسرے کے ساتھ ٹانگیں باندھ کر دوڑنے کا مقابلہ کرتے ہیں چنانچہ مسلمان مجاہد اُن پر پے در پے آسانی سے وار کر سکتے تھے۔

ردی پیدل فوج کا حشر

یروک کے میدان جنگ میں ڈیڑھ لاکھ ردی فوج سے تقریباً چالیس ہزار آدمی کھیت رہے

عرب بھارتی جاٹ رجمنٹ کا لشکر پر کھانا کھانے کے لئے جانے کے لئے لفظ جس کے معنی جنگ سے

بھاگتا بھی ہے۔

ہوں گے اور تیس ہزار کے قریب رسالہ جنگ سے فرار اختیار کر چکا تھا۔ باقی تقریباً اسی ہزار رومی سے تقریباً چالیس ہزار مجاہدین کے سامنے بھاگ رہے تھے۔ رومی پیدل فوج جو فرار اختیار کر رہی تھی اس کا رخ بھی پل بنت یعقوب کی طرف تھا۔ یہ سب کچھ دوپہر تک ہو چکا تھا۔ کیونکہ جیسے ہی طبر کا دقت ہوا مسلمانوں نے جنگ کا پانچویں مرحلہ شروع کر دیا اور اس کی بسم اللہ اس طرح کی جارہی تھی کہ وہی پیدل فوج اپنے فرار کے لئے رسالے والا راستہ نہ استعمال کرے۔ پھر جیسے رومیوں کے پہلے دستے نے پل کو پار کیا اور پل سے چند قدم نیچے وادی میں گئے تو جناب ضرار کے دستوں نے ان کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ یعنی یہاں پر آسمان سے گرے اور کھجور میں اٹکے والی بات ہو گئی۔

پہلے تو رومیوں کو بات کچھ سمجھ نہ آئی۔ کچھ دستے تو تہ تیغ ہو گئے لیکن تھوری دیر کے بعد رومیوں نے دیکھا کہ پل کو پار کرنے والے سیدھے راستے پر جلنے کی بجائے دائیں بائیں بھاگ رہے ہیں۔ یا پل سے واپس آنے کی کوشش کر رہے ہیں اور پل کا راستہ بند ہو گیا ہے یہ دھکا پیل دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ پہلے گزارش کر دی گئی تھی کہ ناکہ بندی محدود علاقے میں ایسے مقام پر ہونی چاہیے جس کا کچھ فائدہ اٹھایا جاسکے اور وہاں پر تھوڑی نفری ہی کام آتی ہے۔ جس نے رومیوں کو بھاگنے سے روک دیا اور اب اسلامی لشکر جو پیچھے سے رومیوں کا تعاقب کر رہے تھے انہوں نے رومیوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا جناب ضرار کے پانچ سو مجاہد ناکہ بندی کے لئے بہت کافی تھے۔

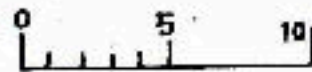
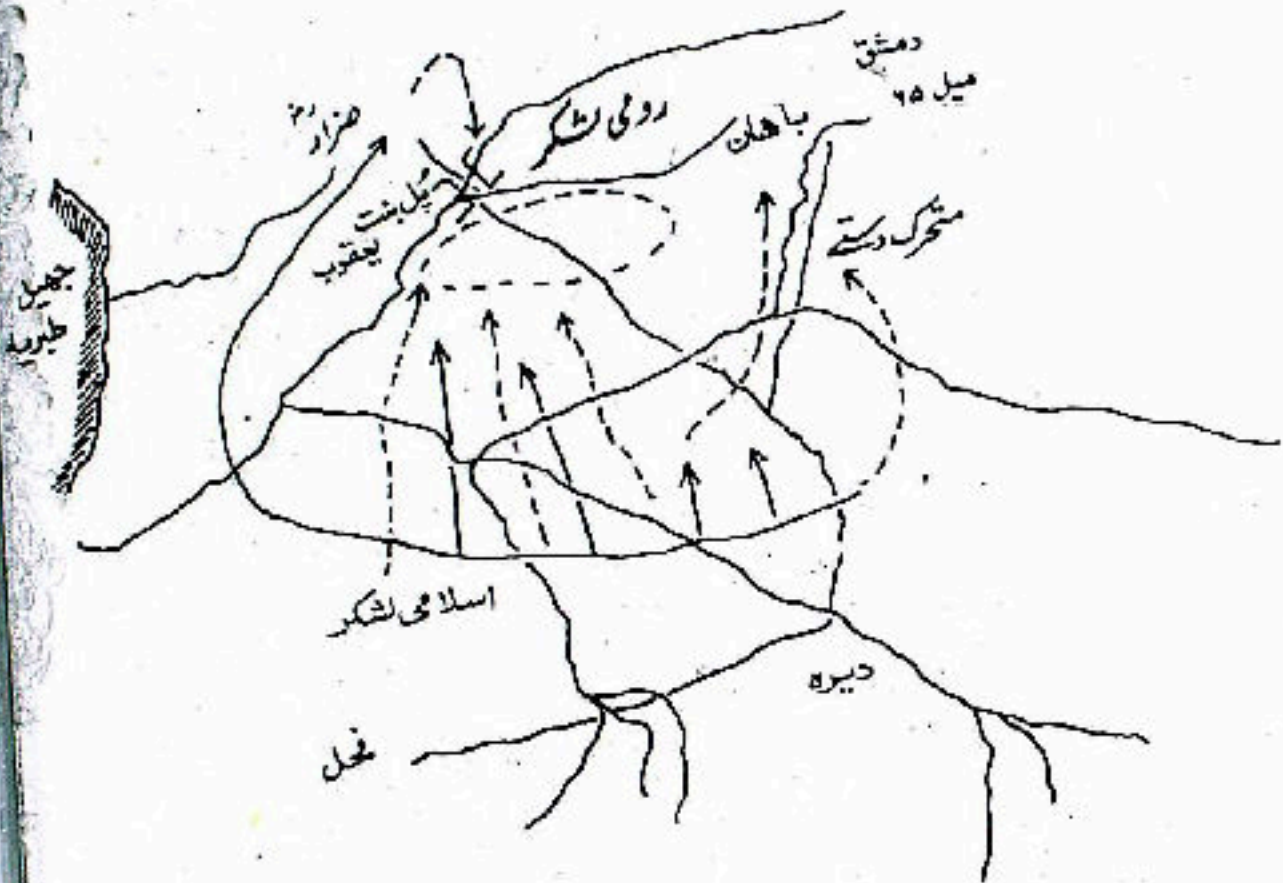
رومیوں کے لئے اب یہ طریقہ کار باقی رہ گیا تھا کہ پل کی بجائے انہوں نے دریا کے بیچ میں جہاں جگہ ملتی وہاں پر چھلانگ لگانا تھی۔ لیکن جگہ کہاں تھی۔ دریا کے کنارے کھڑے تھے۔ اور دریا میں پانی تھا یہ ایک ایسی گھڑی تھی جس کی تفصیل میں کوئی مورخ نہیں گیا۔ نقشہ یا زد ہم حالات کی کچھ نشاندہی کرتا ہے کہ رومی پل بنت یعقوب کے نزدیک ایک جگہ گھٹ کی صورت میں ریور کے گھوڑے کی طرح تھے۔ اور ایک ایک دو دو کر کے رومی جس جگہ سے بھی فرار اختیار کر سکتے انہوں نے کیا۔ سوزج کے غروب ہونے تک مزید تیس یا چالیس ہزار رومی مردہ حالت میں پل بنت یعقوب کے علاقے میں باقی رہ گئے اور باقی جا چکے تھے۔ باقی کہاں گئے اور کیا صورت اختیار کی یہ جاننا کسی رومی کے بس کی بات نہ تھی کہ دراصل جس کسی کا جہر منہ آیا وہ ادھر چل دیا۔ لڑائی کے چھٹے دن جب سوزج غروب ہوا تو رومیوں کا میدان جنگ رومیوں کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا مسلمان مجاہدین وادی رقاہ تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن وہ بھی

۲۱۳-۱

نقشہ یازدہم۔ یرموک کے میدان جنگ کے آخری لمحات۔ جہاں اہل روم کا

لشکر تہس تہس ہو گیا۔

شمال



تھک کر چور ہو چکے تھے۔ تعاقب کا دقت گزر چکا تھا اور کس کا تعاقب کرتے؟ تمبر بتر فوج اور اکیلے
جوانوں کے فوری تعاقب سے کچھ بھی حاصل نہ ہوتا۔ اس لئے مسلمان جاہدین رات کو جہاں تھے وہیں
یٹ گئے۔ 16

ساتواں دن

جناب خالدؓ البتہ تعاقب کے بارے میں سوچ چکے تھے اور ساتویں دن صبح سویرے جناب
ابو عبیدہؓ نے ان کو تعاقب کی اجازت دے دی۔ حضور پاکؐ سے سیکھے ہوئے طریقوں کے مطابق تعاقب
کو مسلمان بڑی اہمیت دیتے تھے اور یہاں علاقہ بھی میدانی تھا۔ لیکن یہ تو معلوم نہ تھا کہ دشمن نے
اگے سے کیا ترتیب اختیار کی ہوگی۔ تاریخیں یاد ہو گا کہ باہان رسالے کے ساتھ چھٹے دن دہرے
پہلے ہی میدان جنگ سے فرار اختیار کر چکا تھا۔ پہلے تو وہ لوگ خوب بھاگے۔ لیکن چند میل جانے کے
بعد باہان رک گیا۔ اس کو معلوم تھا کہ اُس کے لشکر کے ابھی ستراسی ہزار لوگ ضرور زندہ ہوں گے
اس لیے وہ اُن کا انتظار کرنے لگا کہ وہ کیسے اور کس حالت میں اُس کے پاس پہنچے ہیں اور اسی
حالت میں اُس کو شام پڑ گئی اور اُس نے پڑاؤ کر لیا۔ رات کے وقت پیدل فوج کے بھگوڑے
اُس کے پاس پہنچے اور اُس کو حالات سے کچھ آگاہ کیا۔ گو ایسے لوگ بہت کم تھے کہ پیدل فوجوں
کا زیادہ رخ شمال مغرب کی طرف تھا۔ بہر حال ایسے بھگوڑے لوگ حالات کو کبھی صحیح طور پر بیان نہیں
کر سکتے۔ ہر ایک اپنی رام کہانی بیان کرتا ہے۔ ایک تو اُسے میدان جنگ چھوڑنے کا جواز پیش کرنا
ہے۔ دوسرا وہ کچھ عجیب تذبذب میں ہوتا ہے کہ باقی لوگ مر گئے اور وہ کیسے بچ گیا حالانکہ ایسے
حالات میں تقدیر بچا کر لے آتی ہے۔ لیکن لوگ اپنی کہانی میں اپنی بہادری اور دشمن کے حملوں کی
سنختی کو ضرور لے آتے ہیں۔

باہان کا خاتمہ

باہان کو جب اس قسم کی خبریں ملیں تو اُس کو معاملات کچھ سمجھ نہ آئے اس لئے صبح سویرے
اس نے اپنے پڑاؤ سے کوچ ضرور کیا۔ لیکن وہ بہت آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ بار بار پیچھے دیکھتا تھا کہ

کوئی اور پچھے کچھے لوگ آکر اُس کے لشکر میں شامل ہو جائیں۔ یا حالات اور واضح ہو جائیں۔ وہ خود بھی تو بگڑا تھا۔ اپنے جواز کی تلاش میں اُس کو اپنے جیسے کافی ساتھیوں کا انتظار تھا۔ جناب خالدؓ کے دستے تیزی سے بڑھ رہے تھے اور جہاں باہن کا لشکر اُن کو نظر آیا۔ وہاں سے ایک چھوٹا راستہ اختیار کر کے جناب خالدؓ کے رسالے تے رومیوں کو عقب میں چالیا۔ باہن اب نگر مند ہوا۔ اور اپنی عقبی فوج کو ترتیب دے کر مسلمانوں کو روکنے کی کوشش کی۔ کہ اس طرح وہ چاہتا تھا کہ عقب میں کچھ دستے یلغار کو روکیں اور باقی لشکر دور نکل کر پھر راستہ میں ایک دستہ چھوڑیں جس کی مدد سے پسپائی جاری رکھی جائے۔ یعنی وہ اپنی پسپائی کو ترتیب دینا چاہتا تھا کہ باری باری رکاوٹیں پیدا کر کے پسپائی جاری رکھی جائے۔ لیکن قسمت نے یادری نہ کی باہن ایک مسلمان شہسوار کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

اس طرح رومی سپہ سالار کے قتل کے بعد رومی بھاری بھارے کی تیز اور پھر تیلے اسلامی رسالے نے جوگت بنائی وہ ظاہر ہے۔ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر مسلمان مجاہدوں نے بھاگتے رومی سواروں کو نشانہ بنایا۔ اور اکثر رومی گھوڑے بغیر سواروں کے دمشق پہنچے۔ لیکن زیادہ تر گھوڑے سوار کے مرنے کے بعد بڑک جاتے تھے اور تعاقب ختم کرنے کے بعد مسلمان مجاہد ان گھوڑوں کو ہانک کر واپس لے گئے۔ مرنے والے رومی سواروں کی لاشیں راستے میں بکھری پڑی تھیں۔

ایک مبصر کے مطابق جناب خالدؓ نے رومی رسالہ والوں کا دمشق تک تعاقب کیا۔ جہاں لوگوں نے اُن کو خوش آمدید کہا اور جناب خالدؓ نے لوگوں کو تسلی دی کہ مسلمان جلدی اُن کی حفاظت کے لئے پہنچ جائیں گے اور دوسرے دن واپس آکر اپنے لشکر میں مل گئے۔ دمشق یرموک سے پینسٹھ میل دور ہے۔ اگر جناب خالدؓ دمشق تک گئے تو جاتے ہوئے دو دن لگے ہوں گے۔ اور دو دن واپسی پر۔ لیکن خیال ہے کہ تعاقب صرف ایک دن ہوا ہو گا اور جناب خالدؓ اُس وقت دمشق تک نہ گئے ہوں گے۔ اکثر پرانے مورخین اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ بہر حال کچھ لوگ اپنی تحریروں کی لفاظی میں رنگ بھرنے کے لئے جناب خالدؓ کے نام کو استعمال کرتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کو "اندھی عقیدت" کی وجہ سے مسلمانوں کی ہرجنگ اور ہرکارروائی میں جناب خالدؓ ہی نظر آتے ہیں۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ جناب فاروق اعظمؓ نے جناب خالدؓ کو اپنے مقام پر رکھا کہ لوگ اُن کی پرستش نہ شروع کر دیں۔ کہ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ سب فتوحات اللہ تعالیٰ کی طرف سے

میں اور انسان عاجز ہے، اس سلسلے میں ہم سلسلہ اول میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیان کو اُس حصہ کے چھبیسویں باب میں واضح کر چکے ہیں کہ انسان عاجز ہے۔ بے شک ہم جناب خالد بن ولید کے قدموں کی خاک میں اور اُن کی فتوحات اور دین اسلام کی خدمات کے بیان کے سلسلے میں اپنے قلم کو عاجز پاتے ہیں۔

لیکن اسلام کے عظیم فرزندوں میں ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے۔ ہمارے لحاظ سے جنگ یرموک کی فتح کا شرف مسلمانوں کے سپہ سالار جناب امین الامت ابو عبیدہ بن جراح کو ملتا ہے یہ اللہ کی دین ہے۔ جنگ یرموک سے چھ ماہ پہلے ایک ایسا شرف عشرہ مبشرہ سے جناب سعد بن ابی وقاص قادیسیہ کے مقام پر حاصل کر چکے تھے کہ ایران کی بادشاہت کے پرچھے اڑ گئے۔ آج یہ شرف عشرہ مبشرہ سے جناب امیر المؤمنین علیؑ بن جراح کو حاصل ہوا کہ یرموک کے مقام پر رومی سلطنت کے بلاد شام میں پرچھے اڑا دیئے گئے۔ اور یہ دونوں شرف جناب فاروق اعظمؓ کو حاصل ہونے تھے کہ اُن کے رفیق، رفیق، مسلمانوں کے صدیق اکبرؓ اور ہمارے آقاؐ کے یارِ نثار جناب عبداللہ بن ابوقحافہؓ جس حکمت عملی کو متعین فرما گئے اُس کو فاروقؓ نے پروان چڑھایا۔ یہ سب اسم محمدؐ کی برکتیں ہیں۔

۷ قوتِ عشق سے ہر لیت کو بالا کر دے

دہر میں اسم محمدؐ سے اُجالا کر دے (اقبالؒ)

دنیا کی عظیم ترین فیصلہ کن جنگ

جنگ یرموک دنیا کی عظیم ترین فیصلہ کن جنگ ہے عقلی بیانیوں سے ناپتے ہوئے جنگ یرموک کے ساتھ تاریخ میں بہت کم جنگوں کا موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ اتنی فیصلہ کن کوئی جنگ نظر نہیں آتی جس کے تاریخ پر اتنے اثرات ہوں بلکہ چودہ سو سال سے اس جنگ کے اثرات جاری و ساری ہیں اور حق و باطل کی ٹھکر اپنی مقامات پر ہو رہی ہے۔ اس وجہ سے ہم نے لکھا تھا کہ اگر اس جنگ کو پہلے صلیبی جنگ کا نام بھی دے دیں تو کوئی ہرج نہیں کہ اتنے صلیبی جھنڈے نہ اس سے پہلے کسی جنگ میں اٹھائے گئے اور نہ بعد میں لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ اتنے جھنڈے کسی جنگ میں کبھی بھی اس طرح سرنگوں نہ ہوئے

حکمت عملی اور تدبیرات کے لحاظ سے بھی طرفین نے ہر سطح پر کوئی کثر نہ چھوڑی۔ واقعات کے بعد

کمانڈروں کی غلطیاں نکالنا بڑا آسان ہوتا ہے، اور کلاسوں کو کہتا ہے کہ ہر کارروائی کے بعد نقادوں کے لئے طرفین کی کارگردگی میں سے کیشے نکالنے آسان ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے کیشے نکالنے والوں نے خود کبھی یہ نہیں سوچا کہ اگر ان حالات میں وہ ہوتے تو کیا کرتے۔ اس میں شک نہیں کہ یرموک مسلمانوں کی ایک عظیم فتح ہے۔ لیکن ہر قتل کی حکمتِ عملی اور تدبیرات پر حرف نہیں آنا چاہیے اور باہن کی جنگی کارروائی پر بھی زیادہ تنقید نہیں ہو سکتی۔ بڑی سے بڑی غلطی اُس نے لڑائی کے آخری دن سیکہ کہ جلد بازی کر گیا اور پیدل فوجوں کو رسالے کی مدد کا کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔ اس طرح رومی چھوٹے لشکروں کے کمانڈروں نے بہادری سے مقابلے کیے اور بہادری سے لڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں کام آئے۔ مرنا وہی ہے جو لڑنا ہے۔ بھاگنے والوں میں سے تو کچھ بچ ہی جاتے ہیں۔

بہر حال مسلمانوں کو یہ سب کامیابیاں اس لئے ہو رہی تھیں، کہ وہ اسلامی فلسفہ حیات پر عمل کرتے تھے، لیکن بد قسمتی سے اس فلسفہ حیات پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم چوتھی کتاب میں اس پہلو کو ایک پورے باب میں بیان کریں گے۔ مانا کہ جنگ یرموک تاریخ کی ایک عظیم ترین فیصلہ کن جنگ ہے۔ لیکن مسلمان تاریخ کی یا شہرت کی پرواہ نہیں کرتا اُس کا نظریہ حیات یہ ہے کہ وہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دے گا۔ اور تاریخ کے بامقصد مطالعہ کا حکم ہے نہ کہ تاریخ برائے تاریخ، یا نام پیدا کرنے کے لئے۔ اس سلسلہ میں محمود غزنویؒ کا ایک فقرہ کافی ہے کہ میں روز قیامت بت شکن کے نام سے پکارا جانا پسند کروں گا۔

جنرل فلر کا تعصب

یہ تو تاریخ کا اسلامی پہلو تھا۔ لیکن غیر یہ بھی نہیں چاہتے کہ تاریخ سے ہم اپنے کارناموں سے سبق سیکھ کر اپنی حالت کو ٹھیک کریں۔ اب ایک طرف ان واقعات پر نظر ڈالیں، جو بیان کئے گئے ہیں۔ دوسری طرف جنرل فلر کے بیان پر نظر ڈالیں کہ مسلمانوں کی کل نفری بچیس ہزار بتا ہے۔ کہ ان کے اتھو پچاس ہزار رومی ایک ہی دن میں شکست کھا گئے۔ اس سے دو سال پہلے جنرل فلر کے حساب سے جا خاند

پانچ سو کی نفری کے ساتھ عراق فتح کر کے اجنادین کے مقام پر پہنچ گئے اور مسلمان دستوں کی کمانڈ سنبھالی لی جو چند سو یا ایک ہزار ہوں گے۔ اب دو سال بعد مسلمانوں کو جنرل فلر نے پچیس ہزار تو بنا دیا۔ چلو حالات کو کچھ وقت تو دی۔

۲۔ لیکن مشہور یورپین مورخ گبن تو تسلیم کرتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی اور رومی فون ایک لاکھ سے تجاوز کرتی تھی جن سے آدھے میدان جنگ میں مارے گئے۔ اور وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ جنگ کئی دن جاری رہی۔

۳۔ البتہ جنرل گلب اور جنرل فلر کے لحاظ سے مسلمانوں کی فتح ایک آندھی کی وجہ سے ہوئی۔ اور ریت کے چھینٹے ردیوں کے منہ پر پڑ رہے تھے۔ مسلمانوں نے اس موقع کا فائدہ اٹھالیا۔ ہم نے میدان جنگ میں آندھیاں چلتی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔ آندھی میں دفاع والا تو پھر بھی گزارہ کر لیتا ہے لیکن حملہ کرنے والے کو یا تو ہاتھ سے ہاتھ سمجھائی نہیں دیتا۔ یا ہوا آدمیوں کا رخ ہی پھیر دیتی ہے۔ آندھی ایک رخ پر قائم نہیں رہتی بلکہ تھوڑا تھوڑا سمت تبدیل کرتی رہتی ہے تب ہی درخت اکھڑ جاتے ہیں۔ پھر کسی مسلمان مورخ نے آندھی کا ذکر نہیں کیا۔

۴۔ اگست کا مہینہ تھا۔ اُس مہینہ میں اگر کوئی آندھی چلتی تو اُس کا رخ شمال سے جنوب کو ہوتا یا شمال مغرب سے جنوب مغرب کی آندھی ٹھنڈے علاقے کا ہوا کو گرم علاقے میں لے جاتی ہے۔ مسلمان جو ریگستان کی سمت میں تھے۔ وہاں سے پہاڑوں کی طرف کبھی آندھی نہیں چلتی۔ بلکہ چھوٹے پہاڑ بھی آندھی کو روک لیتے ہیں۔ تھل اور ضلع خوشاب سے کوہستان نمک کی طرف آج تک کوئی آندھی کبھی نہیں چلی۔ اگر تیز ہوا کسی طرف سے آئے بھی تو پہاڑ روک لیتے ہیں۔ اس لئے اگر کوئی آندھی چلتی تو وہ مسلمانوں کے حملے کے رخ پر اثر کرتی۔

۵۔ کیا جناب ابو عبیدہ کو پتہ چل گیا تھا کہ آندھی چلے گی؟ اور انہوں نے جناب ضرارہ کو پل بنت یثوق

پر رات کے وقت بھیج دیا۔ یہ سب سوچنے والی باتیں ہیں۔

۶۔ کیا سلطنتِ روم کی فوج آتی گئی گذری تھی کہ آندھی سے ایسی ٹسکت کھا گئی کہ قیصر روم ایشیا اور

خاص کر ملکِ شام کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ گیا؟

۷۔ جھوٹ کی بھی کوئی مد ہوتی ہے۔ لیکن ہم کیا کریں اہل یورپ کو ہمارے نام ہی سے نفرت ہے۔



اور اس کا صرف ایک علاج ہے کہ ہم پھر قرونِ اولیٰ والے مسلمانوں کی طرح فقرا اختیار کریں۔
 لفظِ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر

دوسرا نام اسی دین کا ہے فقیرِ غیور۔ (اقبالؒ)

نتائج و اسباق

۱۔ جنگِ یرموک کے نتائج اور ان کے اثرات چودہ سو سالوں سے قائم دائم ہیں۔ اور جاری و ساری بھی ہیں کہ حق و باطل کی ٹکر جاری ہے۔ آج بھی اُس دادی بلقا یا وادیِ یرموک کے ذکر سے ہمارے اخبار بھرے پڑے ہیں۔ آج وہی جولان کی پہاڑیاں، وہی بیت المقدس، وہی بیروت، وہی دریائے اردن اور اُس کا مغربی کنارہ ہر روز کسی واقعہ کے ساتھ وابستہ ہو کر ہماری آنکھوں کے سامنے آتے ہیں۔ اہل یورپ نے اسرائیل کو "جہنم دے کر صلیبی جنگوں کی شکل و صورت کو تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن مقاصد وہی ہیں انہوں نے پہلے عربوں اور ترکوں کو عرب اور ترک بنایا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ فلسطین کے مسلمان در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور ان کے بیوی بچوں کو بھی تہ تیغ کیا جا رہا ہے۔ علامہ اقبالؒ آنے والے حالات کو بھانپ چکے تھے۔

رندانِ فرانسس کا مینخانہ سلامت	پرہے مئے گلرنگ سے ہر شیشہ حلب کا
ہے خاکِ فلسطین یہ یہودی کا اگر حق	ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا؟
مقصد ہے ملکیت انگلیں کا کچھ اور	قصہ نہیں نارنج کا یا شہد و رطب کا۔

۲۔ بہر حال اُس وقت مسلمانوں میں جان تھی، تو یرموک کی فتح کے ثمرات اور عطیات اتنے زیادہ حاصل ہوئے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں سارے فلسطین و شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور کئی سو سال اہل روم کو اُس طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی سے صلیبی جنگوں کا جو سلسلہ شروع کیا گیا اُس کا بھی مسلمانوں نے بھرپور جواب دیا۔ پہلے عماد الدین زنگی اور نور الدین زنگی نے صلیبیوں کی طبیعت صاف کی۔ پھر سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُن کے مزاج درست کئے۔ لیکن سلطان بیبرس اور اس کے مملوک جانشینوں نے صلیبیوں کو بحیرہ روم میں کچے طور پر ڈبو دیا۔ اس کے بعد ترکوں نے اللہ اور رسولؐ کے جھنڈے اٹھائے اور یلغار پہ یلغار کر کے دو دفعہ وہ یورپ کے وسط میں دی آنا

تک گئے اور آخر کار پندرہویں صدی کے وسط میں قسطنطنیہ کو فتح کر کے انہوں نے قیصر روم کی سلطنت کو آبلے باسفورس میں پکے طور پر ڈبو دیا۔

ان شکستوں کے بعد اہل یورپ نے سو داگروں کا روپ دھا لیا اور جو کچھ ہمارے ساتھ کیا۔ اُس پر کسی تبصرہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ آخری دار جنگِ عظیم کے بعد کہ خلافت کو ختم کر کے مسلمانوں کی رہی ہی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ کمال ترکی کی غیروں کی اس سازش میں شرکت اور سرسید کی اس براعظم میں اسلام کو غیروں کے رنگ میں پیش کرنے کی سازش میں شمولیت از خود ایک کتاب کا مضمون ہیں اس کی جھلک البتہ ندوی صاحب کی کتاب - مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش - میں ملتی ہے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ افواجِ پاکستان نے اس کتاب کو پاکستان میں شائع کروا کے سب یونٹوں کی لائبریریوں کا حصہ بنالیا ہے اور ہر افسر کو ایک ایک کتاب دی گئی ہے۔ خدا کرے ہم غیروں کی سازش کو سمجھ جائیں کہ حق و باطل کا معرکہ جاری ہے اور اب ہماری باری ہے۔

۱۔ مسلمانوں کو مسلمان کر دیا طوفانِ مغرب نے - ملامت ہائے دریاہی سے ہے گوہر کا سیرابی

عظا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونیوالا ہے - شکوہ ترکمانی ذہن ہندی نطقِ اعرابی - (اقبال)

۲۔ جنگِ یرموک کی فتح کے فوری نتائج اگلے ابواب میں آئیں گے۔ کہ کس طرح جنگِ یرموک کے بعد ایک طرف بیت المقدس اور دوسری طرف شمالِ شام کے سارے علاقے آسانی سے فتح کر لئے گئے۔ ایک پہلو البتہ تجزیہ طلب ہے روایت ہے کہ مدینہ فتح کی خبر دینے کے لئے قاصد بھیجا گیا اور آئندہ کے حکمتِ عملی کی وضاحت طلب کی گئی۔ لیکن خلیفہ دوم کا کوئی اضطراب یا انتظار اس جنگ کے نتائج کے واسطے کسی مورخ نے بیان نہیں کیا تو کیا ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جناب ابو عبیدہ کے ہوتے ہوئے جناب فاروق رضی اللہ عنہ سمجھ رہے تھے کہ وہ خود وہاں موجود ہیں۔

۳۔ یہاں پر جنرل گلب کے تبصرہ کا جائزہ بھی ضروری ہے۔ اُس کے مطابق اگر مسلمان اہل روم کو اتنی بڑی شکست دے سکتے تھے تو پھر انہوں نے اتنی لمبی چوڑی پسپائی کیوں اختیار کی۔ رومیوں کو شمالی شام

۴۔ جلالِ مصطفیٰ کے سفر ۱۸ پر اس سلسلہ میں صرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اب کھل کر وضاحت کی جا رہی ہے۔ مصنف

کتاب مولانا سید ابوالحسن ندوی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔



میں ہی کیوں شکست نہ دے دی۔ سوال بڑا اہم ہے۔ ہم کلاسویز کی زبان میں جواب دیں گے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر اپنے علاقے کی وسعت زیادہ ہو اور ہسپانی کو اندرون ملک طول دیا جاسکے، تو بہتر ہوتا ہے کہ دشمن کو اپنے اندرون ملک لے جا کر اپنی مرضی کے مقام اور وقت پر شکست دی جائے۔ جناب ابو عبیدہ کا تجزیہ کچھ اس طرح کا معلوم ہوتا ہے :-

۱:- درمیانی علاقے کو اس لئے چنا گیا کہ پانچوں لشکر جلدی سے اکٹھے ہو جائیں اور مسلمانوں کی منتزعات ایک بنیاد پر مبنی بن جائے۔

ب:- جنگی مقام ایسا تھا کہ بازوؤں کی حفاظت بھی تھی۔ لیکن اگر اس مقام پر رومیوں کو شکست نہ دی جاسکتی تو مسلمان مجاہدین دائیں بازو سے نکل کر ریگستان میں جاسکتے تھے اور رومیوں کو یرموک سے آگے عمان یا موتہ کی طرف پیش قدمی کی ہمت نہ پڑتی۔

ج:- رومی اپنے دوست سمندر سے دور ہو گئے تھے۔

د:- موسم ایسا تھا کہ مسلمان گرم علاقے میں زیادہ دن ٹھہر سکتے تھے یورپ اور آرمینیا کے سرد علاقوں کے لوگ آگست کے مہینے میں یرموک کے میدان کی گرمی برداشت نہ کر سکے۔

۵:- مسلمان متحرک طرز جنگ کے اصولوں کو اپنائے ہوئے تھے۔ ان کے لئے کسی جگہ کو چھوڑ دینا یا کسی جگہ اچانک پہنچ جانا معمول بات تھی۔ ان کو کسی بندوبستی دُم کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ یرموک کے میدان میں بھی وہ ملک کی امید کے لئے ٹھہر گئے اور رومیوں کو پہلی کارہی دینا چاہتے تھے۔ ورنہ وہ کسی مقام پر لاکھ لشکر زیادہ دیر اکٹھا نہ رکھتے تھے۔ ان کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی زمین میں بڑی وسعت ہے اور وہ اس میں پھیل جاتے تھے۔

۶:- مسلمانوں کے سامنے ایک مقصد تھا کہ اللہ اور رسول کے احکام نافذ کریں اور ایسا کرنے

کے لئے اہل روم کو ایسی شکست دینے کی ضرورت تھی کہ وہ شام کو الوداعی سلام کر جائیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں نے یرموک کے مقام کو چنا۔ اور رومی ان کے داؤ میں آگے

۷:- تدبیراتی طور پر مسلمانوں کی صف آرائی اور دفاعی جنگ کو جارحانہ جنگ میں تبدیل کرنا ایک ایسی کارروائی ہے کہ دنیا کی عسکری تاریخ میں اس کی کو مثال نہیں ملتی۔ کلاسویز دفاع کو جنگ کے ایک طاقتور عنصر کے طور پر پیش کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ مسلمانوں کی عسکری تاریخ کا

مطالعہ کرتا تو وہ حیران رہ جاتا کہ دشمن سے طاقت میں کم تر ہوتے ہوئے مسلمانوں نے صف بندی کر کے اُس کے ساتھ توازن پیدا کیا۔ دفاعی انتہا سے فائدہ اٹھایا اور دفاعی جنگ میں اپنی اندرونی طاقت یا ذرائع سے جارح دشمن کا منہ پھیر دیا۔ اور پھر اسی دفاعی تعیناتی سے جارحانہ کارروائی پیدا کی۔ اور دشمن کی ناکہ بندی کر کے جارحانہ کارروائی کے نوری مہیات اور ثمرات وصول کئے اور دوسرے دن فوری تعاقب کر کے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ جنگ کے تمام مبصر اور نقاد یہ باتیں جانتے ہیں لیکن کسی ایک جنگ میں یہ سارے عملی سبق نہیں ملتے اور نہ ہی دنیا کے کسی ایک جرنیل نے کسی جنگ میں ایسا کر کے دکھایا ہاں حتیٰ و باطل کے پہلے محرکہ میں سرکارِ درعالم اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ہمیں یہ سبق سکھا گئے تھے کہ متحرک دفاع اپنا کر پہلے دشمن کے دار کا مقابلہ کیا جائے اور پھر اُس دفاع سے جارحانہ کارروائی پیدا کی جائے یہ تبدل کے مقام پر ہوا۔

۸۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ سے پہلے ہم نے جو دفاعی طریق کار اپنایا۔ اس میں بھی کار فرما اصول یہی تھا کہ دفاع کو جارحانہ صورت میں تبدیل کر دیں گے۔ لیکن طریقہ یہ اپنایا کہ ایک تہائی حصہ کو دفاع میں استعمال کریں گے اور دو تہائی کو پیچھے رکھیں گے کہ وہ جارحانہ کارروائی کریں گے۔ لیکن جب محاذوں پر پہنچے تو، پھیلاؤ اور طول کے باوجود یہ ایک تہائی حصہ اگلی دفاعی لائن پر پورا نہ ہو سکا اور نوے فی صد فوج اگلی دفاعی لائن پر تعینات کر دی۔ چنانچہ ایک اصول کے توجہ سے پہلے ہی پرچھے اڑ گئے، لیکن جنگ کے دوسرے یا تیسرے دن باقی دس فی صد کو بھی اگلی دفاعی لائن میں جانا پڑا اور ایسا وقت آ گیا، کہ بعض مقامات پر سپاہی محمد خان اور اس کے سامنے چھ انچ مٹی پاکستان کی دفاعی لائن تھی۔ ان میں سے بھی متعدد مجاہدین نے آخری دن اللہ کے نام پر اپنی جان قربان کر دی اور پاکستان کو بچا لیا جن میں سو کے قریب میرے ساتھی اور ماتحت بھی تھے۔ یہ دفاع جو ہم نے اپنایا تھا۔ غیروں کی نقالی تھی۔ اگر ہم جنگِ یرموک کے اسباق کی نقل کرتے اور خلفائے راشدین کی حکمتِ عملی اپناتے جس کے تحت پوری قوم کو اللہ کی فوج بنانا پڑتا ہے، تو اس بزرگ عظیم کی تاریخ تبدیل ہو چکی ہوتی۔

ع۔ جلال مصطفیٰ کے پہلے باب سے استفادہ کریں۔



۹۔ جنگ یرموک میں مسلمانوں نے دشمن کو مجبور کر دیا کہ وہ پہلے کاری کرے۔ جب دشمن کو پہلے کاری پر مجبور کر دیا جائے تو یہ پہلے کاری نہیں ہوتی۔ یہ رد عمل ہوتا ہے جس کو انگریزی میں "بد ضرورت (NECESSARY EVIL)" کہتے ہیں۔ ہم اس کو مجبوری کہتے ہیں۔ کہ ہمارے معاشرہ اور مزاج کے لحاظ سے ضرورت بری یا بد نہیں ہو سکتی۔

۱۰۔ مسلمان عورتوں کی جنگ میں شمولیت اور محاذ جنگ میں لشکروں کے ساتھ ہونے والی بات سے ہماری آنکھیں کھل جاتی چاہئیں۔ عورت کے پردہ والے معاملہ کے مطالعہ کی ضرورت ہے، عورت نہ تنہا ہے، کہ بازار میں اپنے حسن کی زیبائش کا مظاہرہ کرتی پھرے اور نہ گٹھڑی ہے کہ چار دیواری کے آس کو اٹھا کر باہر لایا جائے اور پھر واپس آکر گٹھڑی کی طرح چار دیواری کے اندر پھینک دیا جائے چار دیواری کے طور پر سے استعمال کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ اس چادر کے ساتھ عورت کو گٹھڑی کی طرح باندھ دیا جائے۔ پردہ کے فلسفے کو پوری قوم کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔ جس معاشرہ میں شرارت پسند لوگوں کو اتنی آزادی ہو کہ وہ عورتوں اور لڑکیوں پر آوازے کیسے یا ان کا پیچھا کریں وہاں چادر کا پردہ کس کام کا ہے پردہ کی زیادہ ضرورت مردوں کے لئے ہے کہ وہ عورت کی عزت، ماں، بہن اور بیٹی کی طرح کریں۔ یہ دین فطرت کے احکام ہیں۔

۵ نے پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی

نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد۔ (اقبال)

۱۱۔ تدبیرات، فن، ہنر، سلیقہ اور اسلامی فلسفہ حیات کے جو اسباق ہمیں جنگ یرموک سے ملتے ہیں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کی ہر جنگ میں ہمیں کچھ مشابہ قسم کے اسباق ملتے ہیں لیکن ایک ضروری سبق ہے جس کو دہرانا ضروری ہے، وہ مسلمانوں کے لئے حضور پاکؐ کی ذات ہے۔ علامہ اقبالؒ نے تو بالکل واضح کر دیا کہ خدائے پاک کے تصور کے سلسلہ میں اپنی عقل کو کبھی بھی استعمال نہ کریں ہم خدا وہی ہے جو ہمارے آقا حضور پاکؐ نے بیان فرمایا اور اس سے آگے ہم کچھ نہیں جانتے۔ ہمارے لئے حضور پاکؐ ہی قرآن، فرقان، یسین، اور طوہا ہیں اور نگاہ عشقِ دستی میں اول و آخر بھی وہی ہیں۔ اس لئے یہاں یہ اسلام کے دو عظیم فرزندوں کی مثال دینا ضروری ہے۔

۱۔ جناب ابو عبیدہؓ حسین ذمیل تھے لیکن جنگ امد کے بعد آپ کا حسن نکھر گیا۔ کہ آپ نے حضور

کے بدن مبارک سے خود کے ٹکڑے نکالتے وقت آپؐ نے حضور پاکؐ کا خون مبارک اور پسینہ چوس لیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ بے فکر گریگوری کے مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوتے کہ آپؐ پر نہ دشمن کا کوئی وار اثر کر سکتا تھا، نہ میدان جنگ کی شکست بھی اور نہ میدان جنگ کی شہادت۔ آپؐ نے گریگوری کی ایک لاکھ درہم والی ٹوپی پر کیوں نظر نہ کی۔ آپؐ رو دشمن ضمیر تھے اور آپؐ کو نظر آ رہا تھا کہ چند لمحوں کے بعد سارا میدان جنگ رومیوں کی ٹوپوں سے بھر جائے گا۔ اور یہی ہوا۔ جناب عمر فاروقؓ کو یہ سب کچھ معلوم تھا۔ تب ہی انہوں نے یرموک کی جنگ کے نتائج کے لئے کسی قاصد کا انتظار نہ کیا۔ جناب ابو عبیدہؓ کے بدن پر ہر وقت اللہ کے حبیبؐ کا سایہ ہوتا تھا۔ اور یہ سب کچھ حضور پاکؐ کی غلامی کی وجہ سے تھا۔

ب :- دوسری مثال جناب خالدؓ کی ہے۔ ہم اُس ٹوپی کا ذکر کر چکے ہیں جو جناب خالدؓ کے سر پر ہوتی تھی اور اس میں حضور پاکؐ کے بال مبارک تھے۔ جنگ کے چوتھے دن یہ ٹوپی گم ہو گئی۔ خالدؓ پریشان ہو گئے اور ٹوپی ٹوپی کر کے پکار اٹھے۔ روایت ہے کہ جناب خالدؓ کو کسی نے اتنا پریشان زندگی میں نہ دیکھا جتنا اس ٹوپی کے گم ہونے کی وجہ سے ہوئے۔ چند لمحوں بعد ٹوپی مل گئی۔ جناب خالدؓ نے ٹوپی کو بوسہ دیا اور پھر ٹوپی کو سر پر رکھا اور پکار اٹھے۔ مسلمانو! فتح مل گئی۔

دسواں باب

فتح بیت المقدس

جنگ یرموک کے اثرات بہت زیادہ تھے۔ ستر ہزار رومیوں کو دفن کرنے میں بھی دو تین دن لگ گئے ہوں گے۔ مالی غنیمت کو اکٹھا کرنا تھا۔ اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال اور شہداء کے دفن کرنے کے کام تھے۔ روایت ہے کہ جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایک فوجی دستے کو اہل دمشق کے اصرار پر جلدی ہی بھیج دی کہ وہاں پر امن و امان بحال کیا جائے۔ آگے سارے شام پر کسی ترتیب یا ترمیم کے تحت قبضہ کیا گیا اور میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ جناب یزید بن عبد اللہ دمشقی چلے گئے اور جناب خالد بن ولید کی طرف۔ اور جناب عمر بن عباس اور شہر جلیل بن حسنہ فلسطین کی طرف چلے گئے اور بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ مورخین نے سارے اسلامی لشکر کو فلسطین بھیج دیا اور ان کے محافظ سے صرف چند مجاہدین دمشق تک گئے۔

آگے فلسطین میں بھی قساریہ اور بیت المقدس یعنی دو مقامات پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ یہاں کچھ مورخین کا خیال ہے کہ جناب ابو عبیدہ نے مشاورت طلب کی، کہ ترجیحات کا فیصلہ کیا جائے کہ پہلے کونسا مقام فتح کیا جائے۔ کچھ امر کا خیال تھا کہ پہلے قساریہ فتح کیا جائے اور کچھ کا خیال تھا کہ بیت المقدس کو پہلے فتح کیا جائے۔ بے شک دونوں شہراہم تھے۔ قساریہ سمندر کے ذریعہ سے اہل روم کو رات بھیا کر رہا تھا۔ بیت المقدس فلسطین کا دل تھا اور مسلمان کچھ عرصہ اس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے یعنی ان کا قبلہ رخہ چکا تھا۔ وہاں سے دشمن کو نکالنا ضروری تھا۔ اس لئے فلسطین کے علاقے میں ترجیح دیا گیا کہ پہلے بیت المقدس کو فتح کر لیا جائے۔ اس کے بعد قساریہ کو فتح کیا جائے۔ اس کے بعد بیت المقدس کو فتح کر لیا جائے۔

یہاں پر قبلاؤں کے الفاظ جان بوجھ کر استعمال نہیں کئے جا رہے۔ مکہ قبلہ اول ہے یا بیت المقدس قبلہ اول ہے۔ ہمارے لئے دونوں برابر ہیں۔ بلکہ مکہ کو ترجیح ہے۔ مکہ میں رہتے ہوئے مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے ہر جگہ سمت الگ ہو جاتی، ہجرت کے بعد ایسا کیا کہ وحدت عمل کے طور پر سب کے منہ ایک طرف ہوں اور ہجرت میں نہ ہو۔ یہ بھی تھا کہ مکہ کو قبلہ مانا جائے۔ اور ہمارا مکہ ہی خانہ کعبہ ہے۔ اور بیت المقدس ہماری سرانگہوں پر ہے لیکن کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ نے پہلے رکھی تھی۔

کے طور پر بیت المقدس کو پہلے فتح کرنے کی کارروائی کی گئی اور بعد میں قساریہ کو فتح کیا گیا۔ اور شمالی شام کے سلسلہ میں ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ محدود کارروائی اسی زمانے میں کی گئی۔ اور بھرپور کارروائی بیت المقدس کی فتح کے بعد۔ کچھ مورخین نے محدود اور بھرپور کارروائی کو ملا کر تمام واقعات کو اکٹھا کر کے بیت المقدس کے بعد کے واقعات میں شامل کر دیا۔ اور کچھ نے محدود کارروائی کو "طول" دے کر سب واقعات کو، بیت المقدس کی فتح سے پہلے کے واقعات قرار دے دیئے۔

یہی وجہ ہے کہ بیت المقدس کی فتح کی دو الگ الگ تاریخیں بیان کی جاتی ہیں۔ کچھ مورخین نے ریح الاذل سولہ ہجری بتایا ہے اور کچھ نے ذی قعد سولہ ہجری۔ جو لوگ ریح الاذل کی تاریخ بتاتے ہیں ان کے لحاظ سے تمام لشکروں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا اور چار ماہ کے محاصرہ کے بعد بیت المقدس پر قبضہ ہو گیا۔ جو لوگ ذی قعد سولہ ہجری کی تاریخ بتاتے ہیں۔ وہ اسلامی لشکروں کو پہلے شام کے شمالی علاقوں میں کارروائی دکھاتے ہیں اس لئے فتح بعد میں بتاتے ہیں۔

ہمارے لحاظ سے افواج شمالی شام میں ضرور گئیں لیکن کارروائی محدود تھی اور جب جناب عمر فاروقؓ بیت المقدس کی کنجی لینے کے لئے مدینہ سے آئے تو وہ پہلے جا میر آئے اور سب مورخین یہ کہتے ہیں کہ وہاں پر جناب ابو عبیدہؓ، جناب خالدؓ اور جناب یزیدؓ تھے۔ اور جناب خالدؓ اور جناب یزیدؓ کے لئے سب مورخ یہ الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں کہ وہ اپنے علاقوں سے جنوب کی طرف آ کر امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو ظاہر ہے وہ دمشق یا اس کے شمال میں تھے جہاں تک بیت المقدس کی فتح کا تعلق ہے، اس سلسلے میں ہمارا حساب کتاب وقت کے لحاظ سے ریح الاذل سولہ ہجری صحیح بیٹھتا ہے کہ سب لشکروں کی بجائے صرف جناب عمرؓ بن عاص اور جناب شریکؓ کے لشکروں نے جا کر بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ اور سارے لشکروں کو محاصرہ پر بھیجنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ بیت المقدس میں فوجی نفری کم تھی۔ جو کام پورا لشکر کر سکتا وہ دو لشکر بھی کر سکتے تھے وہ اس لئے نکلے ورسوں کی باہر سے امداد کی زیادہ امید نہ تھی۔ کیونکہ ساحلی علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

پرانے مورخ تو واقعات کو ویسے بھی تسلسل سے بیان نہیں کرتے۔ لیکن جنرل اکرم اور جنرل گلبنے

بھی بیت المقدس کے واقعات کو بہت مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ اور اپنے بیان کے ثبوت میں کوئی جائزہ پیش نہیں کیا۔ دونوں کے بیانات الگ الگ ہیں۔

جنرل اکرم کا بیان

جنرل اکرم لکھتے ہیں کہ جناب عمر رضی سے احکام ملنے کے بعد اور فتح یرموک کے کچھ عرصہ بعد جناب ابو عبیدہ نے بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کی۔ جناب خالد جیش المقدم پر کام کر رہے تھے۔ رومی فوجوں نے مسلمانوں کو دیکھا تو وہ قلعہ بند ہو گئیں۔ مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا جو چار ماہ تک جاری رہا۔ اُس کے بعد وہاں کے بڑے پادری نے کہا کہ اگر خلیفہ وقت جناب عمر رضی خود تشریف لے آئیں تو وہ ہتھیار ڈالنے پر تیار ہیں۔

جناب شرحبیل نے مشورہ دیا کہ حضرت عمر رضی کو تکلیف نہ دی جائے۔ جناب خالد خلیفہ دوم کے ہم شکل ہیں اُن کو جناب عمر رضی جیسے کپڑے پہنا کر مشہور کر دیا جائے کہ خلیفہ وقت تو ادھر ہی موجود ہیں اور ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن بڑا پادری بات کو تار گیا اور کامیابی نہ ہو سکی۔ اس لئے جناب عمر رضی کو مدینہ شریف میں خبر دی گئی اور وہ تشریف لے آئے۔ جناب عمرو بن عاص کو محاصرہ پر چھوڑا گیا اور باقی تمام سپاہیوں نے جناب عمر رضی کو جابیہ کے مقام پر خوش آمدید کہا۔ جناب یزید رضی اور جناب خالد رضی نے ریشمی کپڑے پہنے ہوئے تھے اور حضرت عمر رضی نے اس بات کو ناپسند فرمایا وغیرہ۔

تبصرہ

جنرل اکرم نے یہ نہیں بتایا کہ جابیہ کا مقام کوئی اور تھا جو بیت المقدس کے نزدیک بیرشبیہ یا اجنادین کے پاس تھا۔ تمام مورخین نے ایک ہی جابیہ کا ذکر کیا ہے جو اردن اور شام کی سرحد میں وادی یرموک میں دیرھ کے پاس ہے اور جنرل گلک بھی اسی جابیہ کا ذکر کرتے ہیں اور الفاروق کے مصنف مولانا شبلی بھی اس جابیہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور جنرل گلک سمیت سب مورخ یہ کہتے ہیں کہ جناب عمر رضی پہلے جابیہ آئے اور وہاں سے فحل اور ہسیان کے راستے بیت المقدس گئے طبری کے حوالے سے ایک جگہ کسی راوی نے مرخ کے مقام کا ذکر کیا ہے کہ جناب عمر رضی کو شام کی فوج کے اُمرانے وہاں خوش آمدید کہا

پرانے زمانے کے مورخ نقشوں اور جغرافیہ کا حوالہ نہیں دیتے تھے اور نہ ہی زماں و مکاں کا تجزیہ کرتے ہیں اس لئے یہ بیان بھی کچھ مددگار ثابت نہیں ہوتا۔

لیکن جنرل اکرم کا بیان تجزیہ طلب ہے کہ انہوں نے تمام مقامات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور نقشے بھی بنائے۔ اب کسی نقشہ پر دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اگر مدینہ شریف سے سیدھے جا بیہ گئے اور وہاں سے بیت المقدس گئے تو اس کی نسبت اگر مدینہ شریف سے ایلہ (عقابہ) کے راستے پر شیبہ سے ہو کر بیت المقدس جاتے تو ان کو دو سو میل کم سفر کرنا پڑتا۔ جا بیہ بیت المقدس سے سو میل شمال کی طرف ہے۔ اول جناب عمرؓ نے دو سو میل فالتو سفر کیوں کیا؟ اور دوم یہ کہ اگر سارے لشکروں نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ تو پھر لشکر کے امرا سو میل شمال کی طرف جا کر حضرت عمرؓ کو صرف خوش آمدید کہنے کے لئے کیوں گئے؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر سارے لشکر بیت المقدس میں تھے اور صرف چند دستے دمشق تھے تو پھر حضرت عمرؓ جا بیہ کس کو ملنے گئے۔ اور چوتھا سوال یہ ہے کہ کیا یرموک کی فتح کے بعد سارے شمالی شام میں چند دستے دمشق کے مقام پر رکھے گئے اور یرموک کی فتح کا کوئی فائدہ نہ اٹھایا گیا کہ شمالی شام میں کوئی فوج چھوڑی جاتی۔

ان سوالوں سے ایک ہی بڑا جواب نکلتا ہے کہ تقریباً آدھے سے زیادہ اسلامی لشکر کے دستے جا بیہ اور اُس سے شمال میں تھے اور جناب عمرؓ ان امرا کو ملے اور پھر آپؓ چند مشہور صحابہ کو بیت المقدس کی فتح کی رسم میں شرکت کے لئے وہاں لے گئے۔ ظاہر ہے کہ بیت المقدس میں صرف جناب عمرؓ نہیں تھے اور زیادہ سے زیادہ شرجیل بن حسنہ کے لشکر تھے۔

جنرل گلب کا بیان

جنرل گلب اس ساری کہانی کو مختصر طور پر بیان کرتا ہے اور اُس کے لحاظ سے یرموک کی فتح کے بعد جناب عمرو بن عاص فلسطین کے علاقے میں واپس چلے گئے اور جناب ابو عبیدہ نے پہلے حصن اور بلیک وغیرہ تک پیش قدمی کی اور پھر سارے شمالی شام یعنی قنسرين، انطاکیہ، حلب وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران جناب عمرو بن عاص نے بیت المقدس کے بڑے پادری کے ساتھ رابطہ قائم کیا لیکن اُس نے کہا کہ وہ بیت المقدس کی کبھی صرف مسلمانوں کے خلیفہ کو دیں گے۔ چنانچہ جناب ابو عبیدہ کے ذریعے سے حضرت عمرؓ کو خبر بھی گئی۔



اور حضرت عمرؓ نے شام کا دورہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جناب عمرؓ نے پُرانے قافلوں والا راستہ استعمال کیا اور پچھٹے پُرانے کپڑوں میں دیرہ پھینچ گئے۔ جو اب ملک شام کی جنوبی سرحد پر ہے جہاں پر سردار دن سے ملتی ہے۔ جناب عمرؓ کو سخت کوفت ہوئی کہ وہاں کے لوگ ناچ ناچتے اور گانا گاتے باہر نکل آئے اور ان کی عورتیں بھی تہنور بجا رہی تھیں۔ جناب عمرؓ نے حکم دیا کہ اس بے حیائی کو بند کر دیا جائے تو جناب ابو عبیدہ فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے رسم و رواج کے لحاظ سے ٹھیک ہے۔ اگر ان کو روکا گیا تو یہ لوگ سمجھیں گے کہ جناب عمرؓ ایک دشمن کی حیثیت سے آئے ہیں۔ اس قسم کے بیانات سے خلیفہ وقت کو کچھ تسلی دی گئی۔ لیکن جناب عمرؓ مسلمان سپہ سالاروں سے سخت ناراض ہوئے۔ جناب ابو عبیدہ، جناب خالدؓ، اور جناب یزیدؓ جو جنوب میں حضرت عمرؓ کو خوش آمدید کہنے آئے تھے انہوں نے ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے اپنے گھوڑوں کو بھی شکر پہنائے ہوئے تھے حضرت عمرؓ سخت ناراض ہوئے کہ ان کو ایسے ہمت کیسے ہوئی کہ وہ ان کے سامنے ایسے لباس میں آئے۔ ان سب کو معزول کر دینا چاہیے وغیرہ تو سب سالاروں نے بتایا کہ وہ خود پہنے ہوئے ہیں اور اس لباس کے نیچے ہتھیار بھی پہنے ہوئے ہیں یہ اوپر کی ظاہری کارروائی یہاں بسنے والوں کے لئے دکھادہ ہے۔ وغیرہ۔

جابسید کی چھاؤنی ہی میں بڑے پادری سو فورینس کا وفد آیا ہوا تھا جس نے ہتھیار ڈالنے کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ اور پھر خلیفہ دوم بیسان والے راتے بیت المقدس چلے گئے۔ جنرل گلب کے حساب سے معاہدہ کے لئے بات چیت ۶۳۷ عیسوی کے آخری ایام میں شروع ہوئی لیکن ساتھ ہی وہ تسلیم کرتا ہے کہ کچھ موزخین کے حساب سے یہ واقعہ ایک سال پہلے کا ہے۔

تبصرہ

جنرل گلب نے بھی یہ واقعات پُرانے تاریخ دانوں کی کتابوں سے نچوڑ کے طور پر نکالے ہیں اور اس کوئی خاص اختلاف نہیں ہو سکتا۔ سوائے اس کے کہ اگر بیت المقدس ربیع الاول سورہ ہجری میں فتح ہو گیا

ع۔ دیرہ کا ذکر جنگ یرموک میں بھی ہو چکا ہے۔ اور پُرانے زملے میں اسراہیلوں اور بادشاہ اوگ کی لڑائی بھی یہاں ہوئی تھی۔

جس کے بارے میں جنرل گلک کوئی شک ظاہر نہیں کرتا تو پھر یہ تسلیم کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اتنے تھوڑے عرصہ میں انطاکیہ تک سارا شمالی شام بھی فتح ہو گیا تھا۔ اور جناب عمرؓ بن عاص نے انطاکیہ تک جناب ابو عبیدہؓ کی خبر پہلے پہنچائی جو بیت المقدس سے چار سو میل دور تھا اور پھر سارا کام اُن کی نگرانی میں ہوا۔ تو زماں و مکاں کے تانے بانے نہیں ملتے ہمارا تجزیہ بین بین ہے۔ اور مختلف تاریخوں کے مطالعہ کے بعد اور دو جرنیلوں کے بیانات پڑھنے کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں وہ کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ وادی یرموک کی اہمیت مسلمانوں پر ظاہر ہو گئی، کہ تیسری دفعہ مسلمانوں کو وہاں جگھٹ کرنا پڑا۔ حضرت عمرؓ پہلے ہی احکام دے چکے تھے کہ فتح شدہ علاقوں میں چھاؤنیاں بنائی جائیں اور اس کے نتیجہ کے طور پر ایران کے محاذ پر کوفہ اور بصرہ کو چھاؤنی بنایا گیا۔ اور حضرت عمرؓ کے احکام کے تحت وادی یرموک میں جابہ کو بھی چھاؤنی بنایا گیا۔

۲۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے تحت حکمت عملی کے تحت اور خلیفہ دوم کی اجازت سے جناب ابو عبیدہؓ نے جابہ کے مقام کو اپنا ایک ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ وہاں پر کچھ ہیڈ کوارٹر کے عملہ کے قسم کے لوگوں کو رکھا اور خود بھی وہاں آکر اکثر ٹھہرتے ہوں گے کہ سارے علاقے کے وہ سپہ سالار تھے۔

۳۔ جناب عمرؓ بن عاص اور جناب شرجیل رضی اللہ عنہما کے لشکر فلسطین کی طرف چلے گئے اور بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ علاقہ جناب عمرؓ بن عاص کا تھا، تو وہ سپہ سالار تھے۔ رومیوں اور نصرانیوں کو کچھ پتہ تھا کہ جس شخص نے بیت المقدس کو فتح کرنا ہے اس کا نام عمرؓ ہو گا کہ کچھ پیشگوئیاں اس قسم کی تھیں۔ پہلے تو نصرانیوں نے جب دیکھا کہ عمرؓ بن عاص نے محاصرہ کر لیا تو اُن کو خیال ہوا کہ بیت المقدس کا فاتح آگیا۔ لیکن ساتھ لفظ واد کے اضافہ کی وجہ سے نصرانیوں نے کہا کہ نہیں یہ وہ شخص نہیں پھر نصرانی یہ بھی چاہتے تھے کہ کچھ التوا ہو اس لئے انہوں نے بہانہ بنایا کہ اپنے خلیفہ عمرؓ کو بلاد جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما کی ہی جابہ میں تھے اُن کو حالات سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے خلیفہ دوم کو خبر دی جو شام کا دورہ کرنے اور بیت المقدس کی فتح کی سعادت میں شریک ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔

۴۔ بیت المقدس میں زیادہ فوج نہ تھی اور نہ ہی مسلمان اس کی دیواروں کو گرانا چاہتے تھے۔ محاصرہ کرنے سے وہ لوگوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے سارے اسلامی لشکروں کو بیت المقدس لانے کی ضرورت نہ تھی۔

۵۔ ان وجوہات کے تحت جناب یزیدؓ کا لشکر دمشق چلا گیا اور جناب خالد بن ولیدؓ کا حصہ لیکن ابھی شمالی شام میں فتوحات بڑھانے کا وقت نہ آیا تھا کہ مسلمان جنوب میں اُبھے ہوئے تھے۔ بلکہ ابھی تو قساریہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ نہ تھا۔ اور دمشق کے مغرب میں بیروت کی بندرگاہ بھی یونان کے ہاتھ میں تھی۔

۶۔ جب تک جنوب میں دشمن کا مکمل قلع قمع نہ کیا جاتا شمالی شام میں اپنے آپ کو حصہ سے لگے الجھادینا فضول تھا اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ جنرل گلب بھی یہاں بھٹول گیا۔

زماں مکاں کا تجزیہ

زماں و مکاں کا ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ رجب پندرہ ہجری میں یرموک کی جنگ ہوئی۔ شعبان کا مہینہ وہاں گذرا ہوگا یا رمضان میں بھی آرام کیا ہوگا۔ بہر حال رمضان اور شوال میں جناب عمرؓ بن عاص جناب شرجیلؓ بیت المقدس کے لئے رواں دواں ہو گئے اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ اور مورخین کے مطابق چار ماہ محاصرہ رہا۔ تو محرم میں بات چیت شروع ہو گئی اور صفر تک پیغام رسانی اور صفر ختم کر کے ربیع الاول سولہ ہجری میں بیت المقدس فتح ہو گیا۔ زیادہ مورخین نے یہی تاریخ بتائی ہے اور اوپر کے واقعات کو جو تسلسل دیا گیا ہے وہ بھی مورخین کے بیانات سے ہے اور یہی طریقہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

بیت المقدس کی فتح

ہمارے تجزیہ کے مطابق جناب عمرؓ پہلے جاہلیہ تشریف لائے جہاں پر جناب ابو عبیدہؓ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ جناب خالدؓ، جناب یزیدؓ اور حصہ و دمشق کے کئی امرا اور لشکر سے صحابہ کرام جاہلیہ آئے ہوئے تھے ان سب کے ساتھ جناب عمر فاروقؓ نے ملاقات کی۔

جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے جابیہ تک کا سفر بھی چند مجاہدین کے ساتھ کیا اور تاریخ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ آپ کے ساتھ صرف ایک غلام تھا اور سواری کے لئے ایک اونٹنی یہ قفسہ گوئی والی باتیں ہیں۔ بلکہ جابیہ سے آگے جناب عمر رضی اللہ عنہ نے جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ جناب خالد رضی اللہ عنہ اور متعدد امرا کو بیت المقدس ساتھ لے جانے کا شرف بخشا۔ ممکن ہے جناب یزید رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ لے گئے ہوں کہ وہاں پر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے آئندہ کے لئے ملک کی فوجی حکمت عملی کو بھی متعین کیا۔ آپ نے فحل، بیسان والا راستہ اختیار کیا اور جودہ کے پہاڑوں کو عبور کر کے بیت المقدس پہنچے۔ معاہدہ کے سمجھوتے پر بیت المقدس میں دستخط ہوئے اور نہ کہ جابیہ میں، جس طرح جنرل گلب کہتا ہے۔ سمجھوتہ مسلمانوں کی شرائط کے مطابق تھا، اور مسلمانوں کے طرف سے جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خود دستخط کئے۔ گواہ کے طور پر جناب عبدالرحمن بن عوف، جناب خالد بن ولید، جناب عمرو بن عاص اور جناب معاویہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان نے دستخط کئے۔ جناب عبدالرحمن بن عوف شاید جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے کہ مدینہ میں جناب فاروق اعظم نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب چھوڑا۔ جناب عمرو بن عاص کی گواہی یہ ثبوت پیش کرتی ہے کہ معاہدہ پر دستخط بیت المقدس میں ہوئے۔ جنرل گلب جس معاہدہ کے کاغذات کا ذکر کرتا ہے کہ جابیہ میں دستخط ہوئے۔ اس سلسلہ میں ممکن ہے کہ صرف کاغذات جابیہ لے گئے ہوں ہمارا تجزیہ ہے کہ یہ مسودہ کم تھا، اور مسلمانوں کے طریقہ کار کا اعلان زیادہ تھا کہ مفتوحہ علاقے میں اللہ اور رسول کے احکام جاری کرنے کا ایک اعلان تھا۔

اللہ کے گھر میں داخلہ

ہمارے لئے جو نکتہ زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ حضور پاک کے غلام یہاں بھی اپنے آقا کی سنت کو پورا کر رہے تھے۔ بیت المقدس بھی اللہ کا گھر ہے اور جس طرح حضور پاک بغیر لڑائی کے مکہ میں داخل ہوئے آج ان کے غلام اسی طرح بیت المقدس میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ بھی حکمت عملی کی فتح تھی اور یہ بھی حکمت عملی کی فتح۔ مسلمان خواہ مخواہ خونریزی کو پسند نہیں کرتے۔ وہ تو ایک مقصد کے لئے جنگ لڑتے ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ساری دنیا کو ایک کریں اور تمام



انسانیت کو ایک راستے یعنی صراطِ مستقیم پر گامزن کریں۔

جناب بلالؓ کی اذان

آج ایک عظیم دن تھا۔ چوٹی کے صحابہؓ میں کئی اصحاب بدر موجود تھے اور عشرہ مبشرہ میں سے بھی چار عظیم صحابہؓ موجود تھے لیکن دوسروں سے اسلام کی آغوش میں سبقت لے جانے والے ایک غمی بھی موجود تھے۔ جو ہماری تاریخ میں سیدنا بلالؓ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ آپ فریقہ کے رہنے والے تھے لیکن آج اسلامی دنیا کے ہر خطہ میں آپ کے نام مبارک پر نام رکھنے کو ایک بڑی سعادت سمجھی جاتی ہے کہ آپ حضور پاکؐ کے موزن بھی تھے۔ چنانچہ جب نماز کے لئے اذان کا وقت ہوا۔ تو اُس نیک گھڑی میں سب کی نظریں جناب بلالؓ پر پڑی اور حضور پاکؐ کا زمانہ یاد آگیا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی ”یا امیر المؤمنین! آج پھر جناب بلالؓ ہی اذان دیں کہ حضور پاکؐ کے زمانہ کی یاد تازہ ہو جائے۔“ جناب بلالؓ خاموش تھے۔ کہ حضور پاکؐ کی دنات کے بعد ان کے لئے اذان کی ادائیگی مشکل ہو گئی تھی۔ خاص کر جب حضور پاکؐ کے نام مبارک پر آتے تھے تو ایسی رقت طاری ہو جاتی تھی کہ الفاظ زبان سے نہ نکلتے تھے۔

جناب فاروق اعظمؓ کی زبان سے تو کوئی الفاظ نہ نکل سکے۔ لیکن انہوں نے جناب بلالؓ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا ضرور اور نبوت سے مستیز جناب بلالؓ سمجھ گئے کہ امیر المؤمنین کی کیا خواہش ہے۔ انہوں نے ہمت کی اور اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی پیاری آواز میں اذان دینا شروع کر دی۔ اُن پر رقت طاری تھی، آبدیدہ تھے، آنسو جاری تھے اور اذان ادا کرتے جلتے تھے لیکن جب اشہد ان محمد رسول اللہ پر پہنچے تو پھوٹ پڑے لیکن اس میں وہ اکیلے نہ تھے سب مجاہدین کی یہی حالت تھی۔

سب جہاں و دنیا مافیہا سے بے خبر یا حضور! یا حضور! پکار رہے تھے۔ کوئی یا حبیب اللہ یا حبیب اللہ کی صدا دے رہا تھا اور کوئی یا سیدنا! یا سیدنا! کی صدا دے رہا تھا پھر کسی کی زبان سے نکلا قرآن العینی یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ اور انہوں نے اپنے ہونٹوں سے یہ لفظ نکالتے وقت دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو اپنے منہ کے قریب کیا چومنا اور پھر ان انگوٹھوں کو

اپنی نم آنکھوں پر رکھ دیا تو افاقہ ہوا اور وہ اپنی اصلی حالت میں واپس آگئے۔ حضور پاکؐ کے عاشقوں میں یہ طریقہ عام تھا کہ اس طرح وہ اپنے دل کی پیاس بجھاتے تھے۔
قارئین! امید واثق ہے کہ آپ کی آنکھیں ضرور نم ہوئی ہوں گی اور حضور پاکؐ کے امم مبارک کو چوم کر دل کی پیاس بجھائی ہوگی۔

جناب بلالؓ نے اذان کے اگلے فقرے کس حالت میں ادا کئے اس سلسلے میں نہ کسی راوی نے کچھ لکھا ہے اور نہ ہی ہم کوئی تصور پیش کرنے کے قابل ہیں۔ ان فقروں میں نماز اور بھلائی کی طرف بلاوا بھی ہے۔ اور آج اللہ کے گھر میں نماز اور بھلائی کی نشاندہی کرنے والے کی طرف سے پہلے ہی بلاوا آچکا تھا اور یہ اللہ کی عطا تھی کہ حضور پاکؐ کے عظیم رفقا اور لشکروں کے نئے مجاہد آج اذان سے پہلے ہی اللہ کے گھر میں اکٹھے ہو چکے تھے۔ اور اذان کے آخری فقروں میں جو اللہ کی بڑائی کا ذکر ہے۔ اس کا عملی ثبوت پیش ہو رہا تھا۔ صحرا کے بسنے والے آج اللہ کے گھر میں اللہ کی کبریائی کے آگے سر جھکائے کھڑے تھے۔ اور اس گھڑی کو تاریخ میں جناب بلالؓ کی گھڑی کہیں گے۔

۵۔ لیکن بلالؓ وہ جلتی زادہ حقیر
فطرت تھی جس کی نور نبوت سے مستنیر
جس کا امین ازل سے ہوا سینہ بلالؓ
محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر

(اقبالؒ)

تبصرہ

اذان کا ایک فوجی پہلو بھی ہے۔ قرون اولیٰ کے سب موذن فوجی اور مجاہد تھے اسی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں ملاکی اذان اور مجاہد کی اذان کے الگ الگ اثرات کا ذکر کیا ہے لیکن میدان جنگ میں اذان کی آواز میں جو لطف ہے اور اس سے جو سرور پیدا ہوتا ہے اس کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ بلکہ اذان کی آواز کا دشمن کی فوجوں پر اتنا رعب ہوتا ہے کہ اس آواز سے وہ بھی ہم جلتے تھے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی فائر بندی کے دوران بھی بھارت کی طرف سے کئی دفعہ اقوام متحدہ کے ممبر یہ شکایت لے کر آئے کہ ہماری فوجی فائر بندی کے نزدیک اونچی آواز میں اذان نہ دیں۔ بہانہ تو یہ تھا کہ اس سے اشتعال پیدا ہوتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ اشتعال

اور جذبہ مسلمانوں میں پیدا ہوتا تھا اور بھارتی اپنی کم تری اور خوف پر پردہ ڈال رہے ہوتے تھے
 ۵۔ مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے

اس کی اذنانوں سے فاش سر تھا کلیم و ضلیل (اقبال)

غیروں کی عبادت گاہیں

روایت ہے کہ بیت المقدس میں رہتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن ایک گرجا کے صحن میں
 تشریف فرما تھے، تو آپ نے حکم دیا کہ گرجا کے صحن سے باہر نماز پڑھیں گے۔ ورنہ میری نقل کرتے
 ہوئے مسلمان جہاں جائیں گے تمام گرجوں کو مسجدیں بنا دیں گے۔ یہ بات صحیح بھی ہو سکتی ہے یا
 ممکن ہے کہ عیسائی مورخین نے بعد میں یہ بات گھڑ لی ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو غیروں کی عبادت
 گاہوں کا بڑا احترام کیا۔ دراصل عیسائی دنیا کا مسلمانوں پر بڑا اعتراض مسجد صوفیا کے سلسلے میں ہے
 کہ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد مسلمانوں نے اس گرجا کو مسجد میں تبدیل کر دیا صوفیا دراصل گرجا نہ
 تھا۔ عیسائیوں سے پہلے وہاں پرست پرستوں نے اپنا کچھ مذہبی رسم و رواج جاری رکھا ہوا تھا۔ عیسائیوں
 نے ایک طرف گرجا بھی بنا دیا۔ جب مسلمان وہاں پہنچے تو اس زمانے میں بھی اختلاف تھا۔ لیکن غیر
 عیسائی یا بت پرست مسلمان ہو گئے تو انہوں نے اس جگہ کو مسجد میں تبدیل کر دیا۔ کمال ترکی نے اس
 جگہ کو عجائب گھر میں تبدیل کر کے معاملات کو ختم کرنے کی کوشش کی واللہ اعلم معاملات کیسے
 ختم ہوئے کہ کمال کی کارروائیاں از خود ابھی طشت از بام ہونا باقی ہیں بحر حال یہ لمبی بحث ہے لیکن
 یہ ثابت ہے کہ مسلمانوں نے دوسروں کے احساس کا بہت خیال رکھا، اور بڑی رواداری سے کام
 لیا۔ لیکن مسلمانوں میں اب ایسا ایک گروہ جنم لے رہا ہے جن کا خیال ہے کہ ہم نے اللہ کے دشمن
 کے ساتھ زیادہ مہربانیاں کیں، اور ان کو مکمل طور پر کیف کردار تک نہ پہنچایا۔ ہمیں بھی یہ چاہیے
 تھا، کہ ان لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو ان کے جانشین ہمارے ساتھ کر رہے ہیں ہم
 اس رائے کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے، مسلمان اپنے رنگ میں رنگا ہوا ہے اور وہ ان چھوٹی حرکتوں
 سے بہت بلند ہے۔

۵۔ مسلمان کے لہو میں بے سلیقہ دلنوازی کا

مردت حسین عالمگیر سے مردان غازی کا۔ (اقبال)

جناب فاروق اعظم نے بیت المقدس میں دس روز قیام کیا اور اُس کے بعد چھوٹے راستے سے مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ انہوں نے جو ہدایات دیں اُن کو ہم اگلے باب میں زیر بحث لائیں گے۔ بیت المقدس کی فتح کا بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے گھر میں اللہ اور اُس کے حبیب کے نام کی صدا بلند ہونا شروع ہو گئی۔

کسی ایک جانی سے اب عہدِ غلامی کر لو

ملت احمد مرسل کو مقامی کر لو۔ (اقبال ج)

جناب فاروق کی دعوت

اس بات کو ختم کرنے سے پہلے ایک واقعہ کا بیان ضروری ہے اور وہ ہے جناب فاروق ^{رضی اللہ عنہ} کی دعوت۔ اور اس سلسلہ میں پچھلے ایک باب میں وعدہ کیا گیا تھا کہ یہ ذکر بعد میں ہوگا۔ دنیا میں شاید یہ اپنے قسم کی واحد دعوت ہے کہ دنیا کے ایک عظیم حاکم کی دعوت اس کی افواج کے ایک محاذ کے سپہ سالار اعظم نے اس طرح کی ہو۔ بیت المقدس میں چند روز قیام کے بعد جناب عمر نے جناب ابو عبیدہؓ سے پوچھا کہ اے رفیق خاص جب دوست دوستوں سے ملتے ہیں تو خاندانی رواج کے مطابق میزبان دوست مہمان دوست کی دعوت کرتا ہے اور آپ نے اب تک میری کوئی دعوت نہیں کی۔ جناب امین الامت نے فرمایا کہ ہاں وہ اس سلسلہ میں کافی سوچ چکے ہیں لیکن وقت نہیں مل رہا۔ بہر حال آخر ایک دن دعوت کا بندوبست کیا گیا۔ اور اس نرالی دعوت میں مہمان بھی ایک تھا اور میزبان بھی ایک۔ اُس دن جناب ابو عبیدہؓ بھی ویسا ہی پرانا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے جیسا کہ وہ حضور پاکؐ کے زمانے میں پہنتے تھے۔ اور خیر جناب فاروق اعظمؓ تو ہمیشہ سے ایک جیسا لباس پہنتے رہے۔ اور اسی لباس میں بلا دِشام و فلسطین میں تشریف لے آئے۔ دنیا کے اس عظیم حاکم جن کا نام سن کر قیصر و کسریٰ کے درباروں میں کیکی طاری ہو جاتی تھی، آج مہمان کے طور پر اکیلے ہی اپنے رفیق خاص کی جاعر رہائش پر تشریف لے گئے جناب ابو عبیدہؓ کے ہاں کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پھی ہوئی تھی، جس پر دونوں عظیم صحابہؓ بیٹھ گئے۔ اور کچھ باتیں شروع ہی کیں کہ جناب ابو عبیدہؓ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور مہمان سے عرض

کی کہ پہلے وہ دعوت کا کھانا ذرا تیار کر لیں تو پھر تسلی سے بات چیت کریں گے۔ آپ نے پہلے سے جو کی سوکھی روٹی توڑ رکھی تھی۔ اب اُس روٹی کو ایک پیالہ میں ڈال کر اُدھر تھوڑا سا پانی ڈال دیا۔ تاکہ جب تک باتیں ہوتی ہیں یہ روٹی پانی کی وجہ سے نرم ہو کر گھل مل جائے تاکہ کھانے میں آسانی ہو۔

اور اس دعوت کی انتظار میں اسلام کے ان عظیم فرزندوں نے اپنے ماضی کے زمانے کی باتیں شروع کیں۔ ملک عرب کے چردا بے صحراؤں میں، خیموں میں گزارہ کرنے والے آج کہاں پہنچ چکے تھے اور یہاں پر ان کو اللہ تعالیٰ نے کس کے وسیلے سے پہنچایا۔ چنانچہ حضور پاکؐ کی یاد میں دونوں پر رقت طاری ہو گئی، اور آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ بات بات پر آنکھیں نم ہوتی تھیں اور دونوں صاحب، زندگی کا سرور حاصل کر رہے تھے۔ بلکہ جناب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے جو خدمتگار نزدیک تھے اور یہ نظارہ دیکھ رہے تھے وہ بھی اس جہان دنیا سے بے خبر ہو گئے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس سے پہلے نہ کوئی ایسی مجلس یا دعوت دیکھی اور نہ آئندہ دیکھنے کی امید ہے۔ حضور پاکؐ کی یاد اور ان کی رفاقت کی باتیں حضور پاکؐ کی اپنے رفقا پر مہربانیاں، شفقتیں، احسان، بھلا کیا کیا یاد کیا ہوگا، کہ وہ کیا تھے اور حضور پاکؐ نے ان کو کیا بنا دیا۔ اور اس قسم کی باتیں ختم ہونے میں نہ آتی تھیں بلکہ اپنے عظیم رفیق جناب صدیق اکبرؓ کو بھی یاد کیا اور باقی رفقا جو بچھڑ چکے تھے ان کی یاد بھی آئی۔ حضور پاکؐ کے عاشقوں اور غلاموں کا ذکر خیر بھی ہوا، اور کچھ پتہ نہیں یہ مجلس کتنا عرصہ جاری رہی۔

قارئین! اگر کبھی کوئی ایسے ہم نشین مل جائیں جو صرف حضور پاکؐ کی باتیں کرتے ہیں تو رات کھٹے دیر نہیں لگتی۔ یا اگر کسی وقت کوئی ایسی گھڑی میسر آجائے تو اسی کو زندگی کہا جاتا ہے گو ہمارے ہاں الفاظ یہ ہے کہ وہ وقت زندگی سے باہر تھا۔ کہ باقی زندگی ہم مادیات کے چکر میں گزار دیتے ہیں اور اصلی زندگی وہی ہے۔

بہر حال ان عظیم ساتھیوں نے اُس کھانے کا جو لطف اٹھایا ہوگا جو امین الامت نے اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تھا اور جس ماحول میں وہ کھانا تیار ہوا تھا وہ ماحول سرکارِ دو عالمؐ کی خوشبو سے ضرور مزین ہوگا۔ قارئین اگر یہ پڑھتے وقت آپ کو بھی کچھ خوشبو آجائے تو اللہ کا شکر ادا کرنا۔

۱۔ خوشادہ وقت کہ یثرب مقام تھا اُس کا

خوشادہ دور کہ دیدار عام تھا اُس کا۔ (اقبالؒ)

بیت المقدس کی فتح سے ایک ماہ پہلے صفرِ مولدِ ہجری میں جناب سعد بن ابی وقاص مدائن کو فتح کر چکے تھے۔ یعنی ایک ہی وقت اُس زمانے کی دو عظیم سلطنتیں پاش پاش ہو رہی تھیں اور وہاں اللہ اور رسولؐ کے نام کی صدا بلند ہو رہی تھی۔

۲۔ ناگاہ فضا بانگِ اذان سے ہوئی لبریز

وہ نعرہ کہ ہل جاتا ہے جس سے دل کہسار۔ (اقبالؒ)

—

گیارہواں باب

بلاد شام کی دیگر فتوحات

جہاں تک پہلے دو خلفائے راشدین کے سرزمین شام و فلسطین کے لئے جنگی حکمت عملی کا تعلق ہے اس کے تحت عسکری تاریخ کا اہم مقصد مطالعہ فتح یرموک پر اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے سب کارروائیاں اس حکمت عملی اور یرموک کی فتح کے ثمرات اور عطیات ہیں۔ چونکہ بعد کے چند سالوں میں کچھ کارروائیاں ضرور ہوئیں، اس لئے ان کے مختصر بیان سے ہماری کہانی کچھ مکمل ہو جاتی ہے خلیفہ دوم نے بیت المقدس میں دس دن کے قیام کے دوران مختلف امرائے ملاقات کی اور ان سے حالات سنے۔ بعض کے ساتھ تفصیلی بات چیت بھی ہوئی اور مدینہ جانے سے پہلے کچھ فیصلے کے جن کا مورخین نے بڑا سرسری ذکر کیا ذکر درج ذیل ہے۔

۱۔ جابیہ کو مکمل طور پر چھاؤنی بنا دیا جائے اور یہی تمام مدینہ شریف اور بلاد شام کے لئے رابطہ کے طور پر استعمال ہوگا۔ جناب ابو عبیدہؓ جو شام کے سپہ سالار اعظم ہیں ان کا یہ ایک مرکز ہوگا جس کو وہ ضرورت کے تحت استعمال کر سکیں گے۔

۲۔ جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ شمالی شام میں حمص سے آگے انطاکیہ اور شمالی شام کے ساحلی علاقوں میں اب مکمل طور پر اللہ اور رسولؐ کا نام بلند کریں گے۔

۳۔ جناب یزید بن ابوسفیانؓ فتح بیت المقدس کے وقت بھی جابیہ سے واپس دمشق چلے گئے تھے کہ جناب خالدؓ بھی شمالی شام میں حمص سے بیت المقدس کی فتح میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا دہل ہونا ضروری تھا کہ شمال میں رومیوں پر نظر رکھی جائے۔ اب جب جناب خالدؓ اور ابو عبیدہؓ شمال میں چلے جائیں گے تو جناب یزیدؓ تھوڑے منکر کے ساتھ دمشق کا بندوبست سنبھالیں گے وہ لشکر کا زیادہ حصہ اپنے چھوٹے بھائی جناب عمارؓ کے سپرد کر دیں گے جو قساریہ کا دوبارہ عمارت شروع کریں گے۔

۴۔ جناب عمرو بن عاصؓ قساریہ سے جنوب کے علاقے یعنی باقی ماخذ فلسطین کا انتظام سنبھال لیں گے۔ دراصل جناب عمرو بن عاصؓ کی نظر مصر پر تھی اور ان کو خیال تھا کہ جب تک اسکندریہ پر قبضہ

نہیں ہو جاتا۔ اہل روم مصر کے راستے سمندر کو استعمال کر کے فلسطین و شام کے ساحل کے لئے ہر وقت خطرہ پیدا کرتے رہیں گے۔ اس لئے وہ جزئی فلسطین ہی میں رہنا چاہتے تھے غلیفہ روم کے ساتھ انہوں نے اس سلسلہ میں بات چیت بھی کی۔ اور یہاں پر سرسری اشارہ ہی کافی ہے کہ ازرقیہ کی فتح کے لئے بنیادی اینٹ رکھی جا رہی تھی تفصیل تیسری کتاب میں ہے

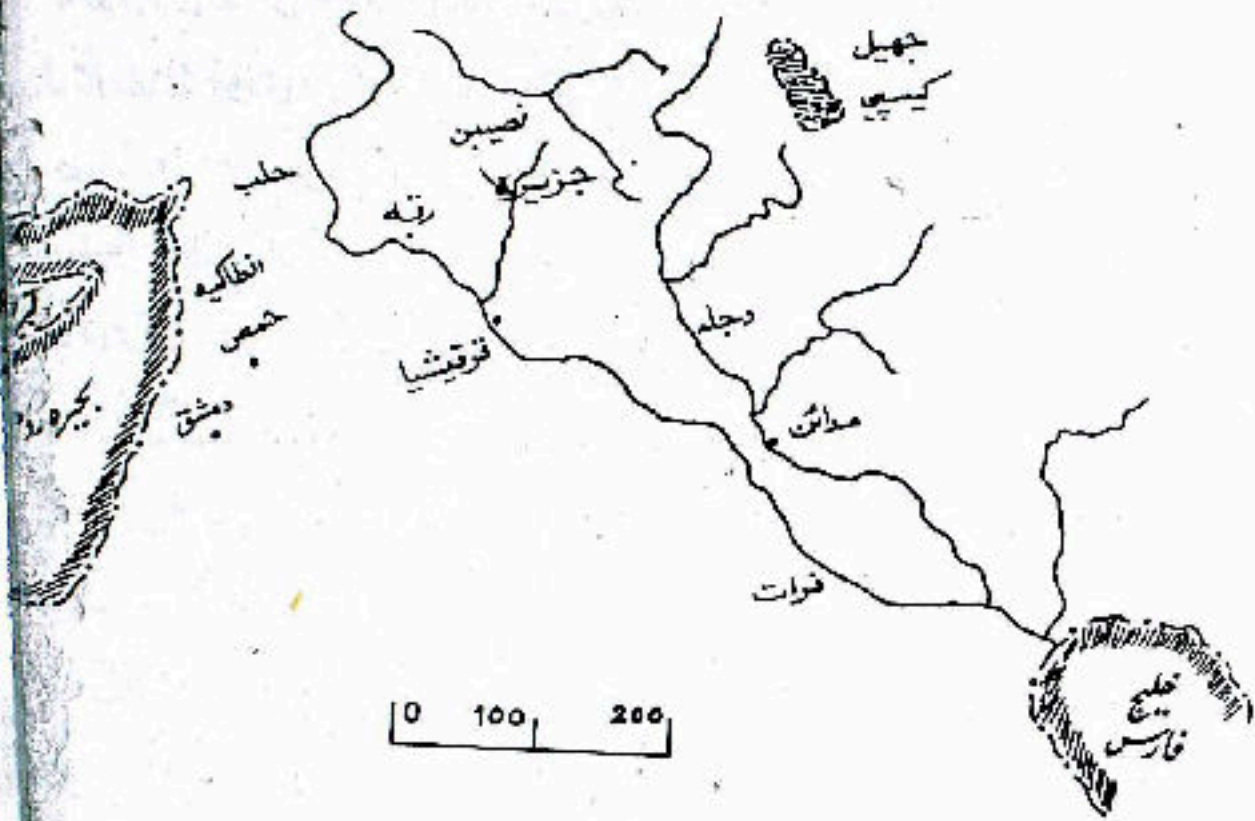
۵۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب جناب شرجیل بن حسنہ کے لئے کوئی کام باقی نہ رہ گیا تھا۔ کچھ راولیوں کا خیال ہے کہ اردن اور شمالی فلسطین کا عامل جناب معاویہ بن ابوسفیان کو ہی مقرر کر دیا گیا کہ قساریہ میں وہ ایک جنگ لڑ رہے تھے۔ یہ کام بیت المقدس کی فتح سے جلد بعد کیا گیا یا قساریہ کی فتح کے بعد ایک چیز واضح ہے کہ جناب عمرؓ کے بیت المقدس آنے کے بعد جناب شرجیلؓ کا نام کسی امیر یا بڑے کمانڈر کے طور پر نہیں آتا۔ اس لئے ممکن ہے کہ ان کے لشکر کا کافی حصہ جناب معاویہؓ کو دے دیا گیا ہو اور کچھ جناب ابو عبیدہؓ کو کہ وہ بھی جنگوں میں مصروف ہونے والے تھے۔ البتہ جناب شرجیلؓ اس کے بعد ملک شام میں ہی رہے اور طاعون کی دبا میں ان کو بھی شہادت نصیب ہوئی۔

اسلام میں امارت پر تبصرہ

اسلام میں امارت نہ کسی کا حق ہے اور نہ اُس کو دی جاتی ہے جو اس کی چاہت کرے اور اسلام کے لحاظ سے کسی بھی امیر کے ماتحت کام کرنا ضروری ہے اور امارت کا یہ تصور ہرگز نہیں جو آج کل ہم لوگوں میں ہے۔ اس لئے اگر جناب شرجیلؓ کو ضرورت کے تحت امارت سے ہٹا دیا گیا تو بڑی معمولی بات تھی۔ جناب صدیق اکبرؓ اور جناب ناریق اعظمؓ حضور پاکؐ کے زمانے میں جناب ابو عبیدہؓ بن جراح کے ماتحت کام کر چکے تھے۔ جناب ابو عبیدہؓ بن جراح نے حضور پاکؐ کے زمانے میں جناب عمرو بن عامر کے ماتحت کام کیا۔ اور اب جناب عمرو بن عامر ان کے ماتحت تھے۔ جناب ابو عبیدہؓ بن جراح، جناب اسامہ بن زیدؓ کے لشکر میں بھی ان کے ماتحت کام کر چکے تھے اور متعدد عظیم صحابہ کرام نے جناب اسامہ بن زیدؓ اور ان کے والد جناب زید بن حارث کے ماتحت کام کیا۔ اس پہلو کو آگے چل کر جناب خالدؓ کی سکندریہ کے وقت اور

۲۳۲ - ۱

نقشه دوازدهم. شمالی شام. اور جزیره کا علاقہ
(محل وقوع)



کتاب
تاریخ
الاسلام
جلد
۱۰
صفحہ
۱۰۰



زیادہ واضح کیا جائے گا۔ ویسے جناب معاویہؓ، جنگ یمامہ کے وقت جنگوں میں شرکت کر رہے تھے۔ وہ کاتبِ وحی بھی رہ چکے تھے جناب فاروقِ اعظمؓ کی دور رس نگاہ بھانپ چکی تھیں کہ جناب معاویہؓ بڑے ذہین اور تدبیر والے ہیں اور آئندہ اُن پر جو ذمہ داریاں آنے والی تھیں اُن کے لئے اُن کو تیار کرنے کے لئے آپ کو اردن کا عامل بنا دیا

قساریہ کا دوسرا محاصرہ

بیت المقدس کی فتح کے بعد پہلی فوجی کارروائی قساریہ کا محاصرہ تھا، جو جناب معاویہؓ بن ابوسفیانؓ نے کافی بڑے لشکر سے کیا۔ جس کی تعداد کے بارے میں مورخین خاموش ہیں۔ لیکن وہیوں کی تعداد اسی ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے تو اسلامی لشکر بھی پندرہ بیس ہزار کے قریب ضرور ہو گا۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ جنگ یرموک سے پہلے بھی جناب معاویہؓ نے قساریہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا جو بعد میں اٹھانا پڑا۔ اس لئے یرموک کی فتح کے بعد کچھ افراد نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ بیت المقدس سے پہلے قساریہ کو فتح کیا جائے اور اس کا ذکر ہم پچھلے باب میں کر چکے ہیں۔ بہر حال اب ربیع الثانی یا جمادی الاول سورہ بقرہ میں سے قساریہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔

محاصرے کی کارروائی کی زیادہ تفصیل نہیں ملتی اور محاصرہ تین طرف سے تھا سمندر پر اس وقت تک مسلمانوں کا کنٹرول نہ تھا۔ لیکن روایت ہے کہ کوشش جاری تھی اور اس علاقے کے نو مسلم ملاح اسلامی لشکر میں شامل ہو چکے تھے۔ آگے بھی بحری جنگوں کی ابتداء جناب معاویہؓ نے کی اس لئے ممکن ہے کہ اس کی بسم اللہ آپ ہی نے قساریہ سے شروع کی ہو۔ قساریہ کی جنگ کے مورخین یہی کہتے ہیں کہ رومی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرتے تھے اور مار کھا کر پھر قلعہ بند ہو جاتے تھے۔ آخری بار ذرا زیادہ گھنٹہ میں آگے یا مسلمانوں نے اپنی پسپائی کی شہہ دی۔ جس سے وہ زیادہ ہی باہر نکل آئے۔ اور مار بھی کچھ اتنی زیادہ کھائی کہ قلعہ کے دروازے نہ بند کر سکے اور قساریہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ بعض روایت کے مطابق محاصرہ ایک سال یا اُس سے زیادہ عرصہ جاری رہا۔

قساریہ کی فتح حکمتِ بلی کے لحاظ سے بڑی اہم تھی۔ کہ اہل روم کا فلسطین کے ساحلی علاقوں سے قطع تعلق ہو گیا۔ اور اس کی سخت ضرورت تھی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اوپر والے علاقوں میں بیروت اور انطاکیہ

پر بھی قبضہ ہو گیا۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اب مسلمانوں نے اپنا رخ افریقہ کی طرف پھیرنا تھا اور مصر پر قبضہ کرنے کے لئے فلسطین و شام کے سارے سمندری ساحل پر مسلمانوں کے قبضہ ہونا لازمی تھا تاکہ اہل روم ان بندرگاہوں کے ذریعے مصر کو کوئی کمک نہ بھیج سکیں۔ اور مصر پر قبضہ اس لئے ضروری تھا کہ مصر کے علاقہ کو استعمال کر کے اہل روم و شام و فلسطین کے ساحلوں پر قبضہ کی دوبارہ کوشش نہ کریں۔

شمالی شام

جناب ابو عبیدہؓ اب شمالی شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ جناب خالدؓ کے دستے پہلے ہی سے حمص میں موجود تھے اور جناب ابو عبیدہؓ پہ سالار اعظم کے طور پر حمص تک ایک چکر لگا چکے تھے۔ نقشہ و لفظ اور نقشہ سیبازہ میں شام کے شمالی علاقوں کے عمل وقوع اور پرانے شہروں اور پرانے قلعہ کے راستوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہاں بھی حکمت عملی یہی تھی کہ پہلے مشرقی حصوں کو فتح کیا جائے جو ریگان یا عراق کی سرحد کے ساتھ ملتے ہیں اور پھر ساحلی علاقوں پر توجہ دی جائے۔ شیراز تک کے علاقے تو مسلمان جنگ بیک سے بھی پہلے فتح کر چکے ہیں۔ اب ان علاقوں میں جب مسلمان دوبارہ داخل ہوئے تو لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور جشن منائے۔

مسلمانوں کا طریق کار

چنانچہ حمص سے آگے مسلمانوں نے پہلے قناسرین اور کارخ کیا۔ جناب خالدؓ اپنے متحرک دستوں کے ساتھ ہمیشہ المقدم کا کام کر رہے تھے۔ قناسرین کا رومی کمانڈر نیاس تھا جو بہادر آدمی تھا۔ اس نے قلعہ بند ہو جانے کے بجائے قناسرین سے نکل کر کھلے میدان میں حاضر کی مقام پر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔

حاضر کی جنگ

مانہ کا مقام قناسرین سے تقریباً دو میل جنوب کو تھا اور کچھ بھرن کا یہ خیال بھی ہے کہ کھلے

مقابلہ کی بجائے فیاس نے حاضر کے مقام پر اسلامی لشکر کے خلاف گھات لگانے کی کوشش کی۔ مسلمان
البتہ چونکہ تھے جنہوں نے فیاس کے لشکر کو تہہ بالا کر ڈالا۔ مورخین جنگ کی تفصیلات کے بارے میں خوش
ہیں لیکن سب یہ ضرور کہتے ہیں کہ فیاس نے بڑا داؤ لگایا تھا اور اس جنگ میں جناب خالدؓ نے جو کچھ
کر دشمن سے برتر حربی خوبیوں سے داؤ لگا کر کچھ ایسی کاروائیاں کی تھیں، کہ لوگ عجب عجب حیرت مندی
اور خلیفہ دوم کے پاس جب خبر پہنچی اور خاص کر امین الامت جناب ابو عبیدہؓ نے جب پوری تفصیل
لکھی تو جناب فاروق اعظمؓ بہت خوش ہوئے اور جناب خالدؓ کے لئے بڑی دعائیں کیں۔ البتہ وہاں کے
لوگ مسلمانوں کی آمد کے مدت سے منتظر تھے کہ مسلمانوں کے حسن اخلاق کی ان کو خبر مل چکی تھی، اس لئے انہوں
نے اسلامی لشکر کی بڑی آد بھگت کی۔ ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حاضر کی جنگ ایک بہت بڑی جنگ
تھی۔ کہ خلیفہ دوم نے اپنی تعریف کی۔

قناسرین کی فتح

حاضر کی فتح کے بعد اسلامی لشکر نے قناسرین کی طرف پیش قدمی شروع کر دی اور جو لوگ فیاس کے
ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ وہ قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے قناسرین کا خاصرہ کر لیا اور ساتھ
ہی لوگوں کو خبر دیا کہ مسلمان ان علاقوں میں اللہ اور اللہ کے حبیب کے احکام کے نفاذ کے لئے پہنچ
چکے ہیں۔ اس لئے بہتر ہو گا کہ وہ لوگ راہِ راست پر آجائیں۔ مسلمانوں کا پیغام سن کر قلعہ بند لوگوں
نے غیر مشروط طور پر مسلمانوں کا باجگزار بننا منظور کر لیا یہ جمادی الاول سورہ ہجری کا واقعہ ہے۔

حلب

اس کے بعد جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ نے مل کر حلب کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔
وہاں اہلِ روم کی طرف سے جو شہم نامی ایک جنرل متعین تھا اور اس کی بہادری بھی مانی ہوئی بات تھی
اُس نے بھی فیاس کی طرح شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور بری طرح مار کھائی۔ لیکن وہ
فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور حلب میں جا کر قلعہ بند ہو گیا۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا جو شہم
نے قلعہ سے نکل کر کسی دن مسلمانوں پر حملے کے سہم وہ اس امید میں تھا کہ قیصر روم اُس کی مدد ضرور

کرے گا، لیکن ہرقل کی طرف سے کوئی مدد نہ پہنچ سکی۔ جو شتم بہادر آدمی تھا دو تین ماہ تک لڑائی لڑتا رہا اور حلب، رمضان سولہ ہجری میں فتح ہوا۔ لیکن جو شتم پہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کی کہ وہ مسلمان ہو گیا اور جو شتم کی سفارش پر جو رومی سپاہی یورپ جانا چاہتے تھے ان کو اجازت دے دی گئی کہ وہ ادھر جاسکتے ہیں۔

اس کے بعد جناب ابو عبیدہؓ نے مالک اشتر کے ماتحت ایک دستہ عزاز پر لشکر کشی کے لئے بھیجا۔ اسلام کی گود میں آنے والے نئے جنرل جو شتم بھی ان کے ساتھ تھے۔ مالک اشتر نے عزاز پر قبضہ کر کے ان لوگوں کو بھی باجگزار بنایا اور ان کی طرف واپس آگئے۔ مالک اشتر کو اشد غم بھی کہتے ہیں آپ بہادر آدمی تھے۔ اور جناب علیؓ کے زمانے میں آپ کا ذکر اکثر آئے گا۔

انطاکیہ

کچھ مورخین کے لحاظ سے انطاکیہ ہی ہرقل کا ایشیائی دار الخلافہ تھا اور ہرقل نے اپنی زندگی کا کافی حصہ ایشیا میں گزارا تھا۔ پہلے اہل ایران کے ساتھ جنگوں کی وجہ سے۔ اور پھر اپنے علاقوں کی بازیابی کے بعد ابھی ٹکرانے ہی ادا کرتا پھر تا تو حضور پاکؐ کا پیغام مل گیا کہ اسلام کی آغوش میں آؤ۔ اور اس کے چند سال بعد مسلمانوں اور اہل روم کی جنگیں چھڑ گئیں۔ چنانچہ ہرقل نے بیت المقدس اور دمشق میں بھی شاہی دربار لگائے اور حمص کو بھی کچھ عرصہ دار الخلافہ بنایا۔ لیکن اجنادین کی شکست اور مسلمانوں کے دمشق کو فتح کر لینے کے بعد ہرقل نے حمص کو چھوڑ کر انطاکیہ کو دار الخلافہ بنایا۔ اور یہ بوک کی جنگ کے بعد انطاکیہ کو چھوڑ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ گو اس کی فوج شمالی شام میں موجود رہی مسلمان انطاکیہ پر جلد قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ساحلی راستہ استعمال کرنے کی بجائے انہوں نے مشرقی راستہ اختیار کیا اور حلب سے انطاکیہ کی طرف کوچ کر دیا۔ مسلمانوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کسی شہر کا تہ محاصرہ کرتے تھے کہ اس کے ارد گرد ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ دشمن کو یہ بہت نہر پڑے کہ وہ محاصرہ کرنے والوں کا "محاصرہ" کر دے۔ پہلی کتاب کے تیرھویں باب میں دوماہ الجندل کے سلسلے میں اس پہلو کی تفصیل کے ساتھ دماغت کی گئی ہے مسلمانوں نے ہمیشہ شہروں کا محاصرہ مجبوری کی حالت میں کیا اور اگر محاصرہ اٹھانے سے کوئی خاص نقصان نہ

ہوتا تھا تو محاصرہ اٹھا بھی لیتے تھے۔ شہروں کی جنگ پچھلے سو یا دو سو سالوں میں کچھ زیادہ اہمیت اختیار کر گئی تھی، کہ اس میں کچھ تباہی تھی۔ کچھ مال و دولت تھی اور قبضہ بھی رکھا جاسکتا تھا۔ کہ حکومت کے پاس چھوٹے فائر کرنے والے ہتھیار یعنی رائفل وغیرہ ہوتے تھے، اور شہریوں کے لئے ان ہتھیاروں کا بارود رکھنا یا ان سے لڑنا مشکل تھا، کہ جلد پتہ لگ جاتا تھا کہ فلاں جگہ سے مخالفت ہو رہی ہے۔ لیکن اب پھر شہروں پر قبضہ کرنا ہنگامہ پڑتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں جرمنی کو لینن گراڈ اور سٹالن گراڈ پر قبضہ کرنے کی کوشش میں بہت نقصان ہوا۔ اب اسرائیل کا بیروت میں جو مقابلہ ہوا ایسا مقابلہ کسی اور جگہ نہ ہوا۔ پھر آجکل کے زمانے میں تلوار کے ساتھ شہروں پر قبضہ رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ شہر پر تب قبضہ رکھا جاسکتا ہے کہ ایسے شہروں کے لوگوں اور قبضہ رکھنے والے کا سیاسی فلسفہ ایک ہی قسم کا ہو یا ایک ہو۔

انطاکیہ پر حملہ

چنانچہ جناب ابو عبیدہؓ نے انطاکیہ پر مشرقی راستے سے حملہ کیا۔ جناب خالدؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ اہل روم کی دہاں پر کافی فوج موجود تھی جنہوں نے شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور گھسان کارن پڑا۔ جس میں متعدد رومی تہ تیغ ہوئے۔ مورخین کے لحاظ سے رومیوں کے لئے یہ مہم اور اجنادین کی جنگوں کے بعد تیسرے نمبر پر منگی جنگ تھی کہ ان کا بے پناہ جانی نقصان ہوا۔ لیکن جنگ کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ البتہ جو رومی قلعہ کے باہر لڑ رہے تھے انہوں نے نہایت انزاعی مہم میں میدان جنگ کو چھوڑ دیا۔ جو لوگ انطاکیہ کے قلعہ میں رہ گئے تھے انہوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ لیکن وہ تعداد میں زیادہ نہ تھے۔ چند دنوں کے بعد انہوں نے بھی غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ شمالی سولہ ہجری کا واقعہ ہے۔ اُس زمانے میں عراق کے محاذ پر مسلمان موصل تک پہنچ چکے تھے جس کا ذکر پہلی کتاب کے چوبیسویں باب میں ہو چکا ہے۔

انطاکیہ پر قبضہ کرنے کے بعد اسلامی لشکر کے دستے شمال کی طرف سے خوب کی طرف کے ساحلی علاقوں کی طرف بڑھے اور انہوں نے انطاکیہ اور جبلہ کے بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا۔ نیچے سے جناب یزیدؓ کے دستوں نے آگے بڑھ کر بیروت پر قبضہ کیا۔ اور اب شام کے سارے ساحلی علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ

ہو گیا۔ انطاکیہ پر قبضہ کرنے کے بعد جناب ابو عبیدہؓ وہاں سے منب واپس آگئے اور مشرق میں منبج تک کے علاقوں کو فتح کیا۔ اور آخر میں خود حمص واپس چلے گئے کہ یہ ان کا آگے والے یعنی ایڈوانس ہیڈ کوارٹر تھا اور جابمیر بھیجے والا یا ریئر ہیڈ کوارٹر تھا۔ جناب خالدؓ نے تیام کے لئے تھامسین کے مقام کو چنا اور آپ مسلمانوں کے اگلے دستوں کے کمانڈر اور شمالی شام کے عامل تھے۔ وہ دشمن پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔ کہ آگے والی سرحدی ذمہ داری ان کی تھی۔

مفتوحہ علاقے

بلاد شام و فلسطین میں اب حالات مکمل طور پر مسلمانوں کی مرضی کے مطابق ہو چکے تھے اور تمام علاقے جرنیل کے ہاتھ تھے ان میں اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام نافذ کئے جا رہے تھے۔ بڑے بڑے شہروں میں ممالک کے علاقہ مبلغ اور وصولی کرنے والے حاکم مقرر کر دیئے گئے تھے اور علاقوں کی حدود مقرر کئے گئے۔ کہ وہ کس کی عملداری میں آتے ہیں۔ چھوٹے شہروں میں امر کو مقرر کیا کہ سول نظام چلائیں۔ علاقہ کے لوگوں کو حکومت میں شریک کیا جاتا اور علاقہ کے نو مسلم لوگوں کو اسی علاقہ کا نظم و نسق سپرد کر دیا گیا۔ ادھر ایران و عراق میں اُس وقت تک مسلمانوں نے مشرق کا رخ نہ کیا تھا۔ جناب سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کو فتح کرنے کے بعد جلولا، بکسریہ اور موصل کا رخ کیا۔ اور دریائے فرات کے ساتھ ساتھ انبار اور فرائض وغیرہ پر پہلے قبضہ ہو چکا تھا مسلمانوں نے سول نظام کے لئے جو طریق کار اختیار کئے وہ الگ کتاب کا مضمون ہے۔ لیکن اوپر سے لے کر نیچے تک وظائف اور سالانہ اخراج پر سے کرنے یا پنشن کے جو طریقے مقرر کئے ان کو پڑھ کر مغربی مبصر حیران ہو جاتے ہیں کہ اُس زمانے میں اتنا اعلیٰ پایہ کا نظام تھا جب بہت کم لوگ لکھے پڑھے تھے۔ اور لکھنے کے لئے کاغذ تک میسر نہ تھے۔ ہم صرف یہی کچھ کہیں گے کہ مسلمانوں میں دیانتداری تھی اور ان کا نفاہر و باطن ایک تھا۔ ان کی زبان کی اہمیت تحریر سے بڑھ کر ہوتی تھی۔ اور حضورؐ نے فرمایا تھا کہ یاد دہانی کے لئے لکھ لیا کریں ورنہ مسلمان زبان حکومت چلا سکتے تھے۔

جزیرہ

عراق اور شام کے سرحدوں کے درمیان صرف ایک ایسا علاقہ باقی رہ گیا تھا۔ جس پر مسلمانوں

نقشہ سیازوہم . شمالی شام کا نقشہ .

مشہور شہر اور پرانے قافلوں کے راستے

شمال



کا قبضہ نہ ہوا تھا اور اس کو جزیرہ کہتے تھے۔ نقشہ دوازہ دہم اور چہار دہم سے اس علاقہ کے محل وقوع سے معلوم ہوگا کہ یہ علاقہ وہ ہے جہاں موجودہ عراق، شام اور ترکی کی سرحدیں ملتی ہیں یہ علاقہ دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے بالائی حصوں اور معادنوں سے گھرا ہوا ہے۔ بلکہ جزیرہ کے بیچ جزیرے ہیں۔ ایسی کئی معادن دریا میاں بہتے ہیں۔ ویسے جزائر ایٹائی لحاظ سے اس کو جزیرہ نہیں کہہ سکتے کہ خشکی کے ایسے ٹکڑے موجود ہیں جہاں سے کوئی دریا نہیں گذرتا لیکن یہ جگہیں تھوڑی ہیں نقشہ سے یہ ظاہر ہے کہ عراق میں یہ علاقہ موصل کے مغرب اور شمال مغرب میں ہے۔ اور شام میں حلب سے شمال مشرق میں۔

ظاہر ہوتا ہے اس زمانے میں حکمت عملی کے تحت مسلمانوں کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا کہ اس علاقہ کو فتح کیا جائے۔ اس علاقے کے کافی حصے اہل روم کے باہر تھے لیکن قیصر روم اس قابل نہ تھا کہ اس طرف کوئی لشکر بھیج کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکے۔ بہر حال اس کو فکر یہ تھی کہ سلمان اناطولیہ کی طرف یا آبنائے باسفورس کی طرف جلد پیش قدمی کر کے اس کی سلطنت کو ختم کر دیں گے اس لئے اس نے ایک چالی چالی مسلمانوں کی توجہ جزیرہ کے علاقے کی طرف ہر جائے۔ اس نے وہاں آباد لوگوں کو مبلغوں کے ذریعہ سے مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ اس علاقہ کے لوگ کچھ جنگجو قسم کے بھی تھے جن میں کرد، ترکمان، دروز اور آرمینیا نسل کے کئی قبیلے شامل تھے۔ مذہب کے لحاظ سے یہ لوگ بھی نصرانی تھے۔ تو قیصر روم نے ایک تجویز کے تحت ان تمام لوگوں میں اتحاد پیدا کیا اور یہ لوگ ایک لاکھ لشکر تیار کر کے بلاد شام کی طرف چل پڑے۔ مسلمان دستے شمالی شام کے دروازہ مقامات میں پھیلے ہوئے تھے ان چھوٹے چھوٹے دستوں کیلئے اتنے بڑی ٹپسی دلی قسم کے لشکر کے ساتھ الگ مقام پر مقابلہ کرنا فوجی لحاظ سے ٹھیک نہ ہوتا۔ جناب ابو عبیدہؓ یہ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے تھے کہ خطرہ کتنا بڑا ہے۔ اُدھر کے کچھ دستے ساحلی علاقوں میں اترنے کی کوشش کر رہے تھے کہ یا تو انطاکیہ کو دوبارہ حاصل کر لیا جائے یا کم از کم مسلمانوں کے لئے ساحلی علاقوں میں کچھ خطرات پیدا کئے جائیں۔ کچھ مورخین کے لحاظ سے رومی دستوں نے کچھ علاقوں پر دوبارہ قبضہ بھی کر لیا تھا۔

جناب ابو عبیدہؓ کا رد عمل

چنانچہ جناب ابو عبیدہؓ نے حضور پاکؐ سے سکھے ہوئے طریقے کے مطابق اپنی منتشر طاقت کو اکٹھا کیا اور تمام چھوٹے چھوٹے دستوں کو حمص میں اکٹھا ہونے کے احکام جاری کر دیے۔ مسلمانوں نے ایسی کارروائی تیسری بار کی پہلے اجنادین کے مقام پر دوسری دفعہ یرموک کی دوسری جنگ کے موقع پر اور تیسری دفعہ حمص کے مقام پر۔ اب فرق یہ تھا کہ جنوب میں دستوں کو دمشق وغیرہ سے نپلے مضامعات پر اپنے کام پر رہنے دیا۔ روایت ہے کہ جناب خالدؓ نے مشورہ دیا کہ آگے بڑھ کر جزیرہ سے پیش قدمی کرنے والے بے ترتیب لشکر کو کسی بھی میدانی علاقہ میں تہ تیغ کر دیا جائے لیکن جناب ابو عبیدہؓ نے بہتر سمجھا کہ پہلے اپنی طاقت کو اکٹھا کر کے دشمن کے بارے میں صحیح اندازہ لگایا جائے۔ ساتھ ہی حمص کا مقام ایسا تھا جس کی چار دیواری دمشق سے بہتر تھی اور ٹڈی دل بے ترتیب لشکر کے سامنے کچھ عرصہ قلعہ بند ہو جانے میں کوئی ہرج نہ تھا۔ گو مسلمان ساکن جنگ کو پسند نہ کرتے تھے۔

جناب خالدؓ کی تجویز بھی ٹھیک تھی کہ اس قسم کی جذباتی اور بے ترتیب "فوج کسی میدانِ جنگ میں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکتی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابو عبیدہؓ کسی اور تجویز کے تحت کام کر رہے تھے۔ انہوں نے مدینہ شریف میں حلیفہ دوم کو حالات سے آگاہ کیا اور اپنی تجویز بھی لکھی کہ اہل جزیرہ کے حمص آجانے کے بعد پورے کاپورا دشمن مسلمانوں کے رعب پر ہو گا اور اگر اسی دوران عراق سے کچھ دستے جزیرہ کی طرف پیش قدمی کریں تو وہ طرفہ کارروائی سے سارے دشمن کا فائدہ ہو جائے گا۔ اگر اسی دوران سمندر کے راستے ہرتل کی کوئی فوج اہل جزیرہ کی امداد کے لئے آجاتی ہے تو جناب ابو عبیدہؓ دونوں حملہ آوروں کا کئی دن تک حمص میں قلعہ بند ہو کر مقابلہ کر لیں گے۔ معاملات فکر مندی کے بالکل منتہی تھے یہ سب کچھ ایک تجویز کے تحت ہو رہا تھا لیکن چڑ کہ ایک طرف حلیفہ دوم خود مدینہ سے چل پڑے۔ اور ادھر آپ نے جناب سعد بن ابی وقاص کو مدائن میں لکھا کہ کچھ دستے اہل جزیرہ کی سرکوبی کے لئے وہ جزیرہ کے علاقہ میں بھیجیں۔ اور ایک دستہ جناب قحطاب بن عمرو کے ماتحت جناب ابو عبیدہؓ کی مدد کے لئے حمص بھیجیں۔

کچھ مورخین اور مبصرین نے صورت حال کو بھیانک بتایا۔ لیکن ایسی کوئی بات نہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بعد میں چلے بھی، لیکن جب وہ جابہ کی چھاؤنی میں پہنچے تو حالات ٹھیک ہو چکے تھے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ ظاہر ہے کہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس لئے آرہے تھے کہ دو محاذوں کی افواج نے مل کر کام کرنا تھا۔ اور اگر حالات جلدی سے مسلمانوں کی مرضی کے مطابق نہ ہوتے تو جناب فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہونے سے تجویز میں تبدیلی اور طاقت جلدی سے پیدا کی جاسکتی۔ اور ایسی کوئی بات نہ تھی کہ حالات بھیانک تھے تو اس وجہ سے جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جناب یزید رضی اللہ عنہ کا لشکر دمشق میں، جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کا قساریہ کے محاصرہ میں، اور جناب عمرو بن عاص کا لشکر فلسطین میں موجود تھے جناب ابو عبیدہ سپہ سالار اعظم تھے اور اگر حالات بھیانک ہو جاتے تو آپ ان لشکروں سے مدد مانگتے یہ موک کے وقت کہیں سے مدد نہ مانگی۔ اور اب حالات کونسے بھیانک تھے۔ یہ غیر فوجی ذہنوں کی لفاظی ہے، اور جس کسی فوجی مبصر نے ایسا لکھ دیا کہ حالات بھیانک تھے تو وہ غیر فوجیوں کی لفاظی کے چکر میں آگیا۔ حالات اتنے اچھے تھے کہ جناب عمرو بن عاص فلسطین میں مجاہدین کو اکٹھا کر کے مصر پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اور انہوں نے اگلے سال یہ کارروائی کی جس کا ذکر تیسری کتاب میں ہوگا۔ یہاں جو کچھ کیا گیا، حکمت عملی اور ضرورت کے تحت کیا گیا۔ اور آسانی کو مدنظر رکھا گیا۔ قرون اولیٰ کے مسلمان دشمن کے رد عمل کو معلوم کر لینے کے بعد سمجھنے کی کوشش کرتے تھے اور پھر تجویز کے تحت کارروائی کرتے تھے اور ہماری طرح نہ تھے کہ دشمن ہم کو بے خبری میں آلیتا ہے۔

جناب سعد کی کارروائی

جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جناب سعد بن ابی وقاص کو جزیرہ کی کارروائی کیلئے تفصیل کے ساتھ احکام دیئے۔ انہوں نے تین لشکر جزیرہ میں روانہ کئے، ایک جناب عیاض بن غنم کے ماتحت، ایک جناب خالد بن مرفطہ کے ماتحت اور تیسرا اپنے بھتیجے ہاشم بن عتبہ کے ماتحت۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ صرف عیاض بن غنم آگے گئے کہ خبر ملی کہ اس علاقہ میں زیادہ فوج نہ تھی جناب عیاض بن

غتم نے آگے اپنے لشکر کو تین دستوں میں تقسیم کیا۔ ایک دستہ سہل بن عدی کے ماتحت رقبہ بھیجا اور دوسرا
عبداللہ بن عتبہ بن عتبہ کے ماتحت نصیبین۔ اور پھر ان دونوں لشکروں نے مل کر حراں اور ربا کو فتح کیا۔
تیسرے دستہ کو جناب ولید بن عتبہ کے ماتحت جزیرہ کے قبائلی رعیہ اور تنوچ کی سرکوبی کے لئے
بھیجا۔ جناب عیاض بن غنم کسی تعارف کے محتاج نہیں حصہ ازل میں دو دستہ الجندل کی ہم کے
سلسلہ میں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ آپ جناب خالد بن ولید کے لشکر کے ساتھ عراق سے شام آئے تھے
اور پھر ہاشم بن عتبہ کے ماتحت شام سے عراق چلے گئے تھے جہاں قادیسیہ کی جنگ میں شرکت کی تھی
اب جزیرہ کے علاقہ کو تاخت و تاراج کرنے۔ پادشاہ حربی مظاہرہ کرنے کے بعد شام میں جناب ابو عبیدہ
کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لئے آپ موزوں پہ سالار تھے علاوہ آپ جناب ابو عبیدہ کے خالد زاد اور چچہ بھائی تھے
دوسرے موزوں پہ سالار جناب قعقاع بن عمرو تھے جن کے بارے خلیفہ دوم احکام دے چکے تھے
کہ وہ ایک لشکر کے ساتھ حمص تک کے علاقہ میں جناب ابو عبیدہ کے ساتھ رابطہ قائم کریں۔ جناب
قعقاع اسلام کے ایک عظیم فرزند ہیں۔ اور جنگ قادیسیہ میں شرکت کے لئے عراق گئے تھے اب
دوبارہ شام میں آ کر عراق اور شام کی فتوحات کو مکمل کرنے کی شرکت کا سعادت اُن کا حق تھا جو اللہ
تعالیٰ نے اُن کی نصیب کیا۔ کہ جناب قعقاع وہ اکیلے مجاہد تھے جن کو جناب صدیق نے جناب خالد
کی امداد کے لئے پیامہ اس وقت روانہ کیا جب وہ عراق کی فتوحات کی بسم اللہ کر رہے تھے۔ دنیا کی
تاریخ میں اول تو کوئی ایسی مثال نہیں کہ کبھی امداد کے طور پر لشکر کے لئے صرف ایک آدمی بھیجا گیا
ہو۔ اور شاید کوئی ایسی بات ہو تو ایسے اکیلے آدمی ذاتی ذاتی مبارزوں میں حصہ لیا ہو گا۔ اور
نہ ہی اتنے تعاقب کئے ہوں گے۔ شام کی فتوحات کے سلسلہ میں ہم جناب قعقاع کی شرکت کی وجہ سے
اُن کو ایک دفعہ پھر سلام کرتے ہیں۔ اور کتنے عظیم تھے وہ ماں و باپ جن کے بیٹے قعقاع اور عاصم
ہیے ہوں۔

چنانچہ جن مورخین کے حساب سے جناب قعقاع صرف قرسیا تک آئے ہمارا ان کے ساتھ
اتفاق نہیں ہے جناب قعقاع رضہ حمص تک آئے۔ کہ گو اُن کے آنے سے پہلے جزیرہ کے قبائل منتشر
ہو چکے تھے۔ لیکن روایت ہے کہ جناب ابو عبیدہ نے خلیفہ دوم سے پوچھا کہ مال غنیمت میں جناب
قعقاع رضہ کے لشکر کا حصہ ہو گا یا نہیں تو جناب عمر نے حکم دیا کہ ان کو مال غنیمت میں سے حصہ



نقشہ چہار دہم . جزیرہ کے علاقہ کی تفصیلات
مشہور شہر اور دریا



سکیل 1/4,000,000 RF

دیا جائیگا کہ وہ لوگ کامیاب ہوئے۔ اور قبائل کچھ اس وجہ سے بھی منتشر ہوئے کہ جناب تغلق کی لشکر کی آمد کی خبر ان کو مل گئی تھی۔

جزیرہ کے قبائل

جزیرہ کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف کارروائی مہنگی پڑی وہ گھروں کے خیرباد کہہ کر چل پڑے تھے اور ان کے گھروں میں جناب عیاض بن غنم کے لشکر پہنچ گئے جنہوں نے سارے علاقہ کو فتح کر ڈالا۔ ایک قریشیہ کا شہر رہ گیا تھا اس کو جناب تغلق نے اپنی پیش قدمی کے دوران فتح کر لیا۔ بے ترتیب قبائل کوئی کارروائی نہ کر سکے جب حمص کے نزدیک پہنچے تو جناب ابو عبیدہ نے ان کی بے ترتیبی کو دیکھتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا اور وہ سارا سامان اور بار برداری کے ادنیٰ وغیرہ تک وہاں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ وہ جب منتشر ہو کر بھاگتے جا رہے تھے تو آگے سے جناب تغلق کے لشکر نے ان کو نقصان پہنچایا۔ اور ان کا علاقہ جناب عیاض بن غنم نے فتح کر لیا تھا

جناب عیاض بن غنم کی عملداری

جناب تغلق تو حمص سے واپس چلے گئے لیکن جناب عیاض نے چند دستے جزیرہ کے اہم مقامات پر چھوڑ دیئے اور خود کچھ لشکر کے ساتھ حمص میں جناب ابو عبیدہ کے ساتھ رابطہ قائم کر لیا۔ اُس زمانے میں ہرقل کی کچھ فوجوں کی طرف سے خطرہ تھا کہ ساحلی علاقوں میں وہ اترنے کے کوشش کریں گے۔ چنانچہ جناب ابو عبیدہ نے جناب خالد اور جناب عیاض کو انطاکیہ وغیرہ کی طرف حربی مظاہروں کے لئے بھیجا اور کوئی اکا دکا رومی جو مخبری کے لئے وہاں تک آئے بھی تھے۔ وہ بھی واپس بھاگ گئے۔ اس لئے مسلمانوں نے جو علاقے فتح کئے تھے۔ ان پر اپنی عملداری کو بحال کر دیا البتہ مفتوحہ علاقوں میں بہت زیادہ وسعت برپا تھی۔ اس لئے جناب ابو عبیدہ نے خلیفہ دوم کو لکھا کہ اگر جزیرہ کے علاقوں کو شام کے عملداری میں شامل کرنا ہے۔ تو جناب عیاض بن غنم کو بھی ادھر ہی رہنے دیا جائے۔ کہ جناب خالد اکیلے طور پر سارے علاقوں کی دیکھ و بھال نہ کر سکیں گے۔ خلیفہ دوم نے جناب ابو عبیدہ کے رائے سے اتفاق کیا اور جناب عیاض بن غنم اپنے

لشکر سمیت شام کی اسلامی افواج کا حصہ بن گئے اس کی ضرورت اس وجہ سے بھی تھی کہ ایران کے محرم پر مشرق کی طرف نہادند کارخ ہونے والا تھا۔

یہ تھی جناب صدیق اکبرؓ کی عراق و شام کو فتح کرنے کی حکمت عملی جس کو فاروق اعظمؓ نے پران چڑھایا۔ اور وہ اب خود باقی ماندہ ایران اور مصر کو فتح کرنے کی حکمت عملی بنا رہے تھے۔

فاتحین شام کے زندگی کے آخری ایام

شام و فلسطین کی فتوحات کے بیان کو ختم کرنے سے پہلے جناب البر عبیدہؓ اور ان کے چند ساتھیوں کے شام میں آخری ایام اور وفات کا ذکر ضروری ہے۔ کہ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق موت ایک دروازہ ہے اور حضور پاکؐ کے فرمان کے مطابق موت کے بعد مومن کی طاقتیں سترگن زیادہ ہو جاتی ہیں۔ حضور پاکؐ نے فرمایا **الدُّنْيَا سَبْعُونَ الْمَوْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ** یہ دنیا تو ہمارے لئے ایک قید خانہ کی طرح ہے اور یہاں پر ہم امتحان کے لئے آئے ہیں۔ دنیا میں اچھے کام کرنے میں یہی مقصد ہوتا ہے کہ وہ کام آخرت کے لئے جزا کا کام دیتے ہیں۔ اس لئے زندگی کے بیان کی نسبت موت کے بیان کو بہتر دلوں سے بیان کرنا چاہیے اسی طرح فوج یا نوکری سے ایک دن سبکدوشی ہوتی ہے اور اگر عزت کے ساتھ کسی کو سبکدوش کر کے وظیفہ یا پنشن دے دی جائے تو اس کا ذرا بھر بھی افسوس نہیں ہونا چاہیے۔ گو اسلام میں سبکدوشی کے لئے کسی عمر کا تعین نہیں ہے اور ستر یا اسی سالہ مجاہدوں کو جنگ میں حصہ لیا ہونے کے کئی حصوں سے متعدد مجاہدین بھی جنگ میں حصہ لیتے رہے۔

جناب خالد کی سبکدوشی

شام میں ساری فتوحات کے مکمل ہو جانے کے بعد جناب خالدؓ شمالی شام میں مراش کے نزدیک ٹھہرے ہوئے تھے تو آپؓ نے اپنے غسل کے پانی میں ایک ایسی دوائی ڈالی جس کو موجودہ زمانے کی پیرٹ یا ڈیول کے مشابہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ دوائی بھی کسی ایسی بھٹی میں تیار ہوئی تھی جو شراب کی بھٹیوں کے مشابہ تھی۔ اور یہ ایک اس قسم کا مدق بھی بن جاتا تھا جس کو کچھ لوگ شراب کے طور پر نشہ لینے کے لئے استعمال کر لیتے تھے جیسے آج کل چٹری وغیرہ دوائیوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی زمانے میں

جناب خالدؓ کی ملاقات اشعث بن قیس کے ساتھ ہوئی اور جس کا ذکر میں نے کے مرتدین کے سلسلہ میں بھی ہو چکا ہے کہ بعد میں اُس کو مسافری لگئی اور ایران کی کئی جنگوں میں شرکت کی، اور بیادری کے جوہر بھی دکھائے۔ اشعث شاعر بھی تھا اور جناب عیاضؓ بن غنم کے لشکر کے ساتھ جزیرہ اور شمالی شام آیا ہوا تھا۔ جہاں پہلے جناب خالدؓ کے ساتھ ملاقات کر چکا تھا۔ اور ان کی تمام جنگوں کے احوال سے آگاہ ہوا۔ واپس جا کر اُس نے جناب خالدؓ کے تمام کارناموں کو ایک نظم کی شکل دے دی اور یہ نظم جناب خالدؓ کو مرثیہ میں آکر سنائی اور پیش بھی کر دی جناب خالدؓ بڑے خوش ہوئے اور اُس کو ایک ہزار درہم انعام دے دیا۔

جناب عمرؓ کی برائی

جناب فاروقِ اعظمؓ کے پاس یہ دونوں خبریں، کہ شراب کا غسل کے پانی میں استعمال، اور اشعث کو انعام دینے کی خبر ایک ہی وقت پہنچیں۔ جناب فاروقِ اعظمؓ نے جواب طلبی کی۔ جناب خالدؓ نے دونوں باتوں کی وضاحت کی، کہ پانی میں جو دوائی استعمال کی وہ صرف شراب کے نام سے مشہور ہے اور اشعث کو جو انعام دیا گیا۔ وہ جناب خالدؓ کی ذاتی ملکیت تھی۔ خلیفہ دوم کو دونوں جوابات سے تسلی نہ ہوئی۔ اُن کا خیال تھا کہ جناب خالدؓ جسے مجاہدِ اعظمؓ کا شراب کی کسی قسم کی چیز کو غسل کے پانی میں استعمال کرنا بھی ایک خراب نمونہ ہے اور گو اس سلسلہ میں کوئی حد جاری نہیں ہو سکتی یعنی تالونی کاروائی نہیں کر سکتے۔ لیکن کچھ اور کاروائی تو کی جائے۔ اسی طرح اپنی خوشامد سے خوش ہو کر کسی کو انعام دینا بھی صحیح بات نہیں کہ امت کے لوگ اس کی نقل کریں گے۔ اس لیے جناب فاروقِ اعظمؓ نے جناب خالدؓ کو ملازمت سے سبکدوش کر کے مدینہ آنے کے احکام دیئے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس سے پہلے حصہ اول میں جناب سعد بن ابی وقاص جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے ان کی سبکدوشی کا ذکر ہے۔ بلکہ جناب عمار بن یاسر، جناب مغیرہ بن شعبہ، اور جناب علاء بن الحضرمی کی سبکدوشی کا ذکر ہے اور اس کتاب میں جناب خالدؓ بن سعید اور جناب شرجیل بن حسنہ کی سبکدوشی کا ذکر ہے۔ کچھ مبصرین نے لکھا ہے کہ جناب خالدؓ کی فدا کو دیکھتے ہوئے ایسی چھوٹی باتوں سے درگزر کرنا چاہیے تھا۔ یہ بیان غیر اسلامی ہے کہ حضور پاکؐ کا

فرمان ہے کہ پہلی تو میں تباہ اسی وجہ سے ہوئی کہ امرا کو قانونی رعایتیں دے دیتے تھے۔ اور آپ نے اپنی پیاری بیٹی فاطمہ الزہراءؑ کا نام لے کر فرمایا کہ اُن کو بھی قصور پر اتنی ہی سزا ملنی چاہیے۔

مبصرین کی حاشیہ آرائی

بعض مبصرین نے اس واقعہ اور جناب خالد رضا کے سپہ سالارِ اعظم سے ہٹانے کے واقعہ کو ملا کر یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جناب عمر رضی نے تو خلیفہ بننے کے بعد ہی جناب خالد کو ہر قسم کی امارت سے ہٹا دیا تھا، اور یہ جو امارت ان کو ملی ہوئی تھی یہ جناب ابو عبیدہ کی طرف سے تھی یہ دروغ گوئی تو یہاں ہی ختم ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو پھر جناب عمر رضی، جناب ابو عبیدہ کو لکھتے کہ اپنے فلاں امیر کو امارت سے ہٹا دو، یہ سب کہانیاں ہیں۔ بیت المقدس کی فتح کے وقت جناب عمر فاروق رضی نے جناب خالد رضا کی عزت افزائی کے طور پر اُن کو دہاں ساتھ لے گئے اور جس معاہدہ پر دستخط کئے اُس کی عظیم گواہوں میں جناب خالد بھی تھے۔ ایک مبصر نے جناب خالد رضا اور جناب عمر رضی کی بچپن کی ایک کشتی کا ذکر بھی کیا ہے جس میں جناب خالد رضی نے جناب عمر رضی کو گرا لیا اور اُن کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی اور اُس مبصر کے لحاظ سے جناب عمر رضی نے جناب خالد رضا کو کبھی معاف نہ کیا۔ یہ افسوسناک بیان ہے۔ اول تو کسی پرانی تاریخ میں ایسا واقعہ نہیں ملتا اور نہ کہیں حضرت عمر رضی کی ٹانگ ٹوٹنے کا ذکر ہے۔ پھر یہ بہتان ہے۔ جناب عمر رضی تو حُبَّ اللہ اور بغضِ اللہ کی مثال تھے۔ اور حق و باطل یا سچ و جھوٹ میں فرق کرنے والے تھے تو حضور پاکؐ نے اُن کو فاروق رضی کا خطاب دیا۔ حضرت عمر رضی کے خلاف ایسا بہتان لگانے سے حضور پاکؐ کی بے ادبی ہوتی ہے۔

بات صرف اتنی تھی کہ جناب خالد رضا اور جناب عمر رضی کے باقی نتھیاں میں سے کچھ لوگوں نے اسلام لانے میں دیر کی۔ حالانکہ ابو جہل کے رضائی بھائی حضرت عیاش بن ابی ربيعة حضور پاکؐ کے دارلارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے تھے۔ ابو جہل کے سگے بھائی سلمہ بن ہشام بھی اولین مسلمانوں سے ہیں اور جیشہ میں ہجرت بھی کی۔ خالد رضا کے اپنے بھائی ولید رضی جنگِ بدر کے بعد ایمان لے آئے۔ اور جناب ہاشم رضی بن ابی خدیفہ جناب مبارک بن سفیان اور

عبداللہ بن سفیان جو بنو مخزوم میں سے تھے سب اول اسلام لانے والوں سے تھے۔ لیکن باقی لوگوں کے مقابلے میں بنو مخزوم سے کم لوگ اول اول اسلام لائے اور جناب عمرؓ کو افسوس تھا کہ ان لوگوں نے اسلام لانے میں دیر کی۔ اور جب یہ لوگ اسلام لائے تو جناب عمرؓ کو خوشی ہوئی۔ ہمیں ان واقعات میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی کہ جناب عمرؓ کے دل میں کسی کے لئے بغض تھا۔

جناب خالدؓ کی مدینہ میں آمد

جناب خالدؓ جب مدینہ تشریف لے آئے تو تمام مومنین کے مطابق جناب عمرؓ نے ان کو خوش آمد کہا کہ اے اباسلمان! آپ نے جو اسلام کی خدمت کی ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے لیکن یہ سب اللہ کی عطا ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے اپنے عام جملے میں بھی یہی الفاظ دہرائے۔ اور بعض روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ کو اکثر یہ فکر رہتی تھی کہ لوگ حضرت خالدؓ اور حضرت مشنیؓ کی پوجا نہ شروع کر دیں اور جناب فاروق اعظمؓ کے بارے میں شہو ہے کہ آپ نے وہ درخت بھی جڑ سے اکھڑوا دیا جس کو لوگوں نے تبرک کہنا شروع کر دیا تھا۔ فاروق کے معنی بھی یہی ہیں بلکہ حق اور باطل میں فرق کرنے والا۔ لیکن اس کے لئے جناب فاروقؓ کی طرح مومن کی فراست کی ضرورت ہے کہ باطل کے آنے سے پہلے اس کو رد کا جائے۔ اور سپہ سالار اعظم کے عہدہ سے جناب خالدؓ کو ہٹا کر دوسری سطح کا امیر بنا دیا تو لوگوں پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ فتوحات اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اب جناب خالدؓ کو سبکدوش کر کے اور ظاہر کیا کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے کہ فتوحات بعد میں بھی جاری رہیں۔ جناب خالدؓ کو جناب فاروقؓ کے خلاف کوئی شکایت نہ تھی کہ جب ان کی وفات ہوئی تو آپ نے اپنا وارث جناب فاروقؓ کو قرار دے دیا کہ وہ ان کے جائیداد کو جس طرح چاہیں بانٹ دیں۔ جو ممبر اور جو مورخ سارا دت جناب فاروقؓ اور جناب خالدؓ کے اختلاف کو ہوا دیتے رہے یہاں آ کر کہتے ہیں کہ آخری ایام میں جناب خالدؓ نے اپنے آپ کو حالات کے مطابق ڈھال لیا تھا اور حضرت عمرؓ کی دانائی کے قائل ہو گئے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ جناب خالدؓ ہمیشہ سے حضرت عمرؓ کی دانائی کے قائل تھے اور حضرت عمرؓ جناب خالدؓ کی بہادری اور اصولوں کے۔

طاعون کی وبا

اللہ تعالیٰ کے عجیب رنگ ہیں اور مشیتِ ایزدی کو کوئی نہیں سمجھ سکتا جب بلا و شام کی قوتِ ماکمل ہو گئی۔ تو مشیتِ ایزدی کو کسی ٹھہراؤ کی شاید ضرورت پڑ گئی کہ جس رفتار سے مسلمان مجاہدین نے دو عظیم سلطنتوں کو پاش پاش کر دیا تھا اس رفتار سے تو وہ چند سال میں دنیا کے کناروں سے باہر نکل جاتے۔ لیکن حلقِ حقیقی نے حق و باطل کی ٹکڑ کو چلانا تھا اور چلانا ہے۔ اس نے بیچ میں ٹھہراؤ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور ہر ٹھہراؤ کی شکل دوسرے سے الگ ہوتی ہے پہلا ٹھہراؤ حضور پاک کی وفات کی وجہ سے ہوا۔ جو چند ماہ تھا۔ دوسرا ٹھہراؤ اب آیا۔ یہ مکمل ٹھہراؤ بھی نہ تھا بس رکاوٹ کہہ لیں تو صحیح ہو گا۔ اور یہ طاعون کی صورت میں سامنے آیا۔ کہ اہل حق سے کسی عظیم صحابہ کو اس دوران شہادت نصیب ہوئی اور اسلام کے قافلہ کی رفتار مدہم پڑ گئی یہ دبا سترہ اور اٹھارہ ہجری میں دو دفعہ آئی۔ اس نے کچھ مورخین نے جو صرف سترہ ہجری کا ذکر کیا ہے اور کچھ نے اٹھارہ ہجری کا تو اس کو اختلاف نہ سمجھتا چاہیے۔ بلکہ زیادہ بہتر یہ ہو گا کہ یہ کہا جائے کہ دونوں سن ہجری میں یہ وبا کیسے نہ کہیں کچھ نقصان کرتی رہی۔

حضرت عمرؓ کا تردد

روایت ہے کہ پہلی دفعہ وبا پھیلنے کے بعد حالات کچھ ٹھیک ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے تیسری بار ملک شام کے سفر کا رخت باندھا اور جاہلیہ تک تشریف لے گئے لیکن جب وہاں پہنچے تو وبا پھر شروع ہو گئی۔ جناب عبدالرحمن بن عرف بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے حضور پاک کے اس سلسلہ جس فرمان کی وضاحت کی وہ کچھ اس طرح سے تھا۔ "جب تم سنو کہ یا کسی شہر میں پھیلی ہوئی ہے تو تم وہاں مت جاؤ۔ اور جب تم کسی شہر میں موجود ہو اور وہاں یہ وبا نازل ہو، تو تم وہاں سے اس طرح بھاگ کر نہ نکلو کہ تمہارے نکلنے کا سبب ہی ایک وجہ ہو۔"

بات بالکل واضح اور صاف ہے کہ اسلام ایک اجتماعی دین ہے۔ جہاں بیماری پھیل چکی ہو۔ وہاں نہیں جانا چاہیے۔ لیکن جو لوگ وہاں پر موجود ہوں ان کو اگر کھلی چھٹی ہوتی کہ وہ بھاگ جائیں تو امر ایسا

جائیں گے اور صرف عزیز اور نادار لوگ وہاں رہ جائیں گے۔ اس لئے وہاں سے بھاگنے والی بات صحیح نہیں ہے کہ یا تو سب لوگوں کو صحت افزا مقام پر لے جایا جائے تو پھر بھاگنے کی بجائے یہ ایک ہجرت یا مصیبت سے بچنے کی کارروائی ہے جو جائز ہے بہر حال یہ ساری بات بڑے وسیع فلسفہ والی ہے۔

لہذا جناب فاروق اعظمؓ نے اعلان کیا کہ چونکہ وہ بلادِ شام میں داخل نہیں ہوئے اس لئے وہ ملکِ شام میں داخل نہ ہوں گے۔ اور واپس چلے جائیں گے۔ جناب ابو عبیدہؓ بھی جا بیٹھے اپنے ایسے ہیڑھ کو اڑانے میں آئے ہوئے تھے کہ خلیفہ دوم کو خوش آمدید کہیں۔ ویسے سارا شام آپ کی عملداری میں تھا۔ اس لئے وہ بھی بات کو تو سمجھ گئے کہ ان کو ملکِ شام سے نہ جانا چاہیے۔ لیکن انہیں کچھ خیال ہوا کہ جناب عمرؓ بھی اب اس علاقے میں داخل ہو چکے ہیں اس لئے ان کو بھی واپس نہیں جانا چاہیے۔ اور وہ ہم نفس تھے اور ان کا ظاہر و باطن ایک تھا اس لئے جناب ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو یہ کہا:

”کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر جا رہے ہیں؟“

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”ہاں! کہ ہم اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر اللہ ہی کی تقدیر کی طرف جا رہے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اگر کوئی شخص ایسی داری میں اترے جس کے دو کنارے بموں ایک سرسبز اور دوسرا خشک جو خشک کنارے پر ہو وہ بھی اللہ کی تقدیر ہے اور جو سرسبز کنارے پر ہو وہ بھی اللہ کی تقدیر ہے“

جناب عبدالرحمنؓ بن عوف بھی نزدیک ہی تھے۔ پھر تینوں صحابہؓ ایک طرف الگ ہو گئے اور آپس میں کافی دیر باتیں کرتے رہے۔ آپس میں کیا بات ہوئی وہ کسی راوی نے بیان نہیں کی۔ لیکن تمہارے کافی موجود ہیں۔ کچھ نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جناب عمرؓ کو جناب ابو عبیدہؓ کی بات پسند نہ آئی اور انہوں نے یہ بھی کہا ”کاش! امین الامت یہ الفاظ آپ کی زبان سے نہ نکلنے۔ کسی نے کچھ اور کہا۔ ظہرہ ہمارے لحاظ سے بات واضح ہے۔ جناب ابو عبیدہؓ نے اپنے خیال کو مکمل مجلس میں ظاہر کر دیا اور جناب عمرؓ نے بھی کھلی مجلس میں جواب دیا۔ جس کا سیدھے طور پر مطلب یہ تھا کہ یہ مشیت الیزدی ہے۔ جناب ابو عبیدہؓ اس وقت خشک کنارے پر تھے اور جناب عمرؓ اور جناب عبدالرحمنؓ سبز کنارے پر ہم قضا و قدر کے مسئلہ پر اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہ کریں گے اور اس کے لئے جناب فاروق رضی اللہ عنہ کے الفاظ کافی ہیں

حضرت عمرؓ کا جناب ابو عبیدہؓ کو خط

جناب ابو موسیٰ اشعریؓ کو نہ اور ایران کے عاف پر بعد میں گئے۔ طاعون کے زمانے میں شام میں تھے اُن سے روایت ہے کہ جب طاعون کی وبا دوسری دفعہ بھی عام ہو گئی تو جناب عمرؓ نے جناب ابو عبیدہؓ کو جو خط لکھا وہ اس طرح تھا۔

”مجھے تمہارے ساتھ ایک ضروری کام درپیش ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس معاملہ میں تم سے بالمشافہ بات کروں۔ لہذا جب تم میرا خط مطالعہ کرو تو فوراً میرے پاس آنے کے لئے روانہ ہو جاؤ۔“

حضرت ابو عبیدہؓ سمجھ گئے کہ حضرت عمرؓ اُن کو دبا سے نکالنا چاہتے ہیں اس لئے انہوں نے جواب دیا: ”اے امیر المؤمنین! مجھے آپ کے مقصد کا علم ہو گیا ہے۔ مگر میں مسلمانوں کے لشکر میں اسی حالت میں ہوں کہ میں یہاں سے نہیں نکل سکتا ہوں بلکہ میں انہیں پھوڑنا نہیں چاہتا ہوں تا آنکہ اللہ اُن کے اور میرے بارے میں اپنا فیصلہ صادر نہ کرے۔ لہذا آپ مجھے اس بات سے ساق فرمائیں۔ اور مجھے اپنے لشکر میں رہنے دیں۔“

روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے یہ خط پڑھا تو رونے لگے تو لوگوں نے پوچھا یا امیر المؤمنین کیا ابو عبیدہؓ وفات پا گئے۔ آپؓ نے فرمایا۔ نہیں مگر آپ نے کچھ ایسی بات کہی ہے۔ بہر حال روایت ہے کہ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے جناب ابو عبیدہؓ کو دوسرا خط لکھا۔ جس کے لفظ یہ تھے۔

”السلام علیک۔ تم نے لوگوں کو گہرے اور نشیبی علاقے میں بسا رکھا ہے۔ انہیں

بند اور پاکیزہ مقام پر منتقل کر دو۔“

جناب ابو موسیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ اس خط کے بعد جناب ابو عبیدہؓ نے مجھے حکم دیا کہ کوئی ایسا مقام تلاش کیا جائے لیکن ایسا کرنے سے پہلے جناب ابو عبیدہؓ بیمار ہو گئے اور وہ وفات پا گئے۔ ہم حضور پاکؐ کے ان رفیق کو سلام کرتے ہیں جن کی ایک مسکراہٹ کو بیان کرنے کی بھی ہماری قلم کو طاقت نہیں۔

طاعون کے اثرات

روایت ہے کہ جناب ابو عبیدہؓ نے اپنے جانشین کے طور پر جناب معاذ بن جبل کو نامزد فرمایا وہ بھی چند دنوں کے بعد وفات پا گئے اور اسی دوران جناب یزید بن ابوسعیان اور جناب شرجیل بن حسنہ بھی طاعون کی وجہ سے وفات پا گئے۔ اب خلیفہ وقت کے احکام کے تحت جناب عمرو بن عاص شام کی افواج کے سپہ سالار اعظم بنے جنہوں نے افواج کو پاکیزہ اور بلند مقام کی طرف منتقل کر دیا۔ روایت ہے کہ ایک اصحاب رسولؐ جو اولین مسلمانوں میں سے تھے اور جن کا نام ابو واثلہؓ ہندی تھا انہوں نے جناب عمرو بن عاص کی اس سلسلہ میں سخت مخالفت کی کہ ان کے خیالات کے مطابق وہا سے بھاگنا غلط تھا۔ لیکن جناب عمرو بن عاص نے فرمایا کہ یہ خلیفہ وقت کا حکم ہے اور مصلحت ہے۔ اور فوجوں کو بلندیوں پر منتقل کر دیا گیا۔

تبصرہ

تاریخ اسلام میں ہم طبری کے حوالے سے پہلی دفعہ جناب ابو واثلہؓ ہندی کا نام اس دعویٰ سے سنتے ہیں کہ وہ جناب عمرو بن عاص سے بہت پہلے مسلمان ہوئے اور زمین آپ کے سلسلہ میں دلیے خاموشی ہیں اور آپ کی زندگی کے حالات کہیں سے پتہ نہ چل سکے۔ بہر حال ہمارے لئے یہ بڑی عزت افزائی ہے کہ عجیوں میں جناب بلال حبشیؓ، جناب سلمان فارسیؓ، جناب حمیب رومیؓ کے علاوہ کوئی جناب ابو واثلہؓ ہندی بھی تھے جن کو حضورؐ پاک کے غلامی کا شرف حاصل ہوا اور ان کا تعلق اس خطہ سے تھا۔

طاعون سے اموات

مورخین نے طاعون سے اموات کی تفصیل نہیں دی کہ کل کتنے مجاہدین نے اس وبا کی وجہ سے دنیا پائی۔ لیکن اثرات بڑے بھیانک تھے جن اموات کا ذکر ہو چکا ہے ان کے علاوہ بنو اسد کے جاسناز اعظم اور اسلام کے عظیم فرزند جناب فرار بن ازدر بھی اس موذی مرض کا شکار ہوئے ہم جناب خزارؓ کو سلام کرتے ہیں جن کا نام لینے سے رگ میں لہو گرم ہو جاتا ہے۔ روایت ہے کہ جناب خالدؓ

بھی اُن دنوں واپس دشت آگئے تھے لیکن آپ اس بیماری سے بچ گئے البتہ آپکے متعدد بیٹے اس وبا کا شکار ہو گئے۔ بلکہ بعض تاریخوں میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ جناب خالدؓ کے آگے کوئی اولاد ہی نہ ملی اور یہی کچھ جناب ابو عبیدہؓ کے بارے میں لکھا ہوا ہے۔ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ جناب خالدؓ کے بیٹے عبدالرحمنؓ، جناب علی المرتضیٰؓ کی فلاحت میں اُن کے ساتھ تھے۔ جناب ابو عبیدہؓ کے دو بیٹے تھے جن میں ایک کا نام یزیدؓ اور ایک کا عمیرؓ تھا۔ اور شاید کوئی اور بھی ہوں۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ہوا سیر کے زمانے میں قریش کے خاندان بنو ہاشم کے فرزندوں کے نام تاریخ سے نکال دیئے گئے۔ یہی چیز اور عظیم صحابہؓ کی اولاد کے ساتھ کی گئی کہ وہ ہوا سیر سے حکومت نہ لے سکیں۔

جناب خالد بن ولید کے آخری ایام

جناب خالدؓ نے بھی زندگی کے آخری ایام تھکن میں گزارے اور وہیں دفن ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا سپہ سالار نہیں ملتا جس نے اتنی جنگوں یا لڑائیوں میں کمانڈ کی ہوتی جناب خالدؓ کو اللہ نے نصیب کیس۔ اور کسی جنگ میں اُن کو وقتی شکست سے بھی دوچار نہ ہونا پڑا لیکن دنیا میں کوئی ایسا سپہ سالار نہیں ہے جس نے ذاتی جنگوں یا مبارزتوں میں جناب خالدؓ کی طرح دشمن کو ہمیشہ چاروں شانے چت کیا ہو۔ یا اتنے دشمنوں کا مقابلہ کیا ہو۔ یا میدان جنگ میں اتنے لوگوں کو تہ تیغ کیا ہو یا میدان جنگ میں اُن کے ہاتھوں سے اتنی تلواریں ٹوٹی ہوں۔ جناب خالدؓ کی جنگ ایک سپاہی سے لے کر سپہ سالار اعظم کے عہدہ تک ہر میدان میں تھی اور اُس جیسے کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ کی زندگی کے حالات ادھور سے ہیں۔ آپ کی جنگ کارروائی، جنگی حکمت عملی، جنگی تدبیرات، فنِ پگھری، حربی تدبیرات، دواؤ، جنگی چالوں، متحرک طرزِ جنگ، حیران کن کارروائیوں کے بارے میں کتاب لکھی جاسکتی ہے خالدؓ، جنگ یا جہاد کا دوسرا نام ہے۔ یہ خواہ میدان جنگ ہر یا جنگ کی تیاری یا کوئی جھڑپ یا ٹڈ بھڑ، یا چھاپہ یا پیش قدمی یا تدبیراتی پسپائی یا دشمن کی صفوں کے اندر گھس جانے کی تربیت۔ یعنی جنگ کا کوئی ایسا فن نہیں ہے جس کو جناب خالدؓ کے عمل سے واضح نہ کیا جاسکے۔ خالدؓ کے آنکھ میں غضب کی تیزی تھی۔ دیکھنے کے بعد "دلِ مینا" سے تیز رد عمل ہوتے تھے اور پھر عجب لطف ہے کہ ان تیز رد عملوں کو تیز کارروائی میں تبدیل کر دیا جاتا تھا۔ آنکھ دل اور ہاتھ پاؤں کا ایسا رابطہ سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ ان

کتابوں میں ہمارا مضمون خلفائے راشدین کی جنگی حکمت عملی پر تھا اس لئے تمام جنگوں کو بہت اختصار سے بیان کیا۔ ورنہ کسی ایسی جنگیں ہیں جو ایک کتاب کا مضمون ہیں۔

البتہ جناب خالدؓ کے پاس سب سے بڑے ہتھیار دو تھے۔ ایک حضور پاکؐ کا فرمان کہ خالدؓ اللہ کی تلوار ہیں اور دوسرا وہ سرخ ٹوپی جس میں حضور پاکؐ کے بال مبارک سی رکھے تھے۔ جناب خالدؓ نے اپنی زندگی کا خوب لطف اٹھایا اور جی بھر کے جہاد میں شرکت کی۔ لیکن ایک چیز سے وہ حیران تھے کہ ان کو میدان جنگ میں شہادت کیوں نصیب نہ ہوئی۔ اور آخری ایام میں جنگ کے میدان سے لے کر دو چار پائی پر کیوں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ روایت ہے کہ ان دنوں کسی صاحب نظر صحابہ کرامؓ میں سے جناب خالدؓ کی بیمار پرسی کی۔ رادی نام کے سلسلہ میں خاموش ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ جناب ابوذر غفاریؓ تھے کہ بچپن میں کہیں سے یہ بات سنی تھی۔ چنانچہ روایت ہے کہ جناب خالدؓ نے اپنی پریشانی ان کے آگے بیان فرمائی۔ تو یہ عظیم صحابیؓ اس طرح گویا ہوئے۔ "اے اباسلیمان سنو :- یہ زندگی اس لئے اس قسم کی ہے کہ آپ جہاد کی زندگی اور چار پائی پر ایڑیاں رگڑنے کی زندگی میں فرق محسوس کر سکیں۔ جب تک برائی اور بھلائی میں سے آدمی خود نہ گزرے یا اچھی اور بُری زندگی دونوں کا تجربہ نہ ہو تو صحیح موازنہ نہیں ہو سکتا۔ اب آپ کو جہاد کی زندگی کا لطف یاد آتا ہوگا۔ اور ماں میدان جنگ کی موت آپ کے لئے نہ تھی۔ جب ہمارے آقاؐ نے فرمایا کہ آپ اللہ کی تلوار ہیں اور آقاؐ جو فرمادیتے تھے وہ ہر جاتا تھا تو اب خود ہی اس چیز کو سمجھیں کہ بھلا اللہ کی تلوار کو غیر کیسے ٹوڑ سکتے تھے؟"

جناب خالدؓ اٹھ کر بیٹھے گئے اور اللہ کے دربار میں عرض کی اے رب العالمین اگر جہاد کے میدان میں موت نہ تھی تو جہاد کی تیاری میں ہی موت ہر جاتی اور پھر اپنے بزرگ جہان سے عرض کی کہ جہاد کہاں ہو رہا ہے کیا یہ بہتر نہیں کہ اس علاقہ کا رخت سفر باندھیں کہ موت کہیں میدان جنگ کے قریب آئے۔ روایت ہے کہ آپؐ نے کلمہ شہادت پڑھا اور اسی وقت روح تفسیٰ عنصری سے پرواز کر گئی۔

انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ ہومن جہاد میں مصروف رہتا ہے۔ اگر جہاد میں مصروف نہ ہو تو جہاد کی تیاری میں مصروف ہوتا ہے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو جہاد میں شمولیت یا تیاری کے بارے سوچتا ہے

فتوحاتِ عراق و ایران اور شام و فلسطین کے

بڑے بڑے واقعات اور ان کا تسلسل

نمبر شمار	واقعہ	ہجری	عیسوی
۱-	حضور پاک کی وفات	۱۲ ربیع الاول گیارہ ہجری	مئی ۶۳۲ عیسوی
۲-	جناب ابو بکر صدیقؓ کی خلافت	" "	" "
۳-	جھوٹے نبی اسود عسی کا یمن میں خاتمہ (حضور پاکؐ نے اپنی وفات سے پہلے اسود کو مرنے کی خبر بتادی تھی)	۱۳ ربیع الاول	مئی ۶۳۲ عیسوی
۴-	جناب اسامہ بن زید کے لشکر کی مدینہ شریف سے روانگی (واپسی تقریباً دو ماہ کے بعد ہوئی)	یکم ربیع الثانی گیارہ ہجری	جون ۶۳۲ عیسوی
۵-	سرتین اور باغیوں کا مدینہ شریف پر حملہ	آخر ربیع الثانی گیارہ ہجری	جون ۶۳۲ عیسوی
۶-	جناب صدیق اکبرؓ کا ذوقصہ پر قبضہ اور نعمان کی عملداری	۱۴ جمادی الاول گیارہ ہجری	جولائی ۶۳۲ عیسوی
۷-	جناب صدیق اکبرؓ کا ذوقصہ کی کھلی نضاؤں میں گیارہ لشکروں کو مقرر کرنا اور سرتین کے قلع قمع کی حکمت عملی	شروع جمادی الثانی گیارہ ہجری	اگست ۶۳۲ عیسوی
۸-	جناب خالد بن ولیدؓ - نبردِ خما کی جنگِ طلیحہ کا فرار - عینہ کی گرفتاری	آخر جمادی الثانی گیارہ ہجری	اگست - ستمبر ۶۳۲ عیسوی
۹-	جناب خالد بن ولیدؓ - سلمہ پہاڑی اور ظفر کی جنگ - ام زمل کا خاتمہ	رجب گیارہ ہجری	اکتوبر ۶۳۲ عیسوی

بہتر شدہ	واقہ	ہجری	عیسوی
۱۰-	جناب خالد بن ولید اور طریفہ بن حاجز النجاہ کا خاتمہ	رجب گیارہ ہجری	اکتوبر ۶۳۲ عیسوی
۱۱-	جناب مسکرمہ بن ابو جہل اور سلیمہ کی بھڑپ (اس کے بعد جناب مسکرمہ مہرہ کی طرف چلے گئے)	شروع شعبان گیارہ ہجری	نومبر ۶۳۲ عیسوی
۱۲-	جناب خالد بن ولید کا بطحا پر قبضہ اور مالک بن نویرہ کا خاتمہ	شعبان گیارہ ہجری	نومبر ۶۳۲ عیسوی
۱۳-	جناب عمر بن عاص اور جناب خالد بن سعید کا شام کی سرحدوں کی طرف کوچ	رمضان گیارہ ہجری	نومبر، دسمبر ۶۳۲ عیسوی
۱۴-	جناب شمر جیل بن حسنہ کی سلیمہ کذاب کے ساتھ بھڑپ	" "	" " ۶۳۲ عیسوی
۱۵-	جناب خالد بن ولید - یمامہ کی جنگ سلیمہ کا خاتمہ اور جناب شمر جیل کی شام کی سرحد کی طرف روانگی	شوال گیارہ ہجری	دسمبر ۶۳۲ عیسوی
۱۶-	جناب مسکرمہ بن ابو جہل - جناب عرفجہ بن ہرثمہ اور خدیفہ کا ملاپ دبا کی جنگ اور اومان میں مرتدین کا خاتمہ	رمضان گیارہ ہجری	نومبر دسمبر ۶۳۲ عیسوی
۱۷-	جناب مسکرمہ بن ابو جہل اور مہرہ کے علاقہ میں جیروت کی جنگ	شوال گیارہ ہجری	دسمبر ۶۳۲ عیسوی
۱۸-	جناب علاء بن الحفصی بحرین میں مرتدین کا خاتمہ	شوال ذی قعدہ گیارہ ہجری	دسمبر ۶۳۲ عیسوی
۱۹-	جناب مہاجر بن ایسہ اور زیاد بن لید - کندیہ اذد کے مرتدین کا خاتمہ	شوال ذی قعدہ گیارہ ہجری	دسمبر ۶۳۲ عیسوی جنوری ۶۳۳ عیسوی

عیسوی	ہجری	واقعات	نمبر شمار
دسمبر ۶۳۲ عیسوی	ذی قعدہ گیارہ ہجری	جناب ہاجر بن ایسہ، عسکر بن ابوجہل کا لاپ بکران میں مرتدین کا خاتمہ	۲۰
" " جنوری ۶۳۳	ذوالحجہ گیارہ ہجری	جناب ہاجر اور جناب عسکر بن ایمن اور حضرت کے عاقبتوں میں مرتدین کا خاتمہ	۲۱
" " جنوری	آخری قعدہ گیارہ ہجری	جناب متنی بن عمارت شیبانی کی جناب صدیق اکبرؐ کی خدمت میں حاضری	۲۲
" " مارچ	شروع محرم بارہ ہجری	خلیفہ اول کے جناب خالدؓ کو عراق کی فتح کیلئے احکام اور جناب شنی اور مدغور بن عدی کو ہدایت	۲۳
" " "	محرم بارہ ہجری	جناب خالدؓ کا پیامہ سے کوچ	۲۴
" " "	آخری ہفتہ محرم بارہ ہجری	جناب خالدؓ، جنگ کاظمہ یا جنگ سلاسل	۲۵
" " اپریل	شروع صفر بارہ ہجری	جناب خالدؓ، شنی یا نزار کی جنگ	۲۶
" " مئی	آخری ہفتہ صفر بارہ ہجری	جناب خالدؓ، دجہ کی جنگ	۲۷
" " "	ربیع الاول بارہ ہجری	جناب خالدؓ، اریس کی جنگ	۲۸
" " جون	آخری ہفتہ ربیع الاول بارہ ہجری	حیرہ کی فتح (جناب خالدؓ)	۲۹
" " "	ربیع الاول بارہ ہجری	جناب خالدؓ، انبار اور عین التمر کی فتح	۳۰
" " اگست	جمادی الثانی بارہ ہجری	دومتہ الجندل کی فتح اور جناب خالدؓ اور عیاض بن غنم کا رابطہ	۳۱
ستمبر نومبر ۶۳۳ عیسوی	رجب رمضان بارہ ہجری	جناب خالدؓ، حیدر خانس، میصغ الشنی اور بشر کی فتوحات	۳۲
" " جنوری ۶۳۴	ذی قعدہ بارہ ہجری	جناب خالدؓ، فاضل کی فتح	۳۳
" " فروری	" "	جناب خالدؓ، خاموشی سے حج پر روانہ ہوئے	۳۴
" " آخر فروری	ذوالحجہ بارہ ہجری	جناب صدیق اکبرؐ فریضہ حج	۳۵

نمبر شمار	واقعہ	ہجری	عیسوی
۳۶	جناب صدیق اکبرؓ اور شام کی فتوحات کی حکمت عملی اور چار لشکروں کے مقصود (جناب ابو عبیدہؓ، جناب یزیدؓ، جناب شرجیلؓ اور جناب عمروؓ بن عاص)	محرم تیرہ ہجری	مارچ ۶۳۲ عیسوی
۳۷	جناب خالدؓ مائن اور لجناد کے بازاروں پر چھاپے مارنا	محرم صفر تیرہ ہجری	مارچ ۶۳۳ عیسوی
۳۸	اسلامی لشکروں کی شام میں پیش قدمی	صفر تیرہ ہجری	" "
۳۹	قیصر روم کا رد عمل اور جنوبی فلسطین میں رومیوں کا اجتماع	صفر تیرہ ہجری	مارچ اپریل ۶۳۴ عیسوی
۴۰	جناب صدیق اکبرؓ کا جناب خالدؓ کو شام جانے کا حکم اور جناب شنیؓ کی عراق میں سپہ سالاری	ربیع الاول تیرہ ہجری	اپریل ۶۳۴ عیسوی
۴۱	جناب ابو عبیدہؓ، جناب یزیدؓ اور جناب شرجیلؓ وادی یرموک میں	ربیع الاول تیرہ ہجری	" "
۴۲	جناب خالدؓ کا عراق سے شام کی طرف کوچ	ربیع الثانی تیرہ ہجری	مئی
۴۳	جناب خالدؓ کی مزاحمہ کی کارروائی۔ بصری میں شرجیلؓ سے ملاپ اور جناب ابو عبیدہؓ سے ملاقات	جمادی الاول تیرہ ہجری	جون جولائی ۶۳۴ عیسوی
۴۴	جناب شنیؓ بن حارث (عراق کے محاذ پر بابل کی جنگ اور مسلمانوں کی فتح)	جمادی الاول تیرہ ہجری	" "
۴۵	جناب خالدؓ کی سپہ سالاری میں اسلامی لشکروں کا وادی یرموک سے اجنادین کی طرف کوچ	جمادی الاول تیرہ ہجری	جولائی
۴۶	جنگ اجنادین	جمادی الاول تیرہ ہجری	" "

مبشرہ	داتہ	ہجری	عیسوی
۴۷-	جناب مشنیؒ بن عادت کی غلیبہ اول کی خدمت میں حاضری اور جناب صدیق اکبرؒ کے جناب فاروق اعظمؒ کو عراق کے لئے احکام	جمادی الثانی تیرہ ہجری	اگست ۶۳۳ عیسوی
۴۸	جناب ابو کبیر صدیقؒ کی وفات اور جناب عمرؒ کی خلافت	۲۲ جمادی الثانی تیرہ ہجری	اگست ۶۳۴ عیسوی
۴۹-	یرموک کی پہلی جنگ جناب خالدؒ کی جگہ جناب ابو عبیدہؒ کا پہلا سالار اعظم کے عہدہ پر تقرر	رجب تیرہ ہجری	اگست ستمبر ۶۳۴ عیسوی
۵۰-	جناب ابو عبیدہ ثقفیؒ کا عراق کے پہلے سالار اعظم کے عہدہ پر تقرر اور عراق کی طرف کوچ	" " "	" " "
۵۱-	جناب ابو عبیدہ ثقفیؒ کا عراق کے محاذ پر عراق اور کسکر کی فتوحات اور جالینوس کا ذرا	رجب شعبان تیرہ ہجری	ستمبر اکتوبر ۶۳۴ عیسوی
۵۲-	جسر کی جنگ اور جناب ابو عبیدہ ثقفیؒ کی شہادت۔ جناب مشنیؒ کثرت سے زخمی ہونا اور امارات بھی سنبھالنا	شعبان رمضان تیرہ ہجری	اکتوبر نومبر ۶۳۴ عیسوی
۵۳-	جناب ابو عبیدہؒ شام کے محاذ پر حمل کی پہلی جنگ	شوال ذی قعد تیرہ ہجری	دسمبر ۶۳۴ عیسوی
۵۴-	جناب ابو عبیدہؒ دمشق کی طرف کوچ اور مزہب النصر کی جنگ	ذی الحجہ تیرہ ہجری	جنوری ۶۳۵ عیسوی
۵۵-	دمشق کا محاصرہ۔ جناب ابو عبیدہؒ، جناب خالدؒ، جناب یزیدؒ، جناب عمروؒ اور جناب شرحبیلؒ	محرم چودہ ہجری	مارچ ۶۳۵ عیسوی
۵۶-	حضرت عمرؒ کا عراق کے محاذ پر کوچ کا ارادہ اور صراصر کے چشمہ پر قیام	محرم چودہ ہجری	" " "

بہار شماره	واقعہ	ہجری	عیسوی
۵۷	حضرت شمش بن جارت عراق کے محاذ پر بویب کی جنگ	صفر چودہ ہجری	اپریل ۶۳۵ عیسوی
۵۸	جناب سعد بن ابی وقاص کا عراق کے محاذ پر پہ سالار اعظم کے تقرر کے بعد عراق کی طرف کوچ	صفر۔ ربیع الاول چودہ ہجری	مئی " " عیسوی
۵۹	جناب سعد کا عراق کے محاذ پر زرد میں قیام	ربیع الثانی چودہ ہجری	جون " " عیسوی
۶۰	جناب شمش بن حارث کی زخموں کی وجہ سے شراف کی مقام پر شہادت	جمادی الثانی چودہ ہجری	اگست ستمبر ۶۳۵ عیسوی
۶۱	دمشق کی فتح۔ جناب ابو عبیدہ بن جراح کی سپہ سالاری میں	رجب چودہ ہجری	ستمبر اکتوبر ۶۳۵ عیسوی
۶۲	جناب سعد بن ابی وقاص عراق کے محاذ پر زرد سے شراف کی طرف کوچ	رجب شعبان چودہ ہجری	اکتوبر نومبر ۶۳۵ عیسوی
۶۳	فحل کی دوسری جنگ جناب ابو عبیدہ کی سپہ سالاری میں	ذی قعد چودہ ہجری	دسمبر ۶۳۵ عیسوی
۶۴	بیان اور طبریہ کی فتح اور جناب شرجیل اور جناب عمرو بن عاص کی فلسطین میں کاروائیاں	ذی قعد۔ ذی الحجہ چودہ ہجری	دسمبر ۶۳۵ عیسوی جنوری ۶۳۶ " " عیسوی
۶۵	جناب سعد بن ابی وقاص کا قادیسیہ کی طرف کوچ	ذی قعد۔ ذی الحجہ چودہ ہجری	دسمبر ۶۳۵ عیسوی جنوری ۶۳۶ " " عیسوی
۶۶	جناب ابو عبیدہ اور جناب خالد کا حمص کی طرف کوچ اور دمشق کے نزدیک رومیوں کے ساتھ لڑائی۔	ذی الحجہ چودہ ہجری	جنوری فروری ۶۳۶ عیسوی

نمبر شمار	واقعہ	ہجری	عیسوی
۶۷	ہاشم بن عبدہ اور قعقاع بن عمرو کے مابین عراق کی فوج کی شام سے قادسیہ کا طرف زراگی	ذی الحجہ چودہ ہجری	جنوری فروری ۶۲۶ء
۶۸	قادسیہ کی جنگ (جناب سعد بن ابی وقاص)	محرم پندرہ ہجری	نزدیکی مارچ ۶۲۶ء
۶۹	جناب ابو عبیدہ اور جناب خالد بن ولید شام کا محاذ بیک اور حمص پر قبضہ۔	" " "	" " "
۷۰	قیصر روم کا رد عمل اور بصرہ پر جنگ کی تیاری	محرم صفر پندرہ ہجری	اپریل ۶۲۶ء
۷۱	قیصر روم کی فوجوں کی شام کے محاذ پر یلیخار کے لئے پیش قدمی۔	ربیع الاول، ربیع الثانی پندرہ ہجری	اپریل مئی
۷۲	جناب ابو عبیدہ اور جناب خالد بن ولید شام کو خالی کرنا۔	ربیع الثانی پندرہ ہجری	مئی جون
۷۳	جناب یزید کا دمشق کو خالی کرنا اور جناب معاویہ کا تیسریہ کو خالی کرنا۔	آخر ربیع الثانی پندرہ ہجری	جون
۷۴	اسلامی لشکروں کا وادی یرموک میں اجتماع	جمادی الاول پندرہ ہجری	جون
۷۵	رومی فوجوں کی دمشق سے وادی یرموک میں پیش قدمی	جمادی الثانی پندرہ ہجری	جولائی
۷۶	یرموک کی دوسری جنگ، یا بڑی جنگ	رجب پندرہ ہجری	اگست
۷۷	دمشق پر دوبارہ قبضہ، جناب یزید	رجب شعبان پندرہ ہجری	ستمبر اگست
۷۸	جناب سعد بن ابی وقاص کو مدائن کی طرف پیش قدمی کی اجازت	شعبان پندرہ ہجری	ستمبر
۷۹	جناب سعد کی پیش قدمی اور بابل کی جنگ اور کوثری، مقام ایراہیم کی زیارت	رمضان شوال پندرہ ہجری	اکتوبر نومبر
۸۰	جناب عمر بن ماس اور جناب شریح بن جہل کی بیت المقدس کی طرف پیش قدمی	شوال ذی القعدہ پندرہ ہجری	نومبر دسمبر

میز شمار	واقعہ	ہجری	عیسوی
۸۱	جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ کی حمص کی طرف روانگی	شوال ذی قعدہ ہجری	نومبر دسمبر ۶۳۶ عیسوی
۸۲	بیت المقدس کا محاصرہ جناب عمروؓ اور جناب شرجیلؓ	" " " "	" " " "
۸۳	جناب سعدؓ کا بساط پر قبضہ اور مدائن کا محاصرہ	ذی الحجہ پندرہ ہجری	جنوری ۶۳۷ عیسوی
۸۴	مدائن پر مسلمانوں کا قبضہ اور ایرانی دار الحکومت میں داخلہ	صفر سولہ ہجری	مارچ " "
۸۵	بیت المقدس کی فتح خلیفہ دوم جناب عمر فاروقؓ کی بیت المقدس میں نماز کی ادائیگی	ربیع الاول سولہ ہجری	اپریل " "
۸۶	تساریہ کا دوبارہ محاصرہ جناب امیر معاویہؓ	ربیع الثانی سولہ ہجری	مئی " "
۸۷	جناب ابو عبیدہؓ اور جناب خالدؓ کا شمالی شام کی طرف کوچ	ربیع الثانی سولہ ہجری	جون " "
۸۸	شمالی شام، قنسرین اور حلب پر قبضہ جناب ابو عبیدہؓ اور خالدؓ	جمادی الاول سولہ ہجری	جون " "
۸۹	شمالی شام انطاکیہ کی فتح ساحلی علاقے اور انطاکیہ وغیرہ پر قبضہ	رمضان شوال سولہ ہجری	ستمبر اکتوبر " "
۹۰	عراق کا محاذ جلولہ کا محاصرہ اور قبضہ ہاشم بن عبثہ	ربیع الثانی شوال سولہ ہجری	مئی اکتوبر " "
۹۱	عراق کا محاذ - موصل پر قبضہ	ذی قعدہ سولہ ہجری	اکتوبر نومبر " "
۹۲	عراق - ایران کا محاذ قیصر شیریہ پر قبضہ	ذی الحجہ سولہ ہجری	نومبر دسمبر " "
۹۳	قیصر روم کی شمالی شام پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش جزیرہ کے لوگوں کا حمص کی طرف کوچ مسلمانوں کو دو محاذوں سے مل کر کارروائی	وسط سترہ ہجری	وسط " "

بر شمار	واقفہ	ہجری	عیسوی
۹۴-	ایران کے محاذ پر بصرہ سے آگے جزیری علاقوں میں پیش قدمی	وسط سترہ ہجری	وسط ۶۳۸ عیسوی
۹۵-	شام کے محاذ پر طاعون کی وبا و زائد فوجی خرابی ابو عبیدہ کی وفات اور متعدد عظیم صحابہ کا موت	سترہ اٹھارہ ہجری	۶۳۸-۶۳۹
۹۶-	اھواز خزرستان کی فتح	وسط اٹھارہ ہجری	وسط ۶۳۹ عیسوی
۹۷-	علاء بن الحنفی کی بحری جنگ کے ذریعہ سے فارسی پرنسپل کو شکست	شروع انیس ہجری	شروع ۶۴۰
۹۸-	تستر اور سوس کی فتح	آخری ایام انیس ہجری	آخری ایام ۶۴۰
۹۹-	مصر کی فتح (جس کا ذکر تیسرے حصہ میں ہے)	بیس ہجری	۶۴۱
۱۰۰-	ہماوند کی فتح رنمان بن مقرن	عمر اکیس ہجری	جنوری ۶۴۲
۱۰۱-	ایران میں عام لشکر کشی	اکیس ہجری	۶۴۲
۱۰۲-	جناب خالد کی وفات	"	"
۱۰۳-	اصفہان، آذربائیجان طبرستان اور رے کی فتح	بایس ہجری	۶۴۳
۱۰۴-	فارسی حکمران شاہ وغیرہ کی فتوحات	تیس ہجری	۶۴۴

ختم شد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

خلفائے راشدین رضی (حصہ دوم)

اشاریہ

۲۴۹، ۲۴۷، ۲۴۵، ۲۵۳
ابوبکر بن زبیر رضی :- ص ۱۰۸
ابوبکر بن سعد رضی :- ص ۱۰۸
ابوبکر بن علی رضی :- ص ۱۰۸
ابو جہل (عمر دین ہشام) :- ص ۲۰۲، ۲۰۰
 ۲۵۶
ابو ذر غفاری رضی :- ص ۱۲۳، ۱۳۸، ۱۶۰، ۲۶۳
ابو سفیان بن حارث رضی :- ص ۱۲۵
ابو سفیان بن حرب رضی :- ص ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۷
 ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۸، ۱۸۹
 ۱۹۹
ابو عبید ثقفی رضی :- ص ۹۸، ۱۰۲، ۲۶۹
ابو عبیدہ بن جراح (امین الامت) :- ص ۳
 ۲۵، ۲۷، ۳۰، ۳۵ تا ۳۵، ۳۷، ۳۹ تا ۳۹
 ۵۰، ۵۳، ۵۵، ۶۵، ۷۴، ۸۳، ۸۷

(الف)

ابراہیم (پیغمبر) رضی :- ص ۱۳، ۱۰۰، ۲۲۷
 ۲۷۱
ابراہیم بن طلحہ رضی :- ص ۱۰۸
زیرہہ :- ص ۵
ابلہ (مقام) :- ص ۷
ابن اسحاق :- ص ۱۲، ۶۰، ۱۰۵، ۱۶۳
ابن ذالجمار :- ص ۱۶۱
ابن سعد :- ص ۳، ۶، ۱۶۳
ابوبکر صدیق رضی (خلیفہ اول، یارِ غار، صدیق اکبر)
 ص ۱۵، ۱۷، ۱۹ تا ۲۲، ۲۵ تا ۳۰
 ۳۳ تا ۳۸، ۳۹، ۵۳، ۵۵، ۵۶، ۷۸
 ۷۹، ۸۳ تا ۸۸، ۹۱، ۹۲، ۹۴، ۹۷
 ۱۰۸، ۱۲۵، ۱۳۱، ۱۳۹، ۱۸۱، ۲۰۳
 ۲۰۳، ۲۱۷، ۲۳۹، ۲۴۲، ۲۵۲

۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۶، ۱۱۸، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۱

۱۶۳، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۱، ۱۴۳، ۱۳۴

۲۵۰، ۲۴۷، ۲۲۹، ۱۸۳، ۱۷۹، ۱۷۷

۲۶۸

احد جنگ :- ص ۱۲، ۱۵۲، ۱۷۳، ۱۷۷

۲۰۰، ۱۸۷، ۱۷۱

آذربایجان :- ص ۲۷۳

اردن :- ص ۱۳، ۱۹، ۲۹، ۳۱، ۵۹، ۵۷

۹۱، ۹۳، ۹۶، ۹۷، ۹۷، ۱۲۴، ۱۲۹، ۱۳۲

۱۳۵، ۱۳۳، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۶، ۱۶۳

۲۲۰، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۴۲

آرمینیا :- ص ۱۵، ۱۶، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۸

۱۵۲، ۱۷۳، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۵

۱۹۸، ۲۱۰، ۲۱۳، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۶

اسامه بن زید :- ص ۱۷، ۱۹، ۸۵، ۱۰۰، ۱۳۷

۲۳۲، ۲۶۵

استنبول (قسطنطنیه) :- ص ۱۰۰

اسد بنو :- ص ۶۳، ۱۶۷، ۲۶۱

اسحاق زبیر :- ص ۱۳

اسحاق بن سعد :- ص ۱۰۸

اسرائیل یا بنی اسرائیل :- ص ۱۳۹، ۱۴۱

۲۲۰، ۲۳۱، ۲۴۷

اسکندریه (بندرگاه) :- ص ۲۳۱

۱۰۷، ۱۰۵، ۱۰۱، ۹۹، ۹۵، ۹۲، ۹۰

۱۲۰، ۱۱۸، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹

۱۲۵، ۱۳۰، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۲

۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۶، ۱۵۹، ۱۶۶، ۱۷۰

۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۶، ۱۸۱، ۱۸۷، ۱۸۹

۱۹۱، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۳، ۲۰۹، ۲۱۲

۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳

۲۲۵، ۲۲۷، ۲۳۸، ۲۳۹

۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۵۰، ۲۵۲

۲۵۳، ۲۵۶، ۲۵۹، ۲۶۳، ۲۶۸

- ۲۷۳

ابولاعور سلمی :- ص ۹۸، ۱۰۷، ۱۲۹

۱۳۰، ۱۶۰

ابوموسی اشعری :- ص ۲۶۰

ابوهریره :- ص ۱۶۰، ۱۷۷

ابووانله بندی :- ص ۸، ۲۶۱

ابویوسف :- ص ۲۹

ابی سینیا :- ص ۵۱، ۲۰۰

اجلیه (مقام) :- ص ۱۲۳

اطلی (اطالیه) :- ص ۸، ۹۹

اجنادین (مقام اور جنگ) :- ص ۲۶۲، ۲۶۴

۲۵۳، ۲۵۵، ۲۶۰، ۲۶۲، ۲۷۱

۲۷۶، ۲۸۲، ۲۸۹، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۵، ۲۹۹

اسمعیل بن سعد رضی :- ص ۱۰۸
اسود عنی (جھوٹی نبوت) :- ص ۲۶۵
اشتر نخعی (بناک) :- ص ۲۰۱، ۲۲۶
اشعث بن قیس :- ص ۲۵۵
اصبح (سردار) :- ص ۱۲
اصغر بن سعد رضی :- ص ۱۰۸
اصفہان :- ص ۲۷۳
افغانستان :- ص ۱۰۱
افریقہ :- ص ۱۲، ۳۳، ۴۳، ۱۲۳، ۱۳۷
 ۲۲۲، ۲۲۳
اقبال (حکیم الامت) :- ص ۲، ۶، ۹، ۲۰
 ۲۸، ۳۶ تا ۳۹، ۴۱، ۴۲، ۴۶، ۵۹
 ۶۷ تا ۶۹، ۷۹، ۸۱، ۸۶، ۸۸، ۱۰۰
 ۱۰۱، ۱۱۹، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۳ تا ۱۳۵
 ۱۳۹، ۱۵۱، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۲، ۱۶۸
 ۱۷۴ تا ۱۷۹، ۱۸۲، ۲۱۷، ۲۱۹ تا ۲۲۱
 ۲۳۲ تا ۲۳۸، ۲۳۰
اکرم - جنرل آغا اکرم (میسر کے الفاظ بھی)
 ص ۲۲، ۳۳، ۳۶، ۴۷، ۵۷، ۵۸
 ۵۹، ۸۹ تا ۹۱، ۹۳، ۹۵، ۱۰۵ تا ۱۰۷
 ۲۲۶، ۲۳۰
الپ ارسلان :- ص ۷۷
الثنیٰ (مقام اور جنگ) :- ص ۲۶۷

التمر (مقام) :- ص ۳۵
الیس (مقام اور جنگ) :- ص ۲۶۷
امر والقیس :- ص ۱۶۱
ام زمل :- ص ۲۶۵
ام حکیم رضی :- ص ۱۶۰، ۱۹۰، ۲۰۱ تا ۲۰۳
ام فضل رضی :- ص ۱۶۰
امیہ - بنو :- ص ۱۲۵، ۲۶۲
انبار (مقام اور جنگ) :- ص ۲۶۷
اناطولیبہ :- ص ۸، ۱۵، ۵۲، ۶۶، ۱۳۲
 ۲۳۹
انطاکیہ :- ص ۱۰۰، ۱۳۱، ۱۰۹، ۱۲۳، ۱۲۶
 ۱۵۲، ۱۵۹، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۳
 ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۵۳، ۲۷۲
اوگ (بادشاہ) :- ص ۲۳۱
اہواز (مقام) :- ص ۲۷۳
ایشیا :- ص ۷، ۳۳، ۵۳، ۸۳، ۱۰۹
 ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۵۱، ۱۵۲
 ۱۵۴، ۲۱۹
ایران :- ص ۱، ۱۰، ۱۳، ۱۶، ۲۲، ۳۲
 ۳۵، ۵۰، ۵۳، ۵۴، ۵۹، ۷۰، ۸۳
 ۸۴، ۸۶، ۸۸، ۹۹، ۱۰۳، ۱۱۰، ۱۱۳
 ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۳۸
 ۱۴۱ تا ۱۴۳، ۱۴۹، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۵

برسما :- ص ۹۹

لبشر (مقام اور جنگ) :- ص ۲۶۷

بصری (مقام اور جنگ) :- ص ۳۵، ۳۲

۲۶۸، ۱۶۳، ۵۱، ۳۷، ۳۶

بصرہ (بھاؤنی) :- ص ۲۳۲، ۲۷۳

بطحا (مقام) :- ص ۲۶۶

بغداد :- ص ۲۶۶

بلال حبشی :- ص ۱۶، ۱۸، ۲۳۵، ۲۳۶

۲۶۱

بلزاری (مورخ) :- ص ۱۱۲

بلبک (بالبک) مقام :- ص ۱۰۶، ۱۲۳

۲۷۱، ۲۳۰، ۱۳۹

بلقا (وادی) :- ص ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲

بلقان :- ص ۱۵، ۱۳۸

بمبئی :- ص ۹۹

بننت یعقوب (پل اور گاؤں) :- ص ۱۶۳

۲۱۹، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۰۵، ۱۷۳

بویب (جنگ) :- ص ۱۱۸، ۹۸، ۲۷۱

بھارت :- ص ۲۳۶

بمپرس (سلطان) :- ص ۸۰، ۲۲۰

بیت المقدس (یروشلم) :- ص ۱۰۰، ۱۳

۷۹، ۷۶، ۵۹، ۵۷، ۳۲، ۲۷

۱۵۳، ۱۲۳، ۱۳۳، ۱۲۶، ۱۰۰، ۹۱

۲۶۰، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۲۸، ۲۲۶، ۱۸۶

۲۷۳، ۲۷۲

ایلیہ (عقابر) مقام :- ص ۱۹، ۲۰، ۲۷

۲۳-۵۴

(ب)

بایل (مقام اور جنگ) :- ص ۵۰، ۸۳

۲۷۱، ۲۶۸، ۱۳۳، ۱۳۲

بازنطینی (چھوٹا روم) :- ص ۸، ۹، ۲۷، ۲۸

باسفورس (آبنائے) :- ص ۱۳۷، ۲۲۱

۲۲۹

بایان :- ص ۲۲، ۲۳، ۵۴، ۱۵۲، ۱۵۳

۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۸۳

۱۸۲، ۱۹۱، ۱۹۶، ۲۰۵، ۲۱۰، ۲۱۲

۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۸

بحیرہ ارتقیانوس :- ص ۱۰۱

بحیرہ مردار :- ص ۱۳، ۲۳، ۳۱، ۳۲

۵۷، ۵۹، ۹۱، ۱۰۵، ۱۳۳

بخاری (امام) :- ص ۱۲۷

بدر (جنگ یا صحابہ) :- ص ۱۲، ۴۵، ۷۷

۷۸، ۹۳، ۱۷۱، ۱۷۵، ۲۰۰، ۲۲۳

۲۳۵، ۲۵۶

برا (قبیلہ) :- ص ۳۵

بزوخا (جنگ اور مقام) :- ص ۲۶۳، ۲۶۵

ترکستان (چینی اور روسی) ص ۱۰۱

ترکی :- ص ۸، ۱۰، ۱۰۱، ۲۲۰، ۲۳۹

ترکمان :- ص ۱۳، ۱۱۳، ۲۳۹

تسمتر (مقام اور جنگ) :- ص ۲۳

تماضنتر :- ص ۱۲

تنوج (بنو) :- ص ۲۵۲

تھامس :- ص ۹، ۱۰۹، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۸

۱۲۰، ۱۲۳

تیمار (مقام) :- ص ۲۳، ۲۴

(ث)

تشی (مقام اور جنگ) :- ص ۲۲، ۲۶

تمشین (پہاڑی) :- ص ۱۷

(ج)

جابیہ (چھپاؤنی) :- ص ۱۲، ۳۲، ۳۵

۲۲۸، ۱۷۳، ۱۶۲، ۵۶، ۲۸

۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳

۲۳۱، ۲۳۸، ۲۵۱، ۲۵۸، ۲۵۹

جاریہ بن عبداللہ :- ص ۱۶۱

جافہ (مقام) :- ص ۱۴

جالینوس :- ص ۹۸، ۲۶۹

جبل دروز :- ص ۲۵، ۳۹، ۱۶۳

جیل موران :- ص ۳۱، ۳۵، ۳۹، ۱۶۳

جیلہ (بندرگاہ) :- ص ۲۴

۱۶۶، ۱۷۵، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۴، ۲۳۲

۲۳۴، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۴۶

۲۵۶، ۲۷۲

بیت جبرین :- ص ۶۰، ۶۲

بیریشیہ (مقام) :- ص ۱۳، ۳۲، ۵۷

۲۳۰، ۲۲۹، ۵۸

بیروت (بندرگاہ) :- ص ۱۳، ۱۱۵، ۱۳۳

۱۳۵، ۱۳۸، ۱۳۸، ۱۴۸، ۱۵۴، ۲۲۰، ۲۳۳

۲۴۳، ۲۴۷

بیسان (مقام) :- ص ۱۳، ۳۲، ۸۱

۹۳، ۹۵، ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱

۱۳۲، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۴۰

بیکر (پروفیسر) :- ص ۱۳۸

(پ)

پاکستان :- ص ۷۸، ۱۴۲، ۲۲۳، ۱۵۵

پامریا (مقام) :- ص ۴۹، ۲۶۱

پرتھوی راج :- ص ۱۲۰

(ت)

تبوک (مقام اور مہم) :- ص ۱۲، ۱۷، ۲۷

۳۱، ۳۱، ۶۰، ۱۰۰، ۱۳۷، ۱۵۶

تدمیر (مقام) :- ص ۳۵

توذرا (تذاریق، تھیوڈرس) :- ص ۳۵

۶۰، ۱۳۷، ۱۵۲

- جبکہ (غسانی) :- ص ۱۱۵، ۱۳۸، ۱۵۲
 ۱۴۳، ۱۵۴، ۱۵۸، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۷۳
 ۱۸۶، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۷
 حرجہ (جارج) :- ص ۵۳، ۱۸۰ تا ۱۸۲
 حرجش (مقام) :- ص ۵۷، ۹۱، ۹۳
 حرجشو (مقام) :- ص ۵۷، ۹۱
 حزیہ (علاقہ) :- ص ۲۳۸ تا ۲۵۲
 ۲۵۵، ۲۷۲
 حبیہ (جنگ) :- ص ۹۸، ۱۰۲، ۲۶۹
 جعفر بن زبیر رضی :- ص ۱۰۸
 جعفر بن علی رضی :- ص ۱۰۸
 جعفر طیار رضی :- ص ۱۰۸، ۷۷
 جلولہ (مقام اور جنگ) :- ص ۲۳۸، ۲۷۲
 حیدر بن عمرو :- ص ۱۶۱
 حیدرہ یا جودی (پہاڑی) :- ص ۱۵۷
 ۱۰۵، ۲۳۳
 حوشم :- ص ۲۳۵، ۲۳۶
 (ح)
- چرچل (وزیر اعظم برطانیہ) :- ص ۶۳
 (ح)
- حارث بن عمیر رضی :- ص ۱۰، ۱۵، ۱۳۷
 حاضر (مقام و جنگ) :- ص ۲۳۲، ۲۳۵
 حبیب بن مسلمہ :- ص ۱۶۱
- حجاج بن یوسف :- ص ۶۲
 حجاز (علاقہ) :- ص ۳۶
 حدیبیہ (صلح) :- ص ۱۰، ۱۲
 حوا (مقام) :- ص ۲۵۲
 حربیس (ہربیس) :- ص ۱۰۹، ۱۳۰، ۱۳۱
 حسن رضی (امام) :- ص ۱۰۸، ۱۲۳
 حسین رضی (امام) :- ص ۱۰۸، ۱۲۳
 حصید (مقام اور جنگ) :- ص ۲۶۷
 حصین رضی بن حارث :- ص ۱۲۵
 حضرت موت (علاقہ) :- ص ۲۰، ۲۰۰، ۲۶۷
 حلب (مقام) :- ص ۱۱۳، ۱۳۹، ۲۳۰
 ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۷۲
 حمزہ بن عبدالمطلب رضی :- ص ۱۲۵
 حصن (مقام) :- ص ۱۳، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲
 ۱۹۲، ۱۹۷، ۱۰۹، ۱۱۵ تا ۱۱۸، ۱۲۵
 ۱۲۶، ۱۳۲ تا ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۱ تا ۱۴۲
 ۱۴۳، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۳
 ۱۵۴، ۱۵۷، ۱۶۲، ۲۲۷، ۲۳۰
 ۲۳۳، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۶، ۲۳۸
 ۲۵۰، ۲۵۳، ۲۶۲، ۲۷۲، ۲۷۱
- ۲۷۲ -
 حنظلہ بنت شام :- ص ۲۰۲
 حنیفہ (جنو) :- ص ۷۸

حنین (جنگ) :- ص ۵۸

حیره (مقام) ص ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵

۲۶۴، ۱۲۲، ۱۲۶، ۸۳

(خ)

خالد بن بٹیا :- ص ۱۰۸

خالد بن عرفطہ :- ص ۲۵۱

خالد بن سعید :- ص ۱۹۰، ۳ تا ۲۶، ۲۴

۲۰۳، ۲۰۰، ۱۶، ۱۸۲، ۸۰، ۳۲، ۲۷

۲۶۶، ۲۵۵

خالد بن ولید :- ص ۱۵، ۳، ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۳

۲۵، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۵، ۳۸، ۳۹، ۵۵، ۵۶

۵۷، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۸

۷۹، ۸۳، ۸۴، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۹

۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۷

۱۲۰ تا ۱۲۵، ۱۳۱، ۱۳۱ تا ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴

۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۹، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵

۱۶۵، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۸۱، ۱۸۲

۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۹، ۲۰۶

۲۰۵، ۲۰۶، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۶

۲۱۸، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴

۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱

۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹

۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰

خالد بن الیمان :- ص ۸۳، ۱۳۱، ۲۶۶

خزستان (خوزستان) ص ۲۴۳

خسرو پرویز :- ص ۵۳

خنافس (مقام اور جنگ) :- ص ۲۶۷

خندق (جنگ) ص ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۰

خوشاب (ضلع) :- ص ۲۱۹

خوشب :- ص ۱۶۱

خولہ بن ازور :- ص ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳

خیبر (مقام اور جنگ) :- ص ۳۸، ۵۲

(د)

دار ارقم :- ص ۲۵۶

داؤد (پیغمبر) :- ص ۱۳

داؤد عرب سفیر :- ص ۷۳، ۷۴

دروز (قبیلہ) :- ص ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۲۲، ۲۳

درہ مواب :- ص ۱، ۳، ۵۸، ۹۱، ۹۲، ۹۳

دومتہ الجندل :- ص ۱۲، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴

۲۷، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹

۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷

دمشق :- ص ۳، ۱۳، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸

۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱

۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲

۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲

۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲

۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲

۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲



رمله (مقام) :- ص ۱۳، ۳۲

روس :- ص ۱۵۵

روم (رومی یا اهل روم) :- ص ۲، ۷، ۱۳

۱۳، ۱۶، ۲۲، ۲۳، ۳۱، ۳۳ تا ۳۳، ۳۵

۳۶، ۳۷، ۳۹، ۴۰، ۴۳ تا ۴۳، ۴۴

۴۳، ۴۵، ۴۶، ۴۹، ۵۰ تا ۵۰، ۵۱ تا ۵۱

۵۹ تا ۸۱، ۸۳، ۸۹، ۹۰، ۱۰۰، ۱۰۶، ۱۱۰

۱۱۳، ۱۱۶ تا ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۲

۱۲۴، ۱۲۹ تا ۱۳۳، ۱۳۵ تا ۱۳۷

۱۳۹ تا ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۴۸، ۱۵۰

۱۵۳، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۲، ۱۶۳

۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۷

۱۸۰، ۱۸۳ تا ۱۹۳، ۱۹۴ تا ۱۹۹، ۲۰۱

۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۳ تا ۲۱۶

۲۱۸، ۲۲۲، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۲، ۲۳۲

تا ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۵۰، ۲۵۳

رومی (مولانا جلال الدین) :- ص ۸

رومیل (جرمن جنزل) :- ص ۳۳

ربا (مقام) :- ص ۲۵۲

رسم (مقام) :- ص ۲۷۳

رشن

زار روس :- ص ۹

زبیر بن عوام :- ص ۸۷، ۱۰۸، ۱۱۶

۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۹، ۱۶۲، ۱۶۳

۲۱۴، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۳۱

۲۳۴، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۶۲، ۲۶۹، ۲۷۱

دیرجان :- ص ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۸، ۱۷۳

۱۸۸، ۱۸۹، ۲۱۱

دیره :- ص ۳۵، ۵۳، ۹۳، ۱۶۲

۲۲۹، ۲۳۱

(ذ)

ذکریا (پیغمبر) :- ص ۱۳

ذوالکفاح :- ص ۱۱۵، ۱۳۲، ۱۶۰

ذوالمره (مقام) :- ص ۳۲

ذوالناطقتین (اسماء بنت ابوبکر) ص ۲۰۳

ذوقرود (مقام) :- ص ۵۸

ذوظلیم :- ص ۱۶۱

ذوقضه (مقام) :- ص ۱۹، ۲۴۵

(ص)

دافع بن غیره :- ص ۳۲، ۳۳

داجها (میر) :- ص ۱۲۲

دبیعه (بنو) قبیلہ :- ص ۲۵۲

دعائتین (مقام) :- ص ۳۵

دقاة (دادی) :- ص ۱۶۳، ۱۷۳، ۲۱۲

۲۱۳

دقه (مقام) :- ص ۲۵۲

سلاسل جنگ (کاظم) :- ص ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰

سلمان فارسی :- ص ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱

سلیمان (پنیر) :- ص ۱۳

سلاو - یاسلاف (قوم) :- ص ۱۵، ۱۶، ۱۷

سلمہ (علاقہ اور پہاڑی) :- ص ۳

سلمہ بن ہشام :- ص ۲۵۶

سمط بن الاسود :- ص ۱۶۱

سنجوگتا (پرتھوی راج) :- ص ۱۶۰

سند و ہبہ (مقام) :- ص ۳۲

سنیت العقاب (جگہ) :- ص ۳۵، ۳۶

۱۱۹، ۱۱۶

سوئی (مقام) :- ص ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۸

سوفورینس (پادری) :- ص ۲۳۱

سورہنی (مہینوال) :- ص ۱۲۲

سوید بن مقرن :- ص ۸۳

سہیل بن عدی :- ص ۲۵۲

سہیل :- ص ۱۶۱

سیانکوٹ :- ص ۱۳۳

سیواجی دغا باز مرستہ :- ص ۷۲

(شوق)

شارلیمان (فرانس کا بادشاہ) :- ص ۷

شام :- ص ۱۳، ۱۲، ۹، ۷، ۴، ۳

۱۵، ۱۶، ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۵، ۲۶

۱۶۸، ۱۹۰، ۲۰۳

زرود (مقام) :- ص ۱۲۲، ۲۷۰

زیاد بن حنظلہ :- ص ۱۶۱

زیاد بن لبید :- ص ۲۶۶

زید بن حارث :- ص ۲۳۲

زید بن زبیر :- ص ۱۰۸

زید بن عوف :- ص ۱۶۱

(سن)

سباط (چھاؤنی) :- ص ۲۷۲

سپین (ہسپانیہ) :- ص ۱۰۰، ۱۳۷

سٹالن گراڈ (شہر) :- ص ۲۳۷

سرخ (مقام) :- ص ۲۲۹

سر سید :- ص ۲۲۱

سسلی (جزیرہ) :- ص ۲

سعد بن ابی وقاص :- ص ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۸

۱۲۲، ۱۳۲، ۱۶۸، ۱۷۵، ۱۷۶، ۲۱۷

۲۳۰، ۲۳۸، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۵، ۲۷۰

۲۷۲

سعید بن عامر :- ص ۶۵

سعید بن عمیر التیمی :- ص ۶۵

سقلار بن مخراق :- ص ۳۰، تا ۱۳۲

سقیفہ بنو ساعدہ :- ص ۳۰

سکندر یونانی :- ص ۷

شرح جیل بن عمر و غسانی (مردد) :- ص ۹۰

۱۵۲، ۱۳۷، ۱۵

ششس (جزل) :- ص ۱۳۵ تا ۱۳۷

شیراز (مقام) :- ص ۱۳۹، ۱۳۰

۲۳۳، ۱۳۲

شیرازی (حافظ) :- ص ۳۳

شیرین (رفیاد) :- ص ۱۲۲

(ص)

صالح بن طلحه :- ص ۱۰۸

صانقت بن الاسود :- ص ۱۱۷

صراصر کا چشمہ :- ص ۹۸، ۱۱۵، ۲۶۹

صفوان بن امیہ :- ص ۱۶۰، ۱۹۰، ۲۰۰

صلاح الدین الیوبی :- ص ۷۷، ۸۰، ۲۲۰

صوفیا (مسجد) :- ص ۲۳۷

صہیب رومی :- ص ۸، ۲۶۱

(ص)

صیا بن خلیفہ (جعفور پاک کا سفیر) :-

ص ۱۰، ۱۲، ۱۳

ضار بن ازور :- ص ۳۹، ۶۲، ۵۰

۶۳، ۶۵، ۷۰، ۷۳، ۷۵، ۸۰

۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۷، ۱۳۹، ۱۶۰، ۱۶۷

۱۷۲، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۱

۲۰۵، ۲۱۳، ۲۱۹، ۲۶۱

۲۹، ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۵، ۳۶، ۳۸، ۴۰

۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۹

۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹

۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹

۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹

۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹

۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹

۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸

۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷

۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶

۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵

۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴

۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳

۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲

۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱

۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰

۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹

۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸

۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷

۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶

۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵

۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴

۲۳۵

(ط)

طبرستان: ص ۲۷۳

طبری: ص ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۸، ۳۰۹

۱۰۵، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۳۲، ۱۵۹، ۱۶۰ تا

۱۶۲، ۱۶۹، ۲۰۲، ۲۲۹

طبری (تجلیل اور مقام): ص ۱۳۰، ۱۳۱

۳۲، ۳۳، ۴۰، ۸۱، ۹۳، ۹۵، ۱۲۶

۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۵۱، ۲۷۰

طریقہ بن حاجز: ص ۸۳، ۲۶۶

طیفیل بن حارث: ص ۱۲۵

طلحہ بن عبید اللہ: ص ۸۷، ۱۰۸

طلیحہ (خراسان): ص ۱۶۷، ۲۶۵

(ع)

عاصم بن عمرو: ص ۲۵۲

عامر بن سعد: ص ۱۰۸

عامر بن طیفیل: ص ۱۷۲

عباس بن رینو: ص ۱۲۵

عباس بن عبدالمطلب: ص ۱۰۸، ۱۲۵

۱۶۰

عباس بن علی: ص ۱۰۸

عبد الرحمن بن ابوبکر: ص ۳۹، ۶۵

۱۱۲، ۱۸۲

عبد الرحمن بن خالد: ص ۱۶۰، ۲۶۲

عبد الرحمن بن عوف: ص ۱۲، ۱۰۸، ۲۳۳

۲۵۸، ۲۵۹

عبد القدر (ابلیہ) مقام: ص ۱۲۳

عبد اللہ بن عبدالمطلب (سیدنا): ص ۱۰۸

عبد اللہ بن جبیر: ص ۱۰۸

عبد اللہ بن حبیب: ص ۱۰۸

عبد اللہ بن جعفر طیار: ص ۱۲۳، ۱۲۴

۱۲۵، ۱۶۰

عبد اللہ بن زبیر: ص ۱۰۸، ۱۶۰

عبد اللہ بن عباس: ص ۱۲۵

عبد اللہ بن سفیان: ص ۲۵۶

عبد اللہ بن سعد: ص ۱۰۸

عبد اللہ بن عقیان: ص ۲۵۲

عبد اللہ بن علی: ص ۱۰۸

عبد اللہ بن عمر: ص ۶۵

عبد اللہ بن قیس: ص ۱۶۱

عبد اللہ بن مسعود: ص ۶۵، ۱۵۹، ۱۶۰

۱۶۳، ۲۶۹، ۱۷۵

عبد اللہ بن عبد الرحمن: ص ۱۰۸

عبد اللہ بن عباس: ص ۱۲۵

عبیدہ بن حارث (شہید بدر): ص ۱۰۸

۱۲۵

عبیدہ بن زبیر: ص ۱۰۸

عنبہ بن ربعی: ص ۱۶۱



عنتیه بن غزو ان : ص ۸۳

عثمان بن سعد بن : ص ۱۰۸

عثمان بن عبد الرحمن بن : ص ۱۰۸

عثمان بن عفان (خلیفہ سوم) : ص ۳۷

۱۰۸ ، ۸۷

عثمانیہ (سلطنت) : ص ۷۷

عراق : ص ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۵ ، ۱۹ ، ۲۱

۲۳ ، ۲۴ ، ۲۵ ، ۲۶ ، ۲۷ ، ۲۸ ، ۲۹ ، ۳۰ ، ۳۱

۸۳ ، ۷۹ ، ۶۰ ، ۵۹ ، ۵۵ ، ۵۳ ، ۵۰

۱۱۱ ، ۱۱۰ ، ۱۰۶ ، ۱۰۳ ، ۱۰۲ ، ۹۸ ، ۹۱ ، ۸۶

۲۱۹ ، ۱۵۱ ، ۱۳۹ ، ۱۳۸ ، ۱۲۶ ، ۱۱۹

۲۶۷ ، ۲۵۴ ، ۲۵۲ ، ۲۳۹ ، ۲۳۷

۲۷۲ ، ۲۶۹ ، ۲۶۸

عرفجہ بن ہرثمہ : ص ۱۰۸ ، ۱۳۱ ، ۲۶۶

عروہ بن عبد الرحمن بن : ص ۱۰۸

عروہ بن زبیر بن : ص ۱۰۸

عروہ بن مسعود : ص ۱۰۸

عزاز (مقام) : ص ۲۳۶

عزازیر (جبل) : ص ۱۰۹ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳

عزرائیل (فرشتہ) : ص ۱۱۳

عصمتہ بنت عبد اللہ : ص ۱۶۱

عقبہ (عقبہ) - عریاقہ کی وادی یا ایلین : ص ۱۱۳

۶۰ ، ۵۷ ، ۳۱

عقربہ (میدان جنگ یا ماہ) : ص ۷۸

عقرہ (مقام) : ص ۱۳۳

عقیل بن حمزہ بن : ص ۱۲۵

عکرمہ بن ابوجہیل : ص ۲۰ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۲۳

۸۳ ، ۱۶۰ ، ۱۷۲ ، ۱۸۸ ، ۱۹۰ ، ۱۹۳

۱۹۶ ، ۱۹۷ ، ۱۹۹ ، ۲۰۳ ، ۲۶۶ ، ۲۶۷

علابن الحضرمی : ص ۸۳ ، ۲۵۵ ، ۲۶۶

۲۷۳

علمین (مقام) : ص ۳۵

علوی (اولاد علی) : ص ۵۲

علی بن ابوطالب (خلیفہ چہارم) : ص ۵۰

۲۳ ، ۳۰ ، ۳۱ ، ۳۷ ، ۳۸ ، ۴۵ ، ۸۷

۱۰۸ ، ۱۲۸ ، ۱۸۱ ، ۲۰۳ ، ۲۱۷ ، ۲۳۳

۲۳۶

عماد الدین زنگی : ص ۸۰ ، ۲۲۰

عمار بن یاسر بن : ص ۲۵۵

عمارہ بن حمزہ بن : ص ۱۲۵

عمان : ص ۹ ، ۱۳ ، ۲۹ ، ۷۰ ، ۸۱ ، ۹۲

۹۳ ، ۲۲۲

عمارہ بن مجنشی : ص ۱۶۱

عمر بن خطاب (فاروق اعظم ، خلیفہ دوم)

ص ۵ ، ۲۳ ، ۳۰ ، ۳۶ ، ۳۸ ، ۸۶

۸۸ ، ۹۰ ، ۹۲ ، ۹۳ ، ۹۵ ، ۹۹ ، ۱۰۱

عیاش بن یزید - ص ۲۵۶

عیاض بن غنم - ص ۲۰۰ تا ۲۴۱

۲۵۱ تا ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۶۶

عیسیٰ (سیبیر) - ص ۱۱۳ تا ۱۳۳

عیسیٰ بن طلحه - ص ۱۰۸

عین التمر (مقام) - ص ۳۲ تا ۸۳، ۲۹۷

عینیہ بن حص (بنو فزارة) - ص ۲۶۵

(ع)

غازہ یا غزہ (مقام) - ص ۱۳ تا ۲۷

۳۱، ۷۹، ۱۳۳

غسان - بنو یا غسانی - ص ۱۵ تا ۱۶، ۲۲

۱۵۲، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۷

۲۰۵

(ف)

فاطمہ الزہراء بنت رسول - ص ۲۵۶

فاطمہ (بیٹی) - ص ۱۰۸

فاطمہ (بیوی) - ص ۱۰۹

فارس (علاقہ اور خلیج) - ص ۳۷

۶۸، ۷۳، ۲۷۸

فاروق (بھتیجا) - ص ۱۰۸

فحل (جنگ اور مقام) - ص ۳ تا ۳۳

۸۱، ۹۰، ۹۲، ۹۵، ۹۷، ۹۸، ۱۰۱

۱۰۲، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۶، ۱۲۶، ۱۲۹

۱۰۲، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۰ تا ۱۲۲

۱۲۴، ۱۲۵، ۱۳۸ تا ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۴۹

۱۵۹، ۱۶۷، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۸۱

۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۱۶، ۲۱۷

۲۲۱، ۲۲۵، ۲۲۸ تا ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۳۸

۲۴۱ تا ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۵۰ تا ۲۵۲، ۲۵۴

۲۶۰، ۲۶۹، ۲۷۲

عمران بن طلحه - ص ۱۰۸

عمر بن العذری - ص ۲۷

عمر بن عکرمہ - ص ۱۶۰ تا ۲۰۰، ۲۰۳

عمر بن سعد - ص ۱۰۸

عمر بن فلان - ص ۱۶۱

عمر بن عاص - ص ۱۹ تا ۲۱، ۲۵ تا ۲۸

۳۱ تا ۳۳، ۳۵، ۵۴، ۵۷ تا ۵۹، ۸۳

۹۶، ۹۷، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۳۱ تا ۱۳۳، ۱۳۸

۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۹، ۱۷۲، ۱۷۸

۱۸۵، ۱۹۱ تا ۱۹۵، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۵، ۲۰۹

۲۱۲، ۲۲۷ تا ۲۳۰، ۲۳۲ تا ۲۳۴، ۲۴۱

۲۳۲، ۲۴۱، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۶، ۲۶۸

عمر بن عتبہ - ص ۱۶۱

عمیق القصر (مقام) - ص ۳۲

عمیر بن ابو عبیدہ - ص ۲۶۲



(رق)

قادسیه (مقام اور جنگ) :- ص ۹۳،

۱۳۸، ۱۲۲، ۱۰۹، ۱۰۲، ۹۹، ۷۷

۱۷۶، ۱۷۵، ۱۶۸، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱

۲۷۱، ۲۷۰، ۲۵۲، ۲۱۷

قیات :- ص ۱۶۱

قبر :- ص ۱۳

قیو قلار :- ص ۵۳، ۶۰، ۶۳، ۶۴، ۷۶

قراقر (مقام) :- ص ۳۰ تا ۳۳، ۵۶

قرقیشیا (مقام) :- ص ۲۵۲، ۲۵۳

قرباطین (مقام) :- ص ۳۵

قرین (جزل) :- ص ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۶ تا

۱۹۹، ۲۱۰ تا ۲۱۳

قناریہ (بندرگاہ) :- ص ۱۳، ۳۲، ۹۵

۱۳۰، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۵۲ تا

۱۵۴، ۱۶۲، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۳

۲۳۱، ۲۳۳، ۲۵۱، ۲۷۲

قسطنطنیہ (استنبول) :- ص ۲، ۷، ۸، ۹

۱۶، ۵۳، ۱۲۲، ۱۳۴، ۱۳۹، ۲۲۱

۲۳۷، ۲۳۷

قصر (مقام) :- ص ۳۲

قصر شیریں (مقام) :- ص ۲۷۲

قضاہ در بنو :- ص ۲۰، ۲۷

۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۷

۱۶۲، ۱۸۳، ۲۶۹، ۲۷۰

فرات (دریا) :- ص ۱۳، ۲۳، ۱۳۲

۱۳۳، ۲۳۸

فرائض (مقام) :- ص ۱۵، ۳۰ تا ۳۲

۲۶۷، ۲۸۳

فرانس :- ص ۷

فرعون :- ص ۱۲

فریاد لریشیریں :- ص ۱۲۲

فضل بن حمزہ :- ص ۱۲۵

فضل بن عباس :- ص ۲۵، ۱۶۰

فلر (مبجر جزل) :- ص ۳۹، ۴۰، ۷۶ تا

۷۹، ۱۳۷، ۱۳۸، ۲۱۸، ۲۱۹

فلسطین :- ص ۳۷، ۳۷ تا ۱۹

۲۱، ۲۵، ۲۶، ۲۸، ۳۱، ۳۳، ۳۵

۳۶، ۵۳، ۵۴، ۶۰، ۶۹، ۷۳

۸۰، ۹۱، ۹۳، ۹۴، ۹۶، ۹۹، ۱۰۳

۱۰۵، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۳۲ تا ۱۳۵

۱۳۸، ۱۳۲ تا ۱۳۴، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۶

۲۲۰، ۲۲۷، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۸

۲۴۱، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۸، ۲۵۱

۲۵۳، ۲۶۸، ۲۷۰

قیاس (جزل) :- ص ۲۳۳، ۲۳۵

قیقار بن مسطور :- ص ۵

کسری ایران :- ۲۳۸، ۱۳۸
 کلاسوٹز :- ص ۱۰۳، ۸۹، ۵۶، ۳۹
 ۲۲۲، ۲۱۸، ۱۵۵، ۱۳۵، ۱۱۰، ۱۰۶
 کلب (ربو) :- ص ۲۷، ۱۲
 کمال ترکی :- ص ۲۳۷، ۲۲۱
 کوئی مقام ابراہیم :- ص ۲۷۱
 کوفہ (چھاڑنی) :- ص ۲۳۲
 کومستان نمک :- ص ۲۱۹، ۵۲
 (گ)

گبن (مورخ) :- ص ۲۱۹، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۰۶
 گلب (جزل) :- ص ۴۳، ۳۱، ۳۰
 ۴۴، ۴۴، ۴۴، ۴۴، ۴۴، ۴۴، ۴۴
 ۱۳۸، ۱۳۰، ۱۰۶، ۱۰۳، ۱۰۲، ۹۳، ۹۳
 ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۶۷، ۱۷۷، ۱۷۷، ۱۹۰
 ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۳
 گریگوری (رومی جزل) :- ص ۱۵۴، ۱۵۲
 ۱۵۸، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۳، ۱۷۷، ۱۸۸، ۱۹۱
 ۱۹۳، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۷، ۲۰۹
 ۲۱۱ تا ۲۱۳

(ل)

لبنان :- ص ۱۳۹، ۱۳
 لبیا :- ص ۹۹
 لقیط بن عبد القیس :- ص ۱۶۱

قطب شہید :- ص ۸۱
 قعقاع بن عمرو :- ص ۲۵۲، ۲۵۰، ۱۰۹
 ۲۷۱
 قلو ص :- ص ۱۱۲ تا ۱۱۳
 قناطر :- ص ۱۹۱، ۱۸۵، ۱۷۳، ۱۵۳
 ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۵، ۲۰۹ تا
 ۲۱۱، ۲۱۳
 قناسرین (قنسرین) مقام :- ص ۱۴
 ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۳۸، ۲۴۲
 قونیا (مقام) :- ص ۸
 قیس بن سیرہ :- ص ۹۹
 قیصر جرمی :- ص ۹
 قیصر روم :- ص ۱۰، ۱۲، ۱۷، ۱۷، ۱۹
 ۱۲۳، ۱۳۸، ۱۵۱، ۱۷۷، ۲۱۹، ۲۲۱
 ۲۳۸، ۲۳۵، ۲۳۹، ۲۶۸، ۲۷۱
 ۲۷۲
 قیصر ہند :- ص ۹
 (ک)

کاظمہ (مقام اور جنگ سلاسل) :-

ص ۸۳، ۲۶۷

کرو (قبیلہ) :- ص ۱۴
 کرمان شاہ (مقام) :- ص ۲۷۳
 کسکر (مقام) :- ص ۲۶۹، ۱۴۳، ۹۸

مدغور بن عدی :- ص ۱۹۱ تا ۲۵۷

مدینہ شریف :- ص ۱۰۵ تا ۱۶۰، ۲۵

۲۲، ۲۸، ۳۱، ۳۰، ۳۱، ۹۱، ۹۷، ۹۸، ۱۰۲

۱۰۸، ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۳، ۱۳۳، ۱۵۹

۱۶۲، ۱۶۷، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۲۱، ۲۳۰، ۲۳۳

۲۳۸، ۲۴۱، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۵، ۲۵۷

۲۶۵

مدائن :- ص ۸۳، ۱۲۶، ۱۳۲، ۱۳۹

۱۶۸، ۲۳۰، ۲۳۸، ۲۵۰، ۲۶۸

۲۷۱، ۲۷۲

مذار (مقام اور جنگ) :- ص ۲۶۷

مراکو :- ص ۱۰۱

مراش (مقام) :- ص ۲۵۲، ۲۵۵

مرج الراحت (مقام) :- ص ۲۵ تا ۲۷

۳۹، ۱۰۶، ۱۱۲

مرج الروم (مقام اور جنگ) :- ص ۲۲

۱۳۵، ۱۳۸، ۱۵۲

مرج الصفر (مقام اور جنگ) :- ص ۲۲

۳۶، ۹۳، ۹۵، ۹۸، ۱۰۵، ۱۰۶

۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۶۹

مسروق بن حلال :- ص ۱۶۱

مسلم (امام) :- ص ۱۳۷

مسلمہ کذاب :- ص ۲۶۶

لوط^۴ (پیغمبر) :- ص ۱۳

لیڈل ہاؤس :- ص ۳۹

لینن گراڈ :- ص ۲۳۷

(م)

محمد^۴ - حضور پاک، سرکارِ دو عالم

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم،

کتاب کے اکثر صفحات آپ کے کسی نہ کسی اسم

مبارک کے نور سے مزین ہیں اور ساری کتاب

آپ ہی کے جلال و جمال کا مظہر ہے۔ اس لئے

صفحات کا شمار نہیں کیا جاسکتا

محمد بن حنیفہ :- ص ۱۰۸

محمد بن طلحہ :- ص ۱۰۸

محمد بن عبدالرحمن :- ص ۱۰۸

محمد بخشش (میاں) :- ص ۳۳

مالک بن نویرہ :- ص ۲۶۶

مثنیٰ بن حارث :- ص ۳۲، ۳۰، ۳۲

۳۳، ۵۰، ۵۵، ۵۶، ۸۳، ۸۶، ۹۸

۱۰۹، ۱۱۸، ۱۲۲، ۲۰۳، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۵۷

۲۶۷ تا ۲۷۰

محمود غزنوی :- ص ۲۱۸

محراب گل افغان :- ص ۶۳، ۸۱

مخروم (جن) :- ص ۲۰۲، ۲۵۷

مختار ثقفی :- ص ۱۰۸

مخزوم بن حریش (رہنما) :- ص ۲۰۲، ۲۵۷

- ۲۲۲، ۱۸۱، ۱۳۷
موسیٰ (سینیر) :- ص: ۱۳
موسیٰ بن طلحہ :- ص: ۱۰۸
موسیٰ بن سعد :- ص: ۱۰۸
موصل (مقام اور جنگ) :- ص: ۲۳۷، ۸
 ۲۷۲، ۲۳۹
مہاجر بن امیہ :- ص: ۲۶۷، ۸۳
مہرہ (علاقہ) :- ص: ۲۶۶، ۲۰۰
مہینوال (سومنی) :- ص: ۱۲۲
میانوالی :- ص: ۵۲
میسرہ بن مسروق :- ص: ۲۷۲
میمونہ (ام المومنین) :- ص: ۱۶۰
 (ن)
بناج (مقام) :- ص: ۱۲۲
نیولین :- ص: ۱۵۵
ندوی (سید ابوالحسن) :- ص: ۲۲۱
نسیم حجازی :- ص: ۱۲۱
نصیبین (مقام) :- ص: ۲۵۲
نعمان بن مقرن :- ص: ۲۷۵، ۷۰، ۲۷۳
نقرہ (مقام) :- ص: ۶۳
نمارق (مقام اور جنگ) :- ص: ۲۶۹
نور الدین زنگی :- ص: ۲۲۰، ۸۰
نہاوند (مقام اور جنگ) :- ص: ۷۷، ۷۰

- مسولینی :- ص: ۱۲۶، ۱۲۷
مصر :- ص: ۲۳۲، ۲۳۱، ۹۹، ۱۵، ۱۳، ۲
 ۲۷۳، ۲۵۳، ۲۵۱، ۲۳۴
مصعب بن زبیر :- ص: ۱۰۸
مصعب بن سعد :- ص: ۱۰۸
مصعب بن عمیر :- ص: ۱۰۸
مصعب بن عبد الرحمن :- ص: ۱۰۸
مصیح (مقام اور جنگ) :- ص: ۳۱، ۳۲
 ۲۶۷
معاذ بن جبل :- ص: ۶۵، ۶۹، ۱۳۱
 ۲۶۱، ۱۶۰
معان (مقام) :- ص: ۲۹
معاویہ بن ابوسقیان :- ص: ۱۳۸، ۲۹
 ۲۳۳، ۲۳۱، ۲۳۳، ۱۶۰، ۱۵۳، ۱۵۲
 ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۵۱
معاویہ بن خدیج :- ص: ۱۶۱
معبد بن عباس :- ص: ۱۲۵
مغیرہ بن شعبہ :- ص: ۲۵۵
مکہ مکرمہ :- ص: ۱۰۰، ۵، ۱۳، ۲۸، ۷۸
 ۲۳۳، ۲۲۷، ۲۰۰، ۱۶۰، ۱۳۲
ملایا (ملاشیا) :- ص: ۹۹
موتہ (مقام اور جنگ) :- ص: ۱۷، ۱۶، ۷
 ۹۳، ۷۸، ۷۷، ۶۰، ۳۰، ۳۱، ۲۹، ۱۹

سپاسنامه (سپین) :- ص ۴۴

هند و پاکستان (برصغیر) :- ص ۱۰۱

ہندو زوجہ ابوسفیان رضی :- ص ۱۸۶ تا ۱۶۰

۲۰۱، ۱۹۰، ۱۸۷

۱۲۲

۱۳۰، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴

۲۵۳، ۲۵۰، ۲۴۶، ۲۴۱

سپاسنامه (سپین) :- ص ۴۴

ہند و پاکستان (برصغیر) :- ص ۱۰۱

ہندو زوجہ ابوسفیان رضی :- ص ۱۸۶ تا ۱۶۰

۲۰۱، ۱۹۰، ۱۸۷

۱۲۲

(ج)

یکجی (برصغیر) :- ص ۱۳

یکجی (برصغیر) :- ص ۱۰۸

یروشلم در بیت المقدس :- ص ۷۹

یرموک :- ص ۳، ۱۵، ۲۲ تا ۲۳

۲۶، ۳۵، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۲۹، ۲۶

۷۷، ۶۰، ۵۷، ۵۳، ۴۸، ۳۶، ۳۵

۷۸، ۸۹ تا ۹۷، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۱۱

۱۱۴، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴

۱۳۲، ۱۳۷، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۹ تا

۱۶۶، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۵ تا

۲۷۳، ۱۶۷

(و)

واقعی :- ص ۵۱، ۵۰، ۴۶، ۲۹، ۲۳

۱۱۷، ۱۰۷، ۱۰۵، ۹۰، ۶۰، ۵۳

۱۲۲ تا ۱۸۷

واقصہ (یا قوصہ) گھاٹی :- ص ۹۲، ۸۹

۱۵۶، ۱۲۷، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۵، ۹۷، ۹۳

۱۵۹

وحید بن خلیفہ :- ص ۱۶۱

وردن :- ص ۷۲، ۶۹، ۶۸، ۶۰، ۵۳

تا ۷۵

ولجہ (جنگ) :- ص ۶۷، ۶۲

ولید بن عقبہ :- ص ۸۳، ۲۶، ۲۳، ۲۰

ولید بن عقبہ :- ص ۲۵۲

ولید بن ولید :- ص ۲۵۶

ویل :- ص ۷۹

(ک)

باشم بن عبد مناف :- ص ۱۲۳

باشم (بنو) :- ص ۲۶۲

باشم بن ابی حذیفہ :- ص ۲۵۶

باشم بن عقبہ :- ص ۲۵۲، ۲۵۱، ۱۳۸

۲۷۲، ۲۷۱

بارون (برصغیر) :- ص ۱۳

لیعقوبی (مورخ) :- ص ۱۱۲	۲۱۶، ۲۱۳، ۲۰۹، ۲۰۰، ۱۹۰، ۱۷۹
لیعقوب بن طلحہ ^{رضی} :- ص ۱۰۸	۲۲۰، ۲۱۸ تا ۲۲۹، ۲۲۷، ۲۲۵
لیعلی ^{رضی} بن حمزہ ^{رضی} :- ص ۱۲۵	۲۳۶، ۲۳۳، ۲۳۳، ۲۳۱، ۲۳۴
یمامہ (مقام اور جنگ) :- ص ۲۰۶، ۲۰۷ تا	۲۴۱، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۵۱، ۲۴۷
۲۶۷، ۲۶۶، ۲۴۳، ۸۳، ۷۹	یزدجرد :- ص ۱۲۳، ۵۴
یمین :- ص ۲۰، ۲۶، ۱۶۶، ۲۰۰، ۲۶۷	یزید ^{رضی} بن ابوسفیان ^{رضی} :- ص ۲۵ تا ۲۹، ۲۷
یورپ یا یورپین وغیرہ :- ص ۸، ۷، ۲	تا ۳۳، ۳۳، ۶۵، ۷۶، ۸۳، ۹۷، ۱۱۵
۱۰۳، ۱۰۰، ۷۶، ۶۹، ۶۳، ۱۳، ۹	۱۲۵، ۱۲۶، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۸
۱۵۳، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۵، ۱۳۲	۱۵۲ تا ۱۵۳، ۱۵۶، ۱۶۰، ۱۷۰، ۱۸۶
۲۳۶، ۲۲۲ تا ۲۱۹، ۱۸۸، ۱۷۰، ۱۵۳	۱۹۳، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۳
یوسف (پیغمبر) :- ص ۱۳	۲۱۲، ۲۲۷ تا ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴
یوسف طاہر (بھتیجا) :- ص ۱۰۸	۲۳۱، ۲۳۷، ۲۳۷، ۲۵۱، ۲۵۱، ۲۶۸
یونان :- ص ۷، ۱۳، ۶۶، ۹۹، ۱۳۰	۲۶۹، ۲۷۱
۱۳۸	یزید ^{رضی} بن ابوعبیدہ ^{رضی} :- ص ۲۶۲
یونس ^{رضی} :- ص ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۲	یزید بن نجیس :- ص ۱۶۱
یہودی :- ص ۱۳، ۷۸	یسوع مسیح (حضرت عیسیٰ ^{علیہ السلام}) :- ص ۱۱۳

(نوٹ) صفحات نمبر ۱۸، ۱۰۳، ۱۲۸، ۱۳۶، ۲۲۶، ۲۶۳، ۲۷۳ جو خالی تھے کتاب میں شامل نہیں کئے گئے۔ قارئین نوٹ فرمائیں۔

☆☆☆

تمام شد

مطبوعات تصوف فاؤنڈیشن

کلاسیک کتب تصوف کے مستند اردو تراجم

قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	مؤلف: ابن حلاج	ترجمہ: عتیق الرحمن عثمانی
قیمت مجلد ۳۰۰ روپے	مؤلف: ابو نصر سراج	ترجمہ: سید اسرار بخاری
قیمت مجلد ۱۲۵ روپے	مؤلف: امام ابو یوسف کلابازی	ترجمہ: ڈاکٹر سعید محمد حسینی
قیمت مجلد ۲۲۵ روپے	مؤلف: سید علی جوہری	ترجمہ: سید محمد فاروق قادری
قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	مؤلف: خواجہ عبد شمس انصاری	ترجمہ: حافظ محمد افضل نصیر
قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	مؤلف: غوث الاعظم جلال الدین	ترجمہ: سید محمد فاروق قادری
قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	مؤلف: ضیاء الدین سہروردی	ترجمہ: محمد عبد الباقی
قیمت مجلد ۳۰۰ روپے	مؤلف: شیخ اکبر ابن عربی	ترجمہ: مولوی محمد فضل خاں
قیمت مجلد ۱۵ روپے	مؤلف: شیخ اکبر ابن عربی	ترجمہ: برکت اللہ فرنگی محلی
قیمت مجلد ۱۲۵ روپے	مؤلف: بہاء الدین زکریا ملتانی	ترجمہ: ڈاکٹر محمد میاں صدیقی
قیمت مجلد ۱۲۵ روپے	مؤلف: مولانا عبد الرحمن جامی	ترجمہ: سید فیض الحسن منشی
قیمت مجلد ۱۵ روپے	مؤلف: شاہ ولی اللہ دہلوی	ترجمہ: سید محمد فاروق قادری
قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	مؤلف: شاہ ولی اللہ دہلوی	ترجمہ: سید محمد فاروق قادری
قیمت مجلد ۱۵ روپے	مؤلف: سید محمد سعید نعمانی	ترجمہ: غلام نظام الدین بھٹو

اہم کتب تصوف اور تذکرے

قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	کشف المحجوب فارسی (سوز تہران)	مؤلف: شیخ علی بن عثمان جوہری	ترجمہ: علی قاسم
قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	کشف المحجوب انگریزی (سوز لاہور)	مؤلف: شیخ علی بن عثمان جوہری	ترجمہ: آرزو گلشن
قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	تصوف اسلام	مؤلف: عبدالجبار دیدیادی	
قیمت مجلد ۱۵ روپے	ارمغان ابن عربی	مؤلف: مولانا محمد اشرف علی حقاری	
قیمت مجلد ۱۲۵ روپے	آئینہ تصوف	مؤلف: ضیاء الحسن فاروقی	
قیمت مجلد ۱۵ روپے	دعوت ارواح	مؤلف: محمد ارشد قادری	
قیمت مجلد ۵۰ روپے	شمال رسول (اردو ترجمہ)	مؤلف: شیخ یوسف بن اسماعیل نیہانی	ترجمہ: محمد میاں صدیقی
قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	بیماری اور آس کا روحانی علاج	مؤلف: ڈاکٹر سعید رسول الدین	
قیمت مجلد ۱۵ روپے	تذکرہ مشائخ قادریہ فاضلیہ	مؤلف: اسرار الحسنی قادری فاضلی	
قیمت مجلد ۱۵ روپے	سیرت فخر العارفین	تذکرہ: شاہ محمد عبدالحی جامی	ترجمہ: سید سکندر شاہ
قیمت مجلد ۵۵ روپے	چراغ ابوالصلاتی	تذکرہ: مولانا محمد حسن دھرمت تقی شاہ	ترجمہ: غلام آسی پٹا
قیمت مجلد ۱۵ روپے	حدیقہ الاولیاء	مؤلف: مفتی غلام سرور لاہوری	ترجمہ: محمد اقبال مجددی
قیمت مجلد ۱۵ روپے	احوال و آثار حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی	مؤلف: حمید اللہ شاہ	
قیمت مجلد ۱۲۵ روپے	انصاف الخواص	تذکرہ: حضرت فضل شاہ قطب عالم برلاسید	مؤلف: نواز زولفی
قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	فاضلی انوار الہی	مؤلف: حضرت فضل شاہ قطب عالم برلاسید	ترجمہ: حافظ نذیر الاسلام

پبلشر: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۲۹ لاہور، پاکستان (معارف) محمد بخش راولپنڈی، پاکستان

